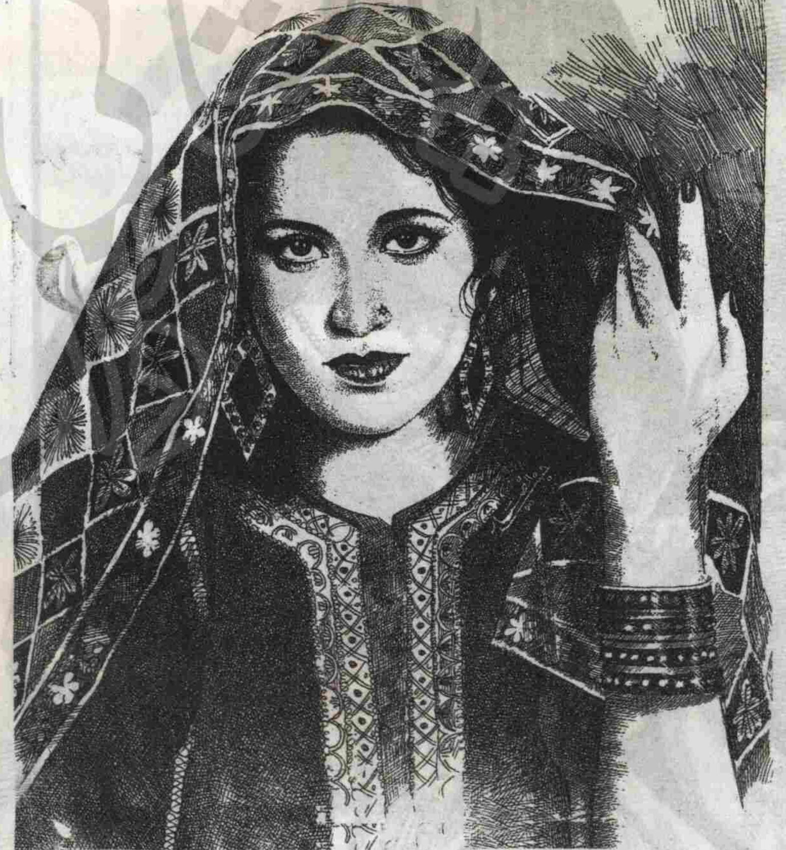
خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ

ردا ڈائجسٹ

August
2012

ماڈل: صنم عباسی
میک اپ: روز بیوٹی
فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے



سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

اگست 2012ء
جلد نمبر 17 شمارہ نمبر ۸
قیمت 50 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
600 روپے

34535726

پبلشر وایڈیٹر صالحہ محمود نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی



صالحہ محمود

صبح زندگی اور شام زندگی کا حساب رکھنا' ایک دشوار ترین لمحہ ہے مگر بندہ بشر کیا کرے یہ سوچنا ہی پڑ جائے تو زندگی' زندگی ہے آسان اور دشوار سفر کو کیا دیکھنا کوہ گراں سے گزرنے کے لئے راستہ پھر بھی مل ہی جاتا ہے یعنی مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہیے' اسی طرح سے کام کی رفتار کو بھی اتنا دشوار نہ سمجھئے' کوئی کام کام نہیں ہوتا بس ایک عزم کا لمحہ ہوتا ہے جو گزر جائے تو صبح اور ٹھہر جائے تو شام کہتے ہیں۔ ہماری تمہاری زندگی کا شمار انہی چہچہاتے پرندوں کی مانند ہوتا ہے جو صبح و شام دانے کی تلاش میں قریہ قریہ بستی بستی آتے جاتے رہتے ہیں صرف ایک دانے کی تلاش میں۔ ہم تو پھر بھی انسان ہیں اللہ کی نعمتوں سے مالا مال' کبھی پلٹ کر سوچا کہ ان انمول خزانوں میں کتنی رحمتیں کتنی برکتیں ہیں جو ہم پیچھے چھوڑ آئے' ذکر انہی رحمتوں کا ہے کہ تم کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ باری تعالیٰ کی رحمتوں بھرا ابر ہمارے سروں پر آن ٹھہرا ہے' خطہ آزادی کا وقت بہت زور و شور سے آیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ دمکتے ہوئے چاند اور ستاروں کی روشنی میں اور ماہ صیام کا مہینہ جب ابر ٹوٹ کر آسمان سے برساتھا تو روزے داروں کی دعا قبول ہو چکی تھی۔ ارضِ وطن کی تعمیر مسلمانوں کی تقدیر میں لکھ دی گئی تھی آج پھر تاریخ لوٹ کر اسی در پر آئی ہے' ہمیں یاد دلانے کے لئے۔ اگست کا مہینہ ہے اور روزے داروں کی دعاؤں کی صدا خانہ کعبہ تک ضرور جائے گی ذکر الٰہی میں اس نعمت کو یاد رکھئے' جشن آزادی' چھتوں پر سبز ہلالی پرچم لہرانے سے رسمِ دنیا تو ہو جاتی ہے لیکن رسمِ دین نہیں' ہمیں اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ 14 اگست کو ہم ایک آزاد ملک میں آزاد شہری ہیں' بھارت کے مسلمانوں سے اس آزادی کی قیمت پوچھیئے' خیر ذکر اللہ کیجئے جب آپ کے ہاتھوں میں اگست سالگرہ یعنی ردا کا عید نمبر پہنچے گا تو ہمیں آپ کے ہاتھوں کی مہندی اور خوشبو بھرے لمحوں کی بازگشت سنائی دے رہی ہوگی۔

چلو پھر مل کر عید منائیں' عید نمبر کیسا لگا؟ عید کے بعد لکھئے پھر رنگا رنگ ناول' ناولٹ' افسانے اور مضامین سے "ردا" سجایا گیا ہے۔ کیسا لگا لکھنا نہ بھولئے۔ ردا آپ کا ہے سو ہم ہر بات آپ سے شیئر کر چلے۔

چلتے ہو تو چمن کو چلئے کہتے ہیں کہ بہاراں ہے
پھول کھلے ہیں پت ہرے ہیں کم کم باد و بارا
بارش آنے والی ہے ہمسایوں کا خیال رکھئے گا۔

آپی



صالحہ محمود

ماہ صیام اور رحمت و مغفرت کی نوید

رمضان المبارک اسلامی سال کا نواں مہینہ ہے۔ اسی مہینے میں مکہ معظمہ فتح کر کے سرور کائنات اپنے تقریباً دس ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ مکہ معظمہ میں تشریف لائے۔ یہ مہینہ بڑی ہی برکتوں والا ہے کیونکہ اس ماہ میں اللہ رب العزت نے اپنے لافانی کلام قرآن مجید کو نازل کیا۔ ارشاد خداوندی ہے: "رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل ہوا"۔ (سورۃ البقرہ)

روایات سے پتا چلتا ہے کہ قرآن مجید' فرقان حمید کا ہی نہیں بلکہ دیگر آسمانی کتب کا نزول بھی رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں ہوا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "صحف ابراہیم' تورات' زبور اور انجیل یہ سب رمضان المبارک ہی میں نازل ہوئے"۔ اس مہینے کے بابرکت اور اس میں دعاؤں کے قبول ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے' چنانچہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "شعبان المعظم میرا مہینہ ہے اور رمضان المبارک اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے"۔ اس سے آپ اس ماہ کے تقدس اور برکت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس کے بابرکت ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس ماہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہم پر روزے فرض کیے اور یہ اعزاز باقی مہینوں میں سے کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں ارشاد فرماتا ہے:

"سو جو کوئی تم میں سے اس مہینے (رمضان المبارک) کو پائے تو ضرور اس کے روزے رکھے"۔ (سورۃ البقرہ)

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "اگر لوگوں کو روزہ رکھنے کی حقیقت (فضیلت) معلوم ہو جائے تو میری امت یہ تمنا کرنے لگے کہ پورا سال ہی رمضان المبارک رہے"۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: "جب رمضان المبارک آتا تو حضور ﷺ کا رنگ تبدیل ہو جاتا اور نماز میں اضافہ ہو جاتا اور دعا میں بڑی عاجزی فرماتے اور خوفِ خدا غالب ہو جاتا"۔

رمضان المبارک کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اس ماہ کے آخری عشرے میں ایک رات ایسی ہے کہ جو ہزار مہینوں سے بھی افضل ہے' جس کا نام شب قدر ہے اور یہی نہیں بلکہ وہ رات ایسی بابرکت اور فضیلت والی ہے کہ اس مبارک رات میں اللہ پاک نے اپنا ابدی اور لافانی کلام قرآن مجید' فرقان حمید نازل کیا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ہم نے اسے شب قدر میں اتارا اور آپ نے کیا سمجھا کہ کیا ہے شب قدر۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں اپنے رب کے حکم سے روح القدس اور فرشتے اترتے ہیں"۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے رمضان المبارک کے قریب ارشاد فرمایا: "رمضان کا مہینہ آ گیا ہے' جو بڑی برکتوں والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مہینے میں تمہاری

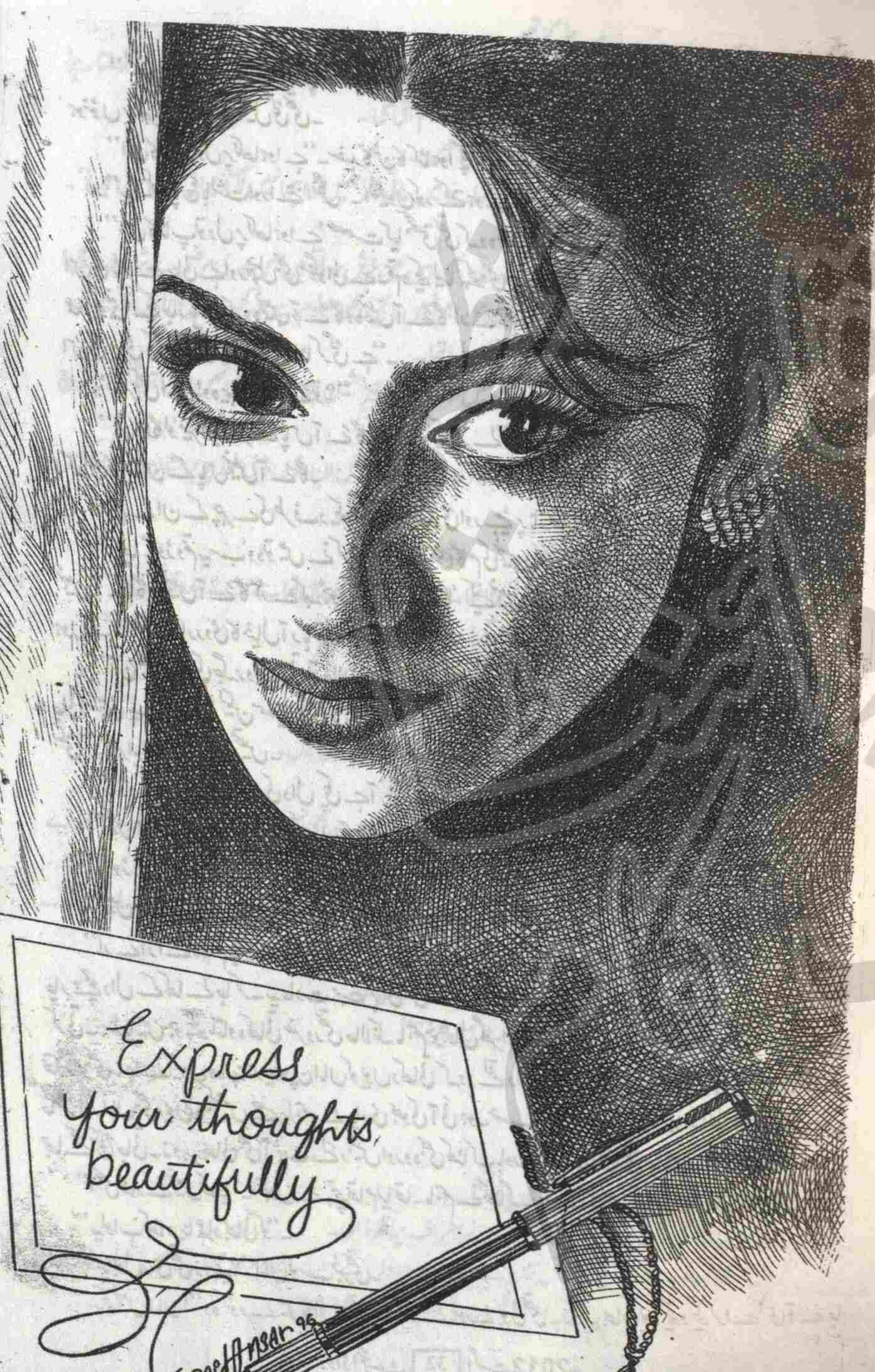
طرف متوجہ ہوتا ہے اور اپنی خاص رحمت نازل فرماتا ہے، خطاؤں کو معاف فرماتا ہے، دعا کو قبول فرماتا ہے اور تمہاری نیکیوں کی حرص کو دیکھتا ہے اور ملائکہ سے فخر کرتا ہے۔ بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہ جائے''۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہلاک ہو وہ شخص جس نے رمضان المبارک کا مہینہ پایا اور پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی''۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جو شخص رمضان المبارک کا ایک روزہ بغیر شرعی عذر کے نہ رکھے تو تمام عمر کے روزے رکھنا بھی اس کا بدل نہیں ہو سکتے''۔ رمضان المبارک صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور یہ باہمی رواداری اور غم خواری کا مہینہ ہے۔ اس ماہ کی برکت سے مومن کے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت اور تیسرا دوزخ سے آزادی کا ہے۔ اس ماہ میں کلمہ طیبہ اور استغفار کی کثرت سے اپنے رب کو راضی کرلو جنت کی طلب کرو اور جہنم سے پناہ مانگو۔ جو شخص کسی روزے دار کو پانی پلائے گا تو قیامت کے دن اللہ باری تعالیٰ اسے حوضِ کوثر سے ایسا پانی پلائے گا کہ اس کے بعد جنت میں داخل ہونے تک اسے پیاس نہیں لگے گی۔ رمضان المبارک میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں۔ روزے داروں کو ایک خاص دروازہ ''ریان'' سے جنت میں داخل کیا جائے گا، جس سے اور کوئی داخل نہ ہو سکے گا۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا اور روزہ ایک ڈھال ہے۔ روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پاک ہے۔ روزے دار کیلئے خوشی کے دو اوقات ہیں۔ ایک تو دنیا میں افطار کا وقت اور دوسرا آخرت میں اپنے رب سے ملاقات کا وقت۔

ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق رمضان المبارک میں ہر نفل کام کا ثواب فرض کے برابر ہوتا ہے یعنی رمضان المبارک میں نفل کا ثواب عام دنوں میں فرض عمل کرنے کے برابر ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ پھر رمضان المبارک میں فرائض ادا کرنے کا ثواب کس قدر ہوگا۔ قیامت کے دن روزہ اور قرآن مجید بندے کی شفاعت کریں گے اور اللہ پاک ان کی شفاعت کو قبول و منظور فرمالے گا۔ قرآن مجید اور رمضان المبارک کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے لہٰذا رمضان المبارک میں کلام پاک کی خوب تلاوت کرنی چاہیے تاکہ یہ دونوں قیامت کے روز ہماری شفاعت کریں۔ جو شخص اس ماہ مبارک کے روزے ایمان کی حالت میں بغیر ریاکاری کے ثواب کی نیت سے رکھے تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ ہر چیز کی ایک زکوٰۃ ہوتی ہے، اسی طرح روزہ جسم کی زکوٰۃ ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ایک روزہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ جہنم اور روزے دار کے درمیان سو برس کا فاصلہ پیدا فرما دیتا ہے۔ روزے دار کا سونا بھی عبادت ہے اور خاموش رہنا تسبیح کرنے کے برابر ہے۔ اس کیلئے فرشتے دن رات اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ روزے دار کیلئے اللہ تعالیٰ جنت کو آراستہ ہونے کا حکم فرماتا ہے۔ رمضان المبارک کی آخری رات میں اللہ رب العزت روزے داروں کو بخش دیتا ہے۔





صالحہ محمود

قسط نمبر 8

سلسلے وار ناول

رگِ جاں سے جو قریب تھا

''کیا یہ سچ ہے کہ رومی مجھے اچھی لگتی ہے؟'' ارج کا چہرہ آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں میں اتر رہا تھا جس سے اس نے عہدو پیمان کیے تھے۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ یہ بھولی بسری کوئی کہانی ہے جہاں وہ کبھی رومی سے ملا تھا۔ اس نے گھبرا کر آنکھوں سے ہاتھ ہٹایا تو رومی بے خبر بیڈ پر لیٹتے ہی سوگئی تھی۔ اس کے دونوں پاؤں بلینکٹ سے باہر تھے۔ سرخ مہندی سے رچے ہوئے پاؤں جنہیں اشمل بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے تو مہندی سے سخت چڑ ہے پھر میں کیوں ایسا بی ہیو کر رہا ہوں' کل بھی بار بار میری نگاہیں اس کے ہاتھوں سے الجھ رہی تھیں۔ شاید یہ خوش گمانیاں اس کو خوش فہمی میں مبتلا کر رہی ہیں''۔ اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی رات 3 کا پہر تھا۔ بیڈ سے اٹھ کر اس نے گلاس بھر کر پانی لیا' ایسا لگ رہا تھا کہ دل کے اندر بڑی وحشت ہے اور ہوائیں تیز چل رہی ہیں پھر رومی کے پیروں کی مہندی پر نظر پڑی تو وہ گھبرا کر باہر نکل گیا تھا۔

☆

گہری خاموشی اور سناٹے' چلچلاتی ہوئی دھوپ دور دور تک بھری ہوئی تھی البتہ پڑوسی کے دروازے پر لگے ہوئے گھنے نیم کے درخت پر چڑیا چہچہا رہی تھیں لیکن اردگرد کا سارا علاقہ دھوپ میں تپ رہا تھا حتیٰ کہ گھر کے پیچھے پھیلا ہوا پلے گراؤنڈ جو کچرا کنڈی کے نام سے مشہور تھا ایسی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں ماہم رکشے سے اپنا بیگ سنبھالتی ہوئی اتری تھی۔

رات عماد بھائی اس کے سسرال آئے تھے صرف یہ کہنے کے لیے۔

''حماد امریکا سے آنے والے ہیں اور اماں نے یہ خبر سنتے ہی تیاریاں شروع کردی ہیں۔ ماہم تم جا کر اماں کو سمجھاؤ کہ حماد یہاں آ کر اب نہیں ٹھہرے گا اور جو یہ تیاریاں کررہی ہیں اماں برداشت نہ کرسکیں گی' انہیں ہارٹ اٹیک ہوجائے گا۔ تم آ کر انہیں سمجھاؤ ورنہ بہت برا ہوگا''۔ ماہم یہ خبر سنتے ہی دوسرے دن اماں کے گھر آئی تھی۔ اماں کا چہرہ اتنا کھلا کھلا اور پرسکون سا تھا۔

''آؤ وکٹوریا آؤ' تمہارے لئے ایک خوشخبری ہے آج''۔ اماں تخت پر بیٹھی چلاتی ہوئی مشین کو روک کر بولی تھیں۔

''ارے ہمارا حماد آرہا ہے''۔

''اچھا''۔ ماہم انجان بن کر بولی تو اماں ہنس کر بولیں۔

''ہاں تو اسی ہفتے پہنچ جائے گا' میں نے اس کا کمرہ دوبارہ صاف ستھرا کروادیا ہے' بیڈ بھی رکھوا دیا ہے' اسے بالٹی سے نہانا پسند ہے نا اس لیے بڑی سی بالٹی منگوائی ہے۔ وہ پائجامہ کُرتہ پہنتا ہے میں نے تو زوبیہ سے کُرتہ اور پائجامے کا کپڑا بھی منگوایا ہے وہی سی رہی تھی''۔ اماں نے آنکھوں سے چشمہ اتار کر ہاتھ میں تھام لیا تھا۔

"لیکن اماں! حماد بھائی کا ناپ تو ہے نہیں' آپ کیسے سی لیں گی ان کے کپڑے؟" اماں کے شفاف چہرے گلابی ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"اس کا ناپ دل پر لکھا ہوا ہے"۔ سفید کاٹن کا کٹا ہوا کپڑا کھول کر اماں نے تخت پر پھیلا دیا تھا۔

"یہ دیکھو پانچ بالشت اور اتنے انگل"۔ انگلیوں کو رکھتے ہوئے اماں پھر ہنس کر بولی تھیں۔

"اس کا ناپ تو دل پر لکھا ہوا ہے' عصمت کیا سمجھتی تھی کہ وہ سب کچھ یہاں سے مٹا کر چلی جائے گی۔ ہم نے ہر چیز اس کی پھر سے بنالی ہے اور چپل بھی منگوالی ہے۔ تم دیکھ لینا کچھ بھی ہو جائے میرا بیٹا میرے پاس آئے گا۔ میں جانتی ہوں عماد یونہی بکے جا رہا ہے کہ وہ نہیں آئے گا وہ نہیں آئے گا' ارے ہم کہتے ہیں وہ آئے گا' وہ رات کہیں نہیں رہ سکتا' یہی تو اس کی بیوی کی چال تھی جو سب کچھ مٹا کر گئی ہے"۔

"پھر بھی اماں! وہ یہاں نہ آئے تو؟"

"شرط لگا لو میرا بیٹا میرے پاس آئے گا چاہے وہ کچھ کر لے"۔ ماں کی ممتا اس بات پر یقین کرنے کو تیار ہی نہیں تھی کہ ان کا بیٹا ان کے پاس نہیں آئے گا۔

ماہم نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا کتنی خود اعتمادی اور بیٹے پر ناز تھا۔

"اچھا چھوڑو تم یہ سب' وہ تو میں نے کر لیا۔ تم لوگ کسی کام کی نہیں ہو۔ جو آ رہا ہے وہ باتیں ہی بنائے جا رہا ہے کہ وہ نہیں آئے گا وہ نہیں آئے گا' ارے کہہ جو دیا کہ وہ آئے گا' کیسے نہیں آئے گا' میرا بیٹا ہے ضرور آئے گا' میں اسے جانتی ہوں"۔ ماہم کو بار بار رومی کا خیال آ رہا تھا۔

"آج عصمت کی جگہ رومی ہوتی تو حالات کتنے مختلف ہوتے' رومی کا اس دنیا میں ہم لوگوں کے سوا تھا ہی کون' کہاں جاتی یہیں پلٹ کر آتی' لیکن سمعیہ باجی کا یہ کھیل کتنا مہنگا پڑا ہے' سب لوگ بھول گئے اس کھیل کو لیکن میں نہیں بھول سکتی"۔ پھر اماں ہنس کر بولی تھیں۔

"جاؤ دیکھو! بہت عمدہ ارہر کی دال پکی ہے آج"۔

"نہیں اماں! میں کھانا کھا کر آئی ہوں آج"۔

"تھوڑی سی چکھ تو لو"۔

"نہیں اماں! میں نہیں جا رہی باورچی خانے' سب میرا مذاق اڑاتے ہیں"۔

"ارے اڑانے دو' تم جاؤ اور جا کر دیکھو تو سہی کتنی عمدہ دال پکی ہے' لہسن کا بگھار ہے"۔ دل تو اس کا بھی چاہا تھا کہ دو چار چمچے دال کے کھالے جا کر۔ یہ عادت بہت پرانی تھی جونہی وہ سسرال سے آتی تھوڑی دیر میں باورچی خانے کا رخ کرتی۔ ہنڈیا میں جو کچھ ملتا وہ کھاتی ضرور تھی حالانکہ ماہم خوشحال گھرانے میں رہتی تھی۔ اس کا کھانا پینا بھی سب کچھ اچھا تھا' پھر بھی نا جانے کیوں وہ اپنا ندیدہ پن اماں کو یوں دکھاتی کہ دو لقمے دال کے لئے وہ جیسے مری جا رہی ہو اماں کی خوشی کی خاطر اور اماں بھی یوں دیکھتیں جیسے ماہم بے چاری بھوکی آئی ہو۔ حسب معمول ان کا اصرار بڑھتا اور وہ کچن میں ہنڈیا جھانکنے پہنچ جاتی۔ زوبیہ بھابی بھی آہٹ لئے رہتیں اور وہ بھی کھٹاک باورچی خانے میں پہنچ جاتیں۔

"ابھی عماد نے نہیں کھایا"۔ انہوں نے چمچہ تھام لیا تھا۔ ماہم نے کھٹاک دوسرے چمچے سے تھوڑی سی دال ڈالی اور بولی۔

"یہ لو اب کھلا دینا عماد بھائی کو"۔

"کیا بول رہی تھی زوبیہ؟" اماں کو سب خبر تھی۔

"کچھ نہیں اماں!" وہ کٹورے میں دال چمچے سے کھاتے ہوئے بولی تھی۔ زوبیہ بھابی کو دیکھ دیکھ کر اسے ہنسی آئے جا رہی تھی۔ زوبیہ مایوسی سے اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

"خوشحالی انسان کو مضبوط بنا دیتی ہے' مفلسی انسان کو کمزور کر دیتی ہے۔ انسان' مفلس انسان سے چھپ کر ملتا ہے' خوشحال انسان سے لوگ اندر ہی اندر خار کھاتے ہیں"۔ یہ ہمیشہ ماہم کہتی تھی۔

ثروت باجی اس کی اس حرکت پر اسے بہت شرمندہ کرتی تھیں۔

"توبہ کرو بھئی! تم تو جیسے ہی آتی ہو سیدھی باورچی خانے میں جاتی ہو' ہمیں تو اچھا نہیں لگتا' بھابی پیچھے بولتی ہیں"۔

ثروت باجی ہنس کر طنز کر رہی تھیں۔

"بولتی ہیں تو بولیں ہمیں تو اسی میں مزہ آتا ہے اور اماں بھی اس میں خوش ہوتی ہیں' بس میری مرضی ہے ثروت باجی! جو مجھے اچھا لگتا ہے میں وہی کرتی ہوں' میں بھابی کی بات کا برا ہی نہیں مانتی' مجھے معلوم ہے جو کچھ ہے میری اماں کا ہے"۔

"توبہ کرو بھئی! پھر بھی"۔ ثروت باجی نے اپنا رخ پھیر لیا تھا۔

بچوں کے کمرے سے چیخ و پکار کی آوازیں آ رہی تھیں اور اماں تیز تیز مشین چلائے جا رہی تھیں اور ماہم بیٹھی یہ سوچ رہی تھی۔

"اگر حماد بھائی' اماں کے پاس نہ آئے تو اماں کو کتنا دکھ پہنچے گا"۔ ہر شخص ان دنوں ذہنی طور پر پریشان تھا کہ دیکھیں حماد کہاں جاتے ہیں۔

☆

دروازے پر گھنٹی بجی تو دروازہ ارسلان نے ہی کھولا تھا۔ رومی سن گلاسز ہاتھ میں تھامے ہوئے اندر آئی تھی۔

"اتنی دھوپ میں رومی تم؟" کلثوم کو کرنٹ سا چھو گیا۔

"جی تائی اماں! آپ خواب نہیں دیکھ رہیں' میں رومی ہوں"۔

"رومی تم؟" دادی اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں۔

"خیریت بیٹا! اس وقت تم کیسے آ گئیں؟" وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی تھیں۔

"بس یونہی دادی! آپ سب یاد آ رہے تھے"۔

"خیریت...... ہم لوگ اب کیوں یاد آتے ہیں' ابھی تو اپشل جاب سے بھی نہیں پلٹی' تمہارے جیسے نصیب تھوڑے ہیں جو گاڑی میں اڑتی پھرے"۔ تائی بولے جا رہی تھیں۔

"جولائی کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں وہ پیدل چل کر گھر آ رہی ہو گی' تمہارا یوں آنا اسے اندر سے جھلسا دے گا"۔ کلثوم نے اسے بہت غور سے دیکھا تھا۔

"دو گھڑی کے لیے آئی ہے کلثوم! بیٹھنے تو دو"۔ دادی نے ٹوک دیا تھا۔

"اور تم کیسی ہو بیٹا؟ سب ٹھیک ہے؟ ولید اور صبا کیسے ہیں؟"

"سب ٹھیک ہیں دادی!"

"اور تم چندا کیسی ہو؟" دادی پیار سے بولیں۔

"چندا کیسی ہوتی ہے؟ ویسے ہی ہوں میں"۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" دادی کچھ نہ سمجھ پائی تھیں۔

"دادی! تایا ابا ابھی تک گھر نہیں آئے؟" اس نے اطراف پر نظر ڈالی۔

"رومی! مجھے تمہارے آنے پر اعتراض نہیں ہے بیٹا! مگر دوسروں کے احساسات مجروح ہوتے ہیں' تمہارا رہن سہن

تمہارا لباس اب ہم سے الگ ہے' ارسلان تمہیں دیکھ کر ہٹ جاتا ہے' ایشل کا ابھی تک رشتہ نہیں آیا' وہ تمہیں دیکھ کر چپ ہو جاتی ہے' تم اتنا قیمتی لباس پہن کر آتی ہو' ہم تو ایسے لباس بری اور جہیز میں بھی نہیں بنا سکتے۔ بس یہ سوچ کر خیال آیا کہ تم اب ادھر کم آیا کرو۔"

"تائی اماں! میرا ایک ہی تو ٹھکانا ہے۔ آپ لوگ خود تو آتے نہیں اب مجھ پر ایسے الزامات تو نہیں لگائیں۔" وہ حیران سی بولی۔

"میں الزام لگا رہی ہوں تم پر' میں تو دنیا کے طور طریقے سکھا رہی ہوں تم کو۔" رومی کی آنکھوں میں ہلکے ہلکے آنسو اتر آئے تھے۔

"قیمتی لباس میں انسان اپنی خوشی اور غم کو چھپا نہیں سکتا' مجھے تو یوں لگتا ہے کہ تم خوش نہیں ہو۔" اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

"کیا ہوا رومی! بیٹا تم رو رہی ہو۔" دادی پریشان ہو گئیں۔

"نہیں دادی! بس یونہی دل بھر آیا۔"

"کیوں میری چندا! اتنی آسائش اور آرام میں ہو تم' پھر بھی......" دادی حیران سی ہو کر بولیں۔

"دادی! سب سے بڑا سکون دل کا سکون ہوتا ہے۔" تائی اماں وہاں سے جا چکی تھیں وہ دادی سے لپٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

"دادی! کسی سے کچھ مت کہئے گا ورنہ وہاں چھوٹی دادی پریشان ہو جائیں گی۔" وہ آنسو پونچھ رہی تھی۔

"کیوں رومی! کیا تمہیں وہاں کوئی دکھ ہے؟"

"نہیں دادی! بس یونہی دل بھر آیا۔ آپ سب کی یاد آ رہی تھی' چھوٹی دادی نے کہا کہ میں آپ سب سے مل کر آ جاؤں۔"

"اشمل کیسا ہے؟ ٹھیک تو ہے؟"

"جی دادی! اور ارسلان' ایشل کیسے ہیں؟"

"ارے بس...... کیا بتائیں بیٹا' تمہاری تائی کو تو بس ایک دھن سمائی ہے کچھ ہو جائے وہ زویا کو گھر لائے گی اور زویا کے گھر والے کہہ رہے ہیں کہ پہلے اپنی بیٹی کو بیاہو۔ اب یہ بھلا کوئی بات ہوئی۔ تمہارا تایا پریشان ہے۔ ایشل چپ چپ گھوم رہی ہے' تم اشمل سے بات کرو اس کا کوئی دوست ہو تو ایشل کے لیے بات کر لینا۔"

"بیٹا! کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے' کیا کہوں لیکن کلثوم نے جینا مشکل کر دیا ہے ہر روز بھاگ دوڑ کر رہی ہے کہ ایشل کے لیے لڑکا مل جائے۔ پتہ نہیں تمہاری تائی کیسے کیسے خواب دیکھ رہی ہے۔ زویا کا باپ ٹھیکے دار ہے پرانے گھر کو ڈیمولش کرا دے گا۔ نئے سرے سے گھر بنے گا تب زویا اس گھر میں قدم رکھے گی۔ شکیل تو تنگ آ گیا ہے اور میں بھی۔ جب ایشل کے لیے اس گھر میں جگہ نہیں ہے تو مجھ بوڑھی کو تو وہ لوگ پھینکوا دیں گے' میں تو عادل کے پاس چلی جاؤں گی' شکیل نے بھی ہار مان لی ہے۔ ارسلان بے چارہ کیا کرے؟ ماں سے مجبور ہے۔" دادی آہستہ آہستہ بول رہی تھیں۔

"کیا ہوا اماں! ہماری شکایتیں کر رہی ہو رومی سے۔" کلثوم اندر آ گئی تھیں۔

"ارے نہیں تائی اماں! دادی تو ابو اور تایا ابا کی باتیں بتا رہی تھیں۔"

"ہاں...... پہلے ہی یہ کیا کم ہیں جو تم ان کے کان بھرنے آ گئیں۔ دیکھو رومی! صاف بات یہ ہے کہ تمہارے رہن سہن اور ہمارے رہن سہن میں بہت فرق ہے۔ ارسلان پہلے ہی بجھا بجھا سا رہتا ہے' سکھ چین کی دو گھڑی ہم بھی چاہتے ہیں۔ اللہ اللہ کر کے تمہارا گھر بس گیا تم اپنے گھر میں آباد رہو' تم یوں اچانک آ کر ایشل اور ارسلان کو اپ سیٹ کر دیتی ہو'

ارسلان تمہیں ابھی تک نہیں بھولا"۔

"جی تائی اماں! میں اب نہیں آؤں گی۔"

"کیوں' کیوں نہیں آئے گی یہ یہاں؟ آئے گی"۔ دادی غصے سے بولی تھیں۔

"نہیں دادی! میں تو صرف آپ کو دیکھنے آئی تھی' میں تو جا رہی ہوں"۔ وہ پرس اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔ ارسلان سامنے سے گزر رہا تھا۔

"ارے رومی تم...... اپنے دروازے پر اتنی شاندار گاڑی دیکھ کر میں سمجھ گیا تھا کہ رومی گھر آئی ہے"۔

"بس میں دادی سے ملنے آئی تھی' جا رہی ہوں"۔ وہ دو قدم آگے بڑھی۔

"کیوں کیا ہوا؟ تمہاری شکل پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟" اس نے پلٹ کر ماں کی جانب بھی دیکھا تھا تو وہ نظریں پھیر گئیں۔

"کیا ہوا امی؟ کیا رومی ناراض ہو کر جا رہی ہے؟"

"اسی سے پوچھ لو' میں کیا بتاؤں کسی کے دل کا حال کہ وہ یہاں کس کے لیے آئی تھی"۔

"امی......" ارسلان بہت زور سے چیخ کر بولا تھا۔

"پلیز ارسلان! کوئی نئی بات تو نہیں کی تائی اماں نے جو اتنی زور سے چیخے ہو' میں تو پل دو پل کے لیے دادی سے ملنے آئی تھی' میرا دل چاہ رہا تھا"۔ وہ نظریں جھکا کر بولی۔

"تو تمہارا ہی گھر ہے تم جب چاہو آؤ کوئی پابندی تو نہیں ہے' تم کیوں جا رہی ہو؟ بیٹھو ابھی ایشل آتی ہی ہو گی"۔

تائی اماں بڑے غصے سے کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

"دادی! آپ امی کو سمجھاتی نہیں ہیں"۔ ارسلان دادی کی طرف پلٹ کر آیا تھا۔

"کیا سمجھاؤں میں تمہاری ماں کو؟ اس کی خود کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ رومی کو دیکھتی ہے اور تلملا اٹھتی ہے"۔ تو ارسلان کی نظریں جھکی کی جھکی رہ گئیں اور رومی نے اپنا رخ پھیر لیا تھا۔

ان کے بیچ اب ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک چھوٹی سی چھیڑ چھاڑ ارسلان کو ہمیشہ کے لیے شرمندہ کر گئی۔

"رومی! ایسا کچھ نہیں ہے' تم امی کی باتوں کا برا مت مانا کرو' ویسے تم خوش تو بہت لگتی ہو"۔ تو اس کی آنکھوں سے چھم چھم آنسو بہنے لگے تھے۔

"رومی! کیا تم وہاں خوش نہیں ہو؟ کیا ہوا تمہیں؟ کیا ممانی سے تمہیں کوئی شکایت ہے؟"

"مجھے اپنی قسمت سے شکایت ہے۔ ارسلان! مجھے کہیں پناہ نہیں ملی"۔

"کیسی باتیں کرتی ہو رومی تم' تمہیں پانے والا تو دنیا کا خوش نصیب انسان ہو گا۔ حسن ہی نہیں سیرت بہت بڑی چیز ہے تمہارے اندر صبر برداشت کا جو انمول خزانہ چھپا ہے اسے پانے والا کوئی اشمل جیسا ہی انسان ہونا چاہیے تھا' تم تو ہمارے خاندان کی سب سے ذہین ترین' خوبصورت' قابل لڑکی ہو"۔

"ارسلان! یہ تمہارا اپنا خیال ہے۔ وہ شخص سمجھتا ہے کہ میں لاوارث اور غریب گھر سے تعلق رکھتی ہوں اور ایک جذباتی لڑکی ہوں جس نے اونچے اونچے محلوں کے خواب دیکھے' جو سر جھکا گئی ورنہ اگر کوئی اور لڑکی ہوتی میری جگہ تو احتجاج کرتی۔ اب ارسلان میں کیسے اس کو یہ بات سمجھاؤں کہ میں جس معاشرے سے بی لونگ کرتی ہوں ہمارے فیصلے ہمارے ماں باپ کرتے ہیں"۔

"میں نے یہی بات دادی جان سے کہی تھی لیکن شاید دادی جان کو بھی کچھ ایسا ہی......" وہ کہتے کہتے بات کا رخ موڑ

گیا تھا۔ رومی نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تو وہ کسی گہری سوچ میں نظر آیا۔

"رومی! صبر بہت استقامت بخشتا ہے ایک چپ سو کو زیر کرتی ہے اور دوسری جانب خود کو کمزور مت جانو، جو بھی ہے تم حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرو اور اپنا حق مت چھوڑنا، دنیا کمزور لوگوں کو روند کر گزر جاتی ہے، جیسے میں ایک کمزور انسان ہوں، تمہارے اندر میں نے کوئی بھی ایسی کمی محسوس نہیں کی جو تمہیں کمزور بنا دے، کوئی نہ کوئی ایسی چیز ہوتی ضرور ہے جس سے انسان خوفزدہ رہتا ہے"۔ ارسلان اپنے دل کی بات بول رہا تھا، رومی جانے کے لیے اپنا بیگ اٹھائے کھڑی تھی۔

"میں ایسی کب مکمل تھی"۔ اس کی آنکھوں سے بھل بھل آنسو ابلنے لگے۔ ارسلان کو یوں لگا گرم گرم انگارے اس کے دل پر گر رہے ہیں، آنسو پونچھتا تو ضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے جو وہ نہیں چاہتا تھا۔

"حسن اور سیرت تمہارے دو ایسے لازوال، دائمی حسن بخشنے والے زاویئے ہیں جس سے اشمل کبھی آنکھیں نہیں چرا سکے گا۔ میں ایک مرد ہوں رومی اس لیے کہہ رہا ہوں۔ بس تم مضبوطی سے اپنے حق پر قائم رہنا، اس فیصلے میں نہ صرف بزرگوں کی رضا شامل تھی بلکہ ولید ماموں چل کر خود گھر آئے تھے، وہ رشتے بہت مضبوط ہوتے ہیں جو بزرگوں کی چاہتوں اور محبتوں سے پروان چڑھتے ہیں۔ رومی تم مجھے معاف کر دینا، میں اپنی ضد اور اَنا سے تمہیں جیت سکتا تھا لیکن جب بزرگوں کی رضا شامل نہ ہو تو میں تمہیں ریزہ ریزہ کیسے کر سکتا تھا۔ وقتی طور پر اشمل اگر خود غرض بن گیا ہے تو سو واٹ، بی کانفیڈینٹ...... تم نے ولید ہاؤس میں بزرگوں کی اجازت سے قدم رکھا ہے، اشمل کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا ہے، چلو شاید تمہاری گاڑی آ گئی ہے"۔ وہ ہارن کی آواز سن کر بیگ اٹھا کر آگے بڑھا تھا۔ وہ دادی سے مل کر آنسو پونچھتی ہوئی پلٹ کر باہر آئی تھی تو اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ڈرائیور کی سیٹ پر اشمل خود بیٹھا نظر آیا۔

آنکھیں رونے کی وجہ سے ابھی تک ریڈ ہو رہی تھیں اور ارسلان بھی افسردہ افسردہ سا چلتا ہوا باہر آیا تھا۔ رومی نے اشمل کو مڑ کر دیکھا پھر ارسلان کو تاکہ اشمل کار سے اتر کر آئے اور ارسلان سے مل لے مگر اس نے زحمت نہ کی۔ ارسلان نے بڑھ کر فرنٹ سیٹ کا ڈور کھولا تو وہ بیٹھ گئی۔ دروازہ بند کرنے کے بعد وہ وہیں منجمد کھڑا تھا۔ رومی کی بھیگی ہوئی آنکھیں اور افسردہ چہرہ، بجھے بجھے سے ہونٹ اتنی مضطرب نظر آ رہی تھی وہ۔ اشمل نے بہت تیز ریورس کی گاڑی، رومی نے ایک نظر اشمل پر ڈالی اور گاڑی بہت تیز چل پڑی۔

اس نے اپنے دوپٹے سے آنسو پونچھ کر چہرہ صاف کیا تو اشمل نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا اور بولا۔

"یہ موصوف تمہارے کزن ہیں ناں؟ کیا باقی گھر والے نہیں تھے اور ہاں تم رو رو کر اسے کیا کہہ رہی تھیں، یہی کہ میں تم سے لاتعلق ہوں"۔ تو اس نے پلٹ کر اشمل کی طرف دیکھا تھا۔

"تعلق اور لاتعلقی کی بات ہمارے ماحول میں ڈسکس نہیں کی جاتی"۔

"تو پھر آپ لوگ کیا ڈسکس کرتے ہیں آپس میں؟" رومی کے دل کے اندر دھواں دھواں سا پھیل رہا تھا اس لیے وہ بے ساختہ چیخ کر بولی تھی۔

"وہ جو آپ نہیں سمجھ سکتے"۔

"آف کورس...... ہم لوگ کھلے ذہن اور کھلے دل کے مالک ہوتے ہیں شاید اس لیے"۔ اس نے آنکھوں پر لگا سیاہ چشمہ اتار کر رومی کو بہت غور سے دیکھا تھا۔

"ہم غریب سادہ دل لوگ ہوتے ہیں جو کسی کو دھوکا نہیں دیتے اور نہ ہی ان کے کاندھوں پر کوئی تاج محل تعمیر کرتے ہیں"۔

"یہی تو تم مڈل کلاس لڑکیوں کا رونا ہے، تاج محل خواب میں نہیں دیکھا، تاج محل کی باتیں کرتی ہیں۔ اتنے بڑے بڑے خواب دیکھنے والی لڑکیاں اپنی اوقات بھول جاتی ہیں"۔ دل پر [illegible] کر وہ یہ لفظ رومی کو بول گیا تھا۔ اُرج نے کچھ

ایسا ہی اس کے ذہن میں فیڈ کیا تھا۔

"اشمل......" وہ مڑ کر چیخی تھی۔

"میں اپنی اوقات جانتی ہوں، آپ لمٹ کراس کر رہے ہیں، مڈل کلاس کا لیبل ضرور لگا ہوتا ہے ہم جیسی لڑکیوں پر لیکن ہم اتنے نہیں گرتے کہ اٹھنے میں دوسروں کا سہارا لینا پڑے۔ آپ کسی خوش فہمی میں مت رہئے گا اشمل، مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ فیصلہ آپ کی مرضی کے خلاف ہو رہا ہے لیکن اتنا تو ضرور میں جانتی ہوں کہ آپ بھی مفاد پرست ہیں ورنہ شاید جو الزام آپ مجھ پر رکھ رہے ہیں وہ ارادے تو آپ بھی توڑ سکتے تھے۔ کہہ دیتے ولید ماموں سے کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے، کس نے روکا تھا آپ کو؟ آپ کے مفاد نے یا آپ کی ماں نے؟" اس کا لہجہ بہت تلخ ہو گیا تھا۔

"شٹ اپ"۔ وہ دھاڑا۔

"دس بار کہہ رہا ہوں میں مجبور تھا لیکن تمہیں پانے کے لیے میں نے کوئی خواب نہیں دیکھے تھے پر تم مجبور نہیں تھیں، لیکن تم چپ رہیں"۔ وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بول کر اپنی نظروں سے تیر برسا رہا تھا۔ وہ زخم زخم سمٹی ہوئی اپنے دفاع میں کچھ بول رہی تھی۔ ارسلان اسے بہت ساری توانائی دے گیا تھا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تو وہ ڈیش بورڈ سے ٹکرا گئی تھی۔

"گاڑی میں بیٹھنے کا تم سلیقہ سیکھو"۔ اس کا دل ایک بار پھر زخمی ہوا تھا۔ نا چاہتے ہوئے بھی وہ اسے دکھ دے رہا تھا۔

"اب آنسو پونچھ بھی لو، ان آنسوؤں کی قیمت ولید ہاؤس میں کچھ بھی نہیں ہے، یہاں ہنستے مسکراتے چہرے اچھے لگتے ہیں۔ پاپ کی نظر پڑ گئی تو وہ یہی سمجھیں گے کہ شاید رومی کو پاگل کتے نے کاٹ لیا ہے"۔

"میں نے تو ایسا نہیں کہا کچھ آپ کو"۔ تو اشمل کے ہونٹوں پر ہلکی سی ہنسی رینگ گئی۔

"او مائی گاڈ! میں یہی تو کہنے جا رہا تھا"۔

"واٹ"۔ رومی نے اس کی طرف پلٹ کر دیکھا تو وہ بیگانہ سا بن کے کار سے اتر چکا تھا۔

بلیک پینٹ اور بلیو شرٹ میں اس کا چہرہ بہت نکھرا نکھرا سا لگ رہا تھا۔ اس نے بجھے بجھے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ اداس اور ملگجے سے چہرے پر کتنے روپ دھرے تھے۔ اشمل اپنی نگاہوں کے زاویئے کو اس سے نہ بچا سکا۔ بجھے بجھے دل سے اس نے رومی کے سراپے کا جائزہ لیا تھا۔ گولڈن کلرنگ بال ریڈ کیچر میں قید تھے، اس کے کانوں میں پڑے ہوئے جاپانی موتی گولڈ کی بالی میں جھول رہے تھے۔ براؤن آنکھوں میں کتنی اداسی تھی۔ گزرتے ہوئے اشمل نے پڑی ہوئی فٹ بال کو زور سے ٹھوکر ماری، دھڑ کی آواز پر رومی نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

"اپنے احساس کی شدت پر آپ کو اختیار نہیں ہے تو کیوں مجھے زخمی کرتے ہیں"۔ وہ کہہ کر اندر پلٹ گئی تھی۔ اشمل نے فضا میں گہرا سانس لیا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے مجھے؟ سارے ارادے، سارے لفظ ٹوٹ جاتے ہیں جب رومی میرے سامنے آتی ہے، ارج سے کیا ہوا وعدہ بھول جاتا ہوں، اور کب تک میں اسے تکلیف دوں گا، دوسری طرف ارج میری زندگی ہے زندگی کو پانے کے لیے مجھے لمحہ لمحہ رومی کو توڑ دینا ہے تاکہ وہ بے بس اور مجبور ہو کر مام کی بات مان لے"۔ وہ پلٹ کر صبا کی طرف آیا تھا۔

"مام! یہ سب بہت مشکل کھیل ہے، اس گیم کا آپ بہت اہم ستون ہیں مجھ سے یہ سب نہیں ہوتا، اس کی آنکھ سے آنسو بہتے ہیں تو میں رخ پھیر لیتا ہوں، میں اسے کوئی دکھ دیتا ہوں تو مجھے اچھا نہیں لگتا ہے"۔

"اشمل"۔ صبا زور سے چیخی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں شدید غصہ اور نفرت جھلک رہی تھی۔

"مام! یہ بات نہیں ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں یا اس کو پسند کرتا ہوں لیکن مام میں کسی کو دکھ نہیں دے سکتا"۔

"اشمل! تم ابھی سے بزدل بن رہے ہو، مجھے معلوم ہے تمہاری شریانوں میں تمہارے باپ کا وہ خون دوڑ رہا ہے جو

اپنوں کی طرف جھکتا ہے ارج کو تمہیں پانا ہے ارج تمہارا انتظار کر رہی ہے بیٹے اور ولید تمہیں یہاں سے نکلنے نہیں دے گا۔ بس اگلے ہی ہفتے میں رومی کا پاسپورٹ تیار کرتی ہوں تم پیرس یا سوئٹزرلینڈ ہنی مون کے لیے چلے جاؤ‘‘۔ وہ بہت آہستہ سے اشمل کے قریب آئی تھیں۔

’’میں خود کسی کا برا نہیں چاہتی۔ رومی تمہارے ساتھ جائے گی تم دبئی تک اس کے ساتھ جاؤ ایک دن تم ہوٹل میں گزارو دوسرے دن اس کو ریٹرن ٹکٹ دے کر واپس بھیج دینا اور تم وہاں سے سیدھے امریکا نکل جاؤ انڈر اسٹینڈ کوئی شور کوئی ہنگامہ کچھ نہیں ہوگا مائی سن میں ولید حیدر کو سنبھال لوں گی کہہ دوں گی کہ اشمل کے ساتھ آپ نے زبردستی کی تھی اس کا نتیجہ ہے میں کچھ نہیں کر سکتی۔ تم وہاں پہنچنے کے بعد اسے ڈائیورس کے پیپر بھیج دینا میں کسی کی زندگی تباہ نہیں کرنا چاہتی‘‘۔ وہ بہت پرسکون لہجے میں اتنی بڑی بات آسانی سے کہہ گئی تھیں۔

’’مام! یہ اتنا آسان نہیں پاپ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے‘‘۔

’’تو میں رومی کو خود مجبور کردوں گی کہ وہ خود ڈائیورس فائل کرے۔ یہ مسئلہ میں خود حل کروں گی یوں‘‘۔ انہوں نے چٹکی بجائی۔ ولید حیدر کو آتے دیکھ کر وہ راستہ بدل گئیں۔

’’تم جاؤ فاخر تمہارا انتظار کر رہا ہے‘‘۔ وہ کہہ کر جلدی سے گزر گئی تھیں۔

☆

فاخر اشمل کا بچپن کا دوست تھا۔ دونوں نے اسکولنگ اور کالج ایک ساتھ کی تھی۔ اشمل اسٹڈی کے لیے باہر چلا گیا لیکن فاخر نے یہیں سے بی بی اے کر کے اپنے گھر کا بزنس سنبھال لیا تھا۔ دونوں بیسٹ فرینڈ تھے دونوں رابطے میں رہتے تھے۔

فاخر جب امریکا جاتا تو اشمل کے پاس ہی ٹھہرتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے خیالات اور حالات سے بھی واقف تھے۔ فاخر ارج کو بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ اشمل کی اس شادی کے لیے بالکل ایگری نہیں تھا لیکن کچھ حالات اور کچھ مجبوریاں ایسی تھیں کہ اشمل نے ماں کی بات مان لی تھی۔

وہ فاخر سے مل کر بے حد خوش ہوا وہیں فاخر اسے دیکھ کر چونک گیا تھا ہنستے ہنستے اشمل یکلخت خاموش ہو گیا تو فاخر چونک کر بولا تھا۔

’’میں نے کہا تھا نا کہ جو تم کرنے جا رہے ہو بہت کٹھن اور دشوار راستہ ہے لیکن اشمل تم نے میری بات نہیں سنی کل رات ارج نے مجھے کانٹیکٹ کیا تھا وہ بے حد اپ سیٹ ہے‘‘۔ تو اشمل نے پلٹ کر اس کی جانب دیکھا اور بولا۔

’’آئی نو دیٹ...... سب کچھ بہت مشکل ہے فاخر! اب کچھ بھی اتنا آسان نہیں رہا لیکن یہ راستہ نا صرف مام نے بلکہ ارج نے بھی مجھے دکھایا میں کہتا تھا ارج یہ اتنا آسان نہیں ہے یہاں کی لڑکی اور وہاں کی لڑکی میں بہت فرق ہے‘‘۔ تو فاخر بولا۔

’’اب نیت بدل گئی ہے کیا؟‘‘ فاخر کے ہونٹوں کی ہنسی اشمل کو زہر لگ رہی تھی۔ نا جانے کیوں اسے آج یہ سب ڈسکس کرتے ہوئے اچھا نہیں لگ رہا تھا لیکن پھر بھی فاخر سے اس کا بہت قریبی تعلق تھا۔

’’تمہاری ہنسی مجھے اس وقت بہت زہر لگ رہی ہے تم میری بے بسی پر ہنس رہے ہو‘‘۔

’’بے بسی......‘‘ فاخر پھر ہنسا۔

’’بھئی تمہاری مام نے تمہارے لیے پاکستان میں بھی بندوبست کر دیا ہے‘‘۔

’’جسٹ شٹ اپ فاخر!‘‘ اشمل مصنوعی غصے سے بولا تھا۔ اس کا ذہن اس وقت رومی کے بجھے ہوئے چہرے اور روئی ہوئی آنکھوں کے درمیان کہیں اٹک گیا تھا۔

’’یار فاخر! جو کچھ میں کر رہا ہوں بہت برا کر رہا ہوں اور اس سے بھی برا اس دن ہوگا جب میں اس کو ڈائیورس دوں گا

بے حد حساس اور معصوم لڑکی ہے‘‘۔ تو فاخر کا خود بھی ہنستا ہوا چہرہ ایک پل کے لئے مرجھا سا گیا تھا۔

اچانک فاخر کی نظر میں اپنی بہن کا چہرہ گھوم گیا تھا۔ طلاق شدہ بہن کو گھر میں رکھنا کتنا بڑا عذاب ہوتا ہے بھابی اس کو برداشت نہیں کر رہی تھیں۔ ہر روز وہ جی کر مر رہی تھی۔ سب کے سوالوں سے بچنا فاخر کے رشتے کے لئے وہ گئی تو پہلا ہی سوال یہ تھا کہ سدرہ کی ڈائیورس کیوں ہوئی؟ کیا حالات تھے اور کون سپورٹ کر رہا ہے کیا یہ فاخر کی ذمے داری ہوگی اور کچھ ایسے سوالات تھے جن کی بنیاد پر رشتہ نہیں ہو سکتا تھا۔

فاخر کی نظروں میں اپنی بہن کا اداس چہرہ گھوم گیا تھا وہ بے حد افسردہ اور دکھی سا اشمل سے بولا تھا۔

’’یار اشمل! کچھ ہو جائے تم اس لڑکی کو ڈائیورس نہیں کرو گے‘‘۔ اس کا لہجہ اداس اور دکھی سا تھا۔ اشمل کے دل میں بھی بہت سناٹے اتر رہے تھے۔

’’لیکن ارج برداشت نہیں کر سکتی‘‘۔ تو فاخر چونک کر اشمل کو دیکھنے لگا۔

’’اور رومی کیا کہتی ہے؟ کیا وہ ارج کو قبول کر لے گی؟ کیا وہ جانتی ہے تمہارے اور ارج کے درمیان کیا ہے؟‘‘ تو اشمل نے جھکی جھکی نظروں سے فاخر کی جانب دیکھ کر یس کہا تھا۔

’’پھر ایسا کیا پرابلم ہے؟‘‘

’’مام ایسا نہیں چاہتیں‘‘۔ تو فاخر جو صوفے پر لیٹا ہوا تھا تلملا کر اٹھ کر بیٹھ گیا اور بڑے سے کشن کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر کہنیوں کے بیچ بھینچ لیا۔

’’یار! زندگی کا کوئی بھی فیصلہ ہو اپنی سوچ اور اپنے دل اور دماغ سے کرنا چاہیے۔ کیا تمہارے اور رومی کے بیچ ابھی تک کچھ ایسا نہیں ہے‘‘۔ اشمل نے پھر نفی میں سر ہلایا تھا اور رخ پھیر گیا تھا۔

’’یار! ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں وہاں ایک لڑکی کو ڈائیورس کے بعد فیس کرنا بہت مشکل ہوتا ہے خاص طور پر میڈیم طبقے میں جو زندگی کے مسائل آتے ہیں تم جانتے ہو کہ سدرہ بھی فیس کر رہی ہے۔ ان لوگوں نے میرا رشتہ دینے سے انکار کر دیا وہ ہماری ہسٹری دیکھ رہے ہیں میری بہن کے بارے میں طرح طرح کے سوالات کر رہے ہیں وہ بے چاری رومی تو......‘‘ وہ سب اس کے بارے میں جانتا تھا اس لئے اشمل سے ڈسکس کرنے لگا۔

’’آئی نو فاخر! میں بھی سوچتا ہوں کہ یہ میں نے کیا کیا۔ کسی کی زندگی سے کھیل گیا۔ بہت بے بس اور معصوم لڑکی۔ لیکن کچھ ایسا اس نے کر دیا تھا اس گھر کے اندر میری ذات کے حوالے سے ہر شخص اسی کا نام لے رہا تھا۔ پاپ دادی ڈ آنٹی پرانے ملازمین‘‘۔ تو فاخر رک کر بولا۔

’’even کے تمہاری ایزل بھی‘‘۔

’’یس یار! مام کا پریشر اتنا تھا دوسری طرف ارج بھی یہی کہہ رہی تھی کہ تمہارے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے یو نو اتنے اسٹرک ہیں باہر جانے کے انہوں نے تمام راستے بند کر دیئے ہیں میرے اکاؤنٹ میں وہاں پیسے نہیں بھیج رہے ارج پریشان ہے وہاں مبین ماموں کا بہت زیادہ پریشر ہے مجھ پر کہ جلدی آؤ۔ ویسے بھی جو ارج نے جان کے ساتھ فائل کی ہوئی ہے وہ بھی اب ختم ہو گئی ہے۔ ماموں کہہ رہے ہیں کہ ذرا دیر ہوئی تو وہ ارج کو واپس بھیج دیں گے یو نو یہ سب کچھ نہیں پتہ۔ ہمیشہ کے لیے میرے راستے بند ہو جائیں گے‘‘۔ وہ بہت افسردہ دکھائی دے رہا تھا۔

’’تم فائزہ آنٹی سے ہیلپ لو‘‘۔ فاخر نے مشورہ دیا تو اشمل بولا۔

’’میں ٹرائی کر چکا ہوں۔ پاپ ان کے ساتھ بھی بہت سخت رویہ رکھتے ہیں‘‘۔

’’ویسے میرا مشورہ تو یہ ہے یار کہ رومی کو تم خود سے الگ مت کرو‘‘۔

”لیکن اس کو ساتھ رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے فاخر! اس کو جینے کا حق ہے۔ فاخر کیا تم اس میں میری مدد نہیں کر سکتے؟ وہ بہت اچھی لڑکی ہے‘ بے حد کوآپریٹو بھی‘ تم ایک بار اس سے مل کر تو دیکھو اس کے لیے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں‘ مام بھی اس کے لیے تیار ہیں‘ بٹ ارج نہیں مانے گی“۔ اشمل بے بس اور مجبور دکھائی دے رہا تھا۔

”ظاہر ہے وہ زی کو برداشت نہیں کر سکی تو یہ تو ایک لڑکی کا معاملہ ہے۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے اشمل انسان کی نیچر‘ اس کا ماحول‘ انسان کے اندر کی خودسری‘ سب کچھ محسوس نہیں ہوتی؟“ فاخر نے اشمل کو چونکا دیا تھا۔

”میں سب کچھ جانتا ہوں فاخر! پھر بھی ارج میری زندگی کا حصہ ہے‘ میں اسے خود سے الگ نہیں کر سکتا‘ وہ میری بیوی ہے“۔ وہ نظریں جھکائے بولا۔

”تو پھر رومی کیا ہے تمہاری؟“ تو اشمل کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ رخ پھیر کر فاخر سے کوئی اور بات ڈسکس کرنے لگا۔



دوپہر کے سائے ڈھل چکے تھے موسم بھی نارمل تھا نہ سردی نہ گرمی‘ ایک خوشگوار سا تاثر ماحول میں پھیل چکا تھا۔ حماد کے آنے کی خوشی سب کے دلوں پر نرماہٹ دے رہی تھی۔ جلوہ بی بی کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں حماد کا ویران کمرہ اماں نے آباد کر دیا تھا۔ ان کے کپڑے‘ ان کا تولیہ باتھ روم میں بڑی سی بالٹی اور مگ ان کے پہننے کے لئے کُرتا اور پاجامہ سب کچھ تو تیار تھا۔ یوں لگتا تھا ابھی کچھ دیر پہلے حماد اس کمرے سے گئے تھے اور اب پلٹ کر آ رہے تھے۔ عماد کی یہ مسکراہٹ کہ وہ یہاں نہیں آئے گا اور اماں کا چٹختا ہوا اعصاب شکن لہجہ کہ ”دیکھ لینا ایسا ہو ہی نہیں سکتا وہ پلٹ کر میرے ہی پاس آئے گا“ یہ کہتے ہوئے ان کے اردگرد نور کا ہالہ سا پھیل گیا تھا‘ اماں کا لہجہ بڑا گداز تھا‘ ماہم بھی بیٹھی سوچ رہی تھی۔

”اگر یہ سچ ہوا کہ حماد بھائی گھر پلٹ کر نہ آئے اور سسرال چلے گئے تو کیا ہوگا“۔ لمحے بھر کی تو دیر تھی ایک پل میں سب ایئرپورٹ پہنچ گئے تھے۔ اس وقت یوں لگ رہا تھا ماہم کو کہ آمنے سامنے پاک بھارت کی فوجیں کھڑی ہوں۔ حماد کے سسرال والوں کی یہ ضد تھی کہ وہ ان کے گھر جائیں گے‘ اماں کی حسین بوجھل آنکھوں میں محبت کا وہ اضطراب تھا کہ۔

”دیکھ لینا میرا بیٹا میرے ساتھ جائے گا“۔ محبت جیت گئی تھی‘ عصمت شکست کھا گئی تھی۔ سارا سامان اٹھا کر جلدی جلدی حماد کے سسرال والوں نے سوزوکی اور گاڑی میں رکھا تھا نجانے کتنی اٹیچیاں تھیں یوں لگتا تھا وہ گھر شفٹ کر کے آئے ہوں جیسے‘ پھر پلٹ کر کاظمی آئے تھے حسب معمول اپنی پرانی روش کے مطابق سر جھکا کر بولے تھے۔

”اچھا آپا! اجازت دیں“۔ پھر حماد کی طرف مڑے تو حماد بچوں کی طرح گھبرا کر بولے۔

”آپ چلیں میں آتا ہوں“۔ حماد نے سہم کر اپنے گھر والوں کی نظروں میں دیکھا پھر ماہم کے شوہر کی طرف دیکھ کر بولے۔

”آپ کی گاڑی کدھر ہے؟“ اور یوں انہوں نے پلٹ کر جلدی سے گاڑی میں پناہ ڈھونڈ لی جیسے کوئی بچہ سہم کر چھپ جائے کہیں۔ اماں کی بے تاب نگاہوں کی تپش میں وہ خمار تھا کہ آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی اتر آئی۔ ماہم کو یوں لگا کہ وہ خود اذیتی کی کیفیت سے نکل آئی ہو جیسے اسے اپنی ماں سے محبت نہیں عشق تھا اور جب عشق کسی کو کسی سے ہو جائے تو روح اپنے جسم و جاں سے آزاد رہتی ہے۔ وہ تو ماں تھیں ماہم کے اندر بھی ایک سکون شہد آفریں جیسا احساس دل میں گھر کرنے لگا۔

”چلو اماں خوش تو ہوئیں“۔ ان کی بھیگی ہوئی الوہی آنکھوں میں محبت مسکرا رہی تھی۔ وہ لوگ بچے اور دولت سمیٹ کر اپنی بیٹی کو لے کر جا چکے تھے یہاں اماں بھی خالی ہاتھ نہیں لوٹی تھیں۔

نجانے کیسے لوگ ہوتے ہیں جو جلوہ بی بی جیسے لوگوں کے دلوں کو توڑ کر آباد رہتے ہیں۔ جاتے جاتے مسز کاظمی نے ایک قہر بھری نظر ضرور ڈالی تھی لیکن حماد کی گاڑی یوں ہوا میں غائب ہوئی کہ مسز کاظمی کی بساط الٹ گئی تھی۔

اور جب حماد پلٹ کر گھر آئے تو اس آباد کمرے کو دیکھ کر انہیں یہ احساس نہیں ہوا کہ وہ اس جنت کو چھوڑ کر کبھی گئے تھے اور ان کی بیوی اس جنت کو اجاڑ کر اس لئے گئی تھی کہ ایک ماں کا دل دُکھے لیکن ماں تھی جس نے اپنی محبت سے اس اجڑے ہوئے ویران کمرے کو پھر سنوار دیا تھا لیکن یہ غلطی تھی یا ان کا ظرف پھر بھی حماد کو اس بات کا علم نہیں ہوا اور نہ ہی ان کو کسی نے بتایا کہ ان کی بیوی یہ کمرہ اجاڑ کر گئی تھی بقول پروفیسر شاہین عباس کے:

”ایک PHD والے شوہر کو جاہل عورت بھی نتھ ڈال دیتی ہے“۔ یہاں بھی شاید ایک جینئس آدمی کے دماغ میں یہ بات کبھی نہ آئی کہ اس کی بیوی کیا کرتی ہے۔ اس کو حالات سے لاعلم رکھا گیا۔ تجربے کار کہتے تھے کہ:

”یہ غلط ہے ہر بات حماد کے علم میں لانی چاہیے“۔ لیکن جلوہ بی بی سکون کی متلاشی تھیں شاید اسی لئے حماد پر بے خبری طاری رہی۔



ایک بھیگی بھیگی شب تھی کمرے میں گہرا سناٹا طاری تھا۔ اشمل ابھی تک اپنے کمرے میں نہیں آیا تھا۔ رومی کو نیند نہیں آ رہی تھی‘ وہ اٹھ کر آئی اور اس نے ونڈو سے سفید کرٹن کی ڈوری کھینچ دی تھی۔ کالے بادلوں سے سنہرا چاند باہر نکل آیا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ اس کے پَر لگ جائیں اور وہ اُڑ کر اس دنیا سے کہیں دور چلی جائے مگر وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی‘ ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا تو اس نے گھبرا کر پٹ چھوڑ دیئے اور اپنا رخ بیڈروم کی طرف کر لیا۔ برابر میں ہی ایک ٹیبل پر رکھا ہوا لیمپ اس نے روشن کر دیا‘ لائٹ آف کر کے وہ ایزی چیئر پر بیٹھ گئی تھی نا چاہتے ہوئے بھی اس نے شیلف پر رکھا ہوا اپنا بڑا سا بیگ کھولا تھا‘ ایک نارمل سائز کی ڈائری جس میں وہ اکثر کچھ نہ کچھ لکھا کرتی تھی اس کے بیچ یونہی بیٹھے الٹ رہی تھی‘ ایک ادھوری نظم جس کے اس نے چند شعر نہ لکھے انہیں مکمل کرنے لگی‘ یہی اس کا ایک شوق تھا۔

”محبت اک عبادت ہے“
مکمل دو ہی دانوں پر
یہ تسبیح محبت ہے
جو آئے تیسرا دانہ
تو ڈوری ٹوٹ جاتی ہے
متعین وقت ہوتا ہے
محبت کی نمازوں کا
ادا جن کی نکل جائے
قضا بھی چھوٹ جاتی ہے
محبت کی نمازوں میں
امامت ایک کو سونپیں
اسے تکنے‘ اسے تکنے
سے نیت ٹوٹ جاتی ہے
محبت دل کا سجدہ ہے
جو توحید پر قائم ہے
نظر کے شرک والوں سے

محبت روٹھ جاتی ہے
بت محبوب گر پانا ہے تو اللہ سے مانگو
کہ پوجابت کی کرنے میں
تو قسمت پھوٹ جاتی ہے

اسے آہٹ بھی نہ ہوئی کہ کب اشمل اس کی بیک پر آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اچانک اس نے ہاتھ بڑھا کر رومی کی ڈائری اس کے ہاتھ سے لے لی۔

"اشمل! میں ڈر گئی"۔ وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی لیکن اشمل نے روشنی کا بٹن آن کر دیا تھا اور ڈائری کھول کر پڑھنے لگا۔

"اچھا تو تمہیں اس بات کی بھی خبر ہو گئی' تم نے میری وارڈ روب کیوں کھولی؟"

"میں نے تو کوئی آپ کی وارڈ روب نہیں کھولی"۔ وہ حیران سی ہوئی تھی۔

"تو تمہیں میرے شوق کا علم کیسے ہو گیا محترمہ"۔ اس نے رومی کے ہاتھ سے پن لے کر اس کی ٹھوڑی کو تھوڑا سا اوپر اٹھایا تھا۔ اس نے اشمل کا بڑھتا ہوا ہاتھ تھام کر جھٹک دیا۔

"تمہیں بہت خوش فہمی ہے"۔ اشمل اس کی بدتمیزی پر تلملا سا گیا تھا۔

"میں خوش فہمی اور بدگمانیوں سے بہت دور ہوں' تم جس وارڈ روب کی بات کر رہے ہو اس کی چابی تم دو دن سے تلاش کرتے پھر رہے ہو"۔ رومی چیخ کر بولی۔

"آپ کے شوق سے ہماری چابیاں کنفرم ہو گئیں کہ وہ آپ کے پاس ہیں"۔ اشمل نے دوبارہ نظم کو پڑھا تو مسکرائے بنا ءنہ رہ سکا۔

"یہ تو میں نے بھی نہیں لکھی' نیٹ پر دیکھ لوں گا"۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی شوخی تھی پھر بھی رخ پھیر کر سنجیدگی سے بولا تھا۔

"وارڈ روب کی چابی کہاں ہے؟"

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ؟" وہ بے تحاشا اندرونی غصے سے بے تاب ہوئی تھی۔

"پھر تمہیں میرے پرسنل میٹر کی خبر کیسے ہوئی' کیا تم میرے دل میں جھانک رہی تھیں"۔ غیر ارادی طور پر رومی کی نظر اس کے دل پر گئی' فیروزی کلر کے کرتے کے بٹن کھلے ہوئے تھے' گھبرا کر اس نے نظریں جھکا لیں تو اشمل نے اپنے سینے پر ایک نظر ڈالی اور اسے بہت غصے کی نظر سے دیکھا تھا۔

"ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا وارڈ روب کی چابیاں غائب ہیں' مام نے ہر جگہ دیکھ لیا"۔ اشمل نے بغور اس کا جائزہ لیا' وہ نارمل سے پرپل کاٹن کے سوٹ میں بجھی بجھی دکھائی دے رہی تھی۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں ہر بات آپ کو دیکھ کر کرتی ہوں' ایزل آپ کی پسند ہے تو کیا کوئی دوسرا اتنا جانوروں سے قریب نہیں ہو سکتا' کیا آپ کے علاوہ کوئی دوسرا ڈائری نہیں لکھ سکتا' اشمل اتنی بدگمانی ٹھیک نہیں ہے میں تمہارے ساتھ جس لائف کے لیے کمیٹڈ ہوں وہاں کچھ اور کی گنجائش نہیں"۔ وہ بے حد غصے سے بول رہی تھی۔

"پھر مجھے ایسا کیوں لگتا ہے؟ کیوں ایسا فیل ہوتا ہے رومی! اس کا جواب دو تم جب ہمارے سامنے آتی ہو تو میں خود کو بہت کمزور فیل کرتا ہوں' مجھے ایسا لگتا ہے"۔ اس نے اس کا بازو تھام کر رخ اپنے سامنے کر لیا۔

"چھوڑیں میرا ہاتھ' کنٹرول یور سیلف۔ یہ میرا پرابلم نہیں ہے یو نو' اور اگر آپ کو ایسا کچھ فیل ہوتا ہے تو میں یہ تکیہ لے کر کسی سرونٹ کوارٹر میں چلی جاتی ہوں"۔ وہ غصے سے آگے بڑھی تو اشمل نے پھر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش مت کرو' تم ہمارے حالات سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہو' تم پاپ کو انوالو کرنا چاہتی ہو"۔

اشمل کی گرفت سے وہ اپنا ہاتھ نہ چھڑا سکی۔

"ہر وقت کی غلط فہمیاں' بدگمانیاں' یہ لو یہ دیکھو"۔ اس نے اپنا بیگ اشمل کے سامنے الٹ دیا تھا۔

"میری زندگی میں ہے ہی کیا' جب گھر والے یاد آتے ہیں' جب کوئی بات کہنا چاہتی ہوں تو میں لکھ کر رکھ لیتی ہوں' لو دیکھو ولید ہاؤس میں آنے سے پہلے کی یہ ساری ڈائریاں ہیں' اب تو تمہیں یقین آ گیا کہ میں تمہاری زندگی میں دبے پاؤں نہیں اتری ہوں اور نہ ہی یہ کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے' جو کچھ ہوا ہے اس میں' میں نہیں تم بھی برابر کے شریک ہو' تم نے پاکستان کو امریکا سمجھ لیا ہے' کسی لڑکی سے تم فلرٹ کرو گے اور نکل جاؤ گے' یہاں ایسا نہیں ہوتا مسٹر اشمل! آپ اپنی غلط فہمیاں دور کر لیں"۔ اس نے چھوٹی بڑی سب ڈائریاں اشمل کے سامنے پھینک دی تھیں' اشمل اسے پکڑتا رہا مگر وہ ساری چیزیں بے ترتیب پھینک کر رات بارہ بجے کمرے سے بہت تیزی سے نکل گئی تھی۔

رات کے اندھیرے میں وہ زینے سے اترتی ہوئی لان کے بیچ میں پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔



اشمل اس کی ایک ایک ڈائری کو اٹھا کر دیکھ رہا تھا۔

"پھر یہ سب کیسے ممکن ہوا؟" اس نے سب سے پرانی ڈائری کو اٹھا کر کھولا تھا' اشمل کی نظر ایک صفحے پر رک گئی تھی۔

"ولید ہاؤس" میں میری امی کبھی یہاں رہتی تھیں' ماموں سے نہیں ملی ہوں' چھوٹی دادی بہت اچھی ہیں' وہ کسی اشمل کی بات کرتی تھیں' کل وہ مجھے ملا ایک جولی نیچر کا نوجوان جس کی عادتیں دیکھ کر مجھے یوں لگا کہ وہ میری طرح ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ وہ بھی بلیوں کو پسند کرتا ہے' میری بھی کمزوری کچھ ایسی ہی ہے۔ اس کی شرارتیں دیکھ کر ہر پل یوں لگتا ہے جیسے کبھی میں نے کی ہوں' اس کی شوخ آنکھوں میں کتنی شرارت ہے' وہ نہیں جانتا کہ جب وہ میری طرف دیکھتا ہے تو مجھے یوں لگتا ہے پرت در پرت وہ مجھ پر کھلتا جا رہا ہے۔ بعض وقت اس کے جملوں کی تکرار بھی مجھے یوں لگتی ہے جیسے میں بول رہی ہوں"۔ اس نے صفحہ پلٹ دیا۔ جلدی جلدی صفحے پلٹتے ہوئے وہ ایک جگہ پر پھر رک گیا تھا۔

"یہاں کتنا سکون ہے ولید ہاؤس میں' مجھے یہاں کوئی ہرٹ نہیں کرتا' سب اپنی اپنی دنیا میں جی رہے ہیں۔ کاش تایا ابا کے گھر بھی سب ایسے ہو جائیں۔ ارسلان کی تھوڑی سی ہمدردی پر تائی اماں نے میرا جینا حرام کر دیا' کتنے طعنے دیئے ہیں مجھے' میں نے دو دن تک کھانا نہیں کھایا' سر درد کا بہانہ کر کے لیٹی رہی"۔ اس نے گھبرا کر صفحہ پلٹ دیا تھا۔ جگہ جگہ پر کچھ یادیں' اشعار اور شاعری لکھی ہوئی تھی' پھر ایک صفحے پر اس کی نظر ٹھہر گئی۔

"ولید ہاؤس میں رہتے ہوئے کچھ عجیب سا لگتا ہے اس لئے آج پھر تایا ابا کے گھر لوٹ آئی لیکن پھر تائی اماں مجھے نہیں رہنے دیں گی۔ وہ کہتی ہیں کہ میں کہیں بھی رہ لوں مگر یہاں نہیں رہ سکتی۔ وہ مجھ سے بہت خوفزدہ ہیں میری وجہ سے ایشل کا رشتہ ٹوٹ گیا' لڑکے والوں کو ایشل پسند آ گئی تھی نجانے کب کیسے وہ عید پر عیدی دینے آئے' لڑکے کو میری جھلک نظر آ گئی اور میں گناہگار ٹھہری"۔ اس نے جلدی سے پھر صفحہ پلٹ دیا تھا' آنسوؤں کے کئی دھبے تھے حروف بھی مٹ رہے تھے' لکھا تھا۔

"لو پھر دربدری کے احکامات جاری ہو گئے ہیں۔ ظاہر ہے جس کو ماں باپ چھوڑ کر چلے گئے ہوں دوسروں کے رحم و کرم پر۔ ہمارے لئے یہ حکم پاس کیا گیا ہے کہ ہم چھوٹی دادی کے ہاں چلے جائیں۔ یہ احکام تائی اماں نے جاری کروائے تھے' مجھے کل ولید ہاؤس بھیج دیا جائے گا اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی دوسرا آپشن نہیں ہے۔ گاؤں میں جا نہیں سکتی' پھپھو کے گھر بھی شرمندگی کا سامنا رہے گا' لہٰذا ولید ہاؤس تو بہت بڑا کشادہ محل ہے' وہاں پر ہمارے لئے یہ ایڈوانٹیج ہے میں وہاں جانوروں سے دل لگا لوں گی"۔ اس نے صفحہ پلٹ دیا تھا۔

"ولید ہاؤس میں میں ایڈجسٹ تو ہو گئی ہوں' مجھے یہاں کوئی پرابلم نہیں' اشمل بے حد اچھا انسان ہے' وہ انسان تو کیا جانوروں کی بہت قدر کرتا ہے' یقین نہیں آتا کہ میری طرح وہ بھی جانوروں اور پرندوں سے اتنی ہمدردی رکھتا ہے"۔

اشمل نے گھبرا کر پھر صفحہ پلٹ دیا تھا۔

"اشمل کی حرکات وسکنات دیکھ کر مجھے لگتا ہے اس کے جسم میں میری روح ڈال دی گئی ہو' اس کے سوچنے کا انداز ہم غریبوں جیسا ہے۔ چند دنوں میں وہ مجھ سے کتنا قریب ہو گیا ہے لیکن میں اسے نظر انداز کر کے خود فاصلے پر رہنا چاہتی ہوں' کہیں مامی کو تائی اماں کی طرح کوئی خوف نہ لاحق ہو جائے اس لئے میں اشمل کو اوائڈ کرتی ہوں لیکن وہ ہے کہ بس"۔ اس نے بڑے مرے مرے ہاتھوں سے پھر صفحہ پلٹ دیا تھا۔

"یقین نہیں آتا کہ قسمت ہم پر کچھ اس طرح سے مہربان ہو گی' ہم نے تو زندگی میں ایک پل کے لئے بھی یہ نہیں سوچا کہ اشمل میرا بن جائے گا' سب کچھ ایک پل میں بدل گیا' مامی نے سیل بھی لے لیا اور مجھے تائی اماں کے گھر پر چھوڑ گئی ہیں کہ وہ مجھے اشمل کی دلہن بنا کر لے جائیں گی۔ مجھے بہت خوف آ رہا ہے' میں اشمل سے ایک بار خود بات کرنا چاہتی ہوں' اس کا لائف اسٹائل بالکل الگ ہے' اس کی زندگی میں ارج نام کی کوئی لڑکی ہے' جس سے وہ بے حد محبت کرتا ہے اور یہ بات مجھ سے کیسے الگ ہو سکتی ہے کہ اشمل محبت کسی اور سے کرے اور شادی مجھ سے' میں نے زندگی میں صرف ایک بار حماد کے خواب دیکھے تھے یہاں تک میں اس کے حصار میں قید ہوں حالانکہ میں نے اس کو دیکھا بھی نہیں لیکن دل سے آج تک اس کا رشتہ نہیں ٹوٹا۔ پھر اشمل کیسے ارج کو بھول سکتا ہے یہ بات میں اس سے پوچھنا چاہتی ہوں لیکن مامی سختی سے منع کر رہی ہیں کہ میں اب اشمل سے بات نہیں کر سکوں گی اور میں کئی بار ٹرائی کر چکی ہوں مگر ناکام ہوئی ہوں۔ مامی کہتی ہیں اب یہ ممکن نہیں ہے جب میں اس کی زندگی میں شامل ہو رہی ہوں تو پھر بات کرنے کا کیا فائدہ۔ لیکن مجھے حیرت اس بات کی ہے کہ ایک پل کے لئے میں نے ایسا فیل نہیں کیا کہ اشمل مجھے اس نظر سے دیکھتا ہے اور نہ ہی میں نے اپنے دل پر کوئی دستک سنی پھر یہ کیسے ممکن ہو گیا جب میں سانس لیتی ہوں تو وہ جملہ پورا کر دیتا ہے۔ میں اپنی آنکھ بند کروں تو میری پسند کی وہ چیز اٹھا لیتا ہے' بڑی حیرت کی بات ہے کہ زندگی کے اتنے اہم فیصلے پر اس کا دل خاموش کیوں رہا' میرے ذہن نے میرے دل کو دستک کیوں نہیں دی۔ اچانک اتنا اہم فیصلہ میری زندگی کا میرے غریب والدین سے رضامندی لے لی گئی اور میں نے دربدری کے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔ شاید میں کسی پناہ کی تلاش میں تھی"۔ اشمل کے ہاتھ سے ڈائری چھوٹ کر گری۔ وہ پسینے پسینے ہو رہا تھا دل کی رفتار بہت تیز ہو گئی تھی' اس نے گھبرا کر سامنے والی ونڈو کو کھول کر نیچے جھانکا' وہ شیڈ کے نیچے بیٹھی نظر آ گئی تھی۔ وہ جلدی سے نیچے اتر آیا' انجان سا بنا ہوا وہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا نجانے کہاں سے اتنی رات گئے ولید پلٹ کر گھر آئے تھے وہ انہیں دیکھ کر بہت گھبرایا اور جلدی سے بڑھ کر آگے آیا۔

"پاپ! پیک ٹائم ہے ہم تھوڑی دیر کے لیے باہر جا رہے ہیں"۔ وہ بے حد نروس تھا مگر سارے اپنے جذبات و احساسات وگلٹ کو چھپا گیا۔

"او آئی سی"۔ ان کی نظر دور بیٹھی رومی پر پڑی تو وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئے۔

"رومی! پلیز آئی ایم سوری"۔

"کس بات کی سوری اشمل! ایسا تم نے کچھ نہیں کیا' میں اس زندگی کی عادی ہوں' شک وشبہات کی بناء پر ہمیشہ دربدر کر دی جاتی ہوں' مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں"۔

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو لیکن پھر بھی تم یا تو واپس بیڈروم میں چلو یا پھر ہم تم دونوں کہیں باہر چلتے ہیں"۔

"ظاہر ہے اگر میں اس وقت کہوں گی کہ میں بیڈروم میں جا رہی ہوں تو پھر تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو جاؤ گے اس لئے ہم کہیں اور چلیں یہ بہتر ہوگا"۔ اشمل نے پژمردہ سے چہرے پر نظر ڈالی اس کی بے بسی ومجبوری پر اس کا دل ٹوٹ سا گیا۔

"میں تھوڑی دیر تنہا یہاں بیٹھنا چاہتی ہوں یہ میرے دل کی خواہش ہے' یقیناً مجھ پر تمہیں اختیار حاصل ہے لیکن ہمارے دل کو زندہ رہنے دو' چھوٹی سی یہ خواہش ہے کہ پل دو پل میں یہاں بیٹھ کر تنہا اپنے دکھ پر رو لوں' آنسو بہا کر میں تمہاری ہمدردی نہیں سمیٹنا چاہتی"۔



پریشان ہونا انسان کے انسان ہونے کی دلیل ہے لیکن پریشان رہنا انسان کے اللہ پر یقین نہ ہونے کی دلیل ہے اور جلوہ بی بی کا پختہ یقین کہ حماد واپس پلٹ کر آئے گا وہ آ تو گئے تھے مگر عصمت کے دل میں ایک آگ سی بھڑک رہی تھی' جلوہ بی بی کی محبت کو وہ دوسرے ہی رنگ میں لیتی تھیں ان کی محبت کو وہ چالاکی اور ہوشیاری کہتیں' شاید یہ ان کی بدنصیبی تھی۔ ماں کی محبتیں تو اٹل ہیں ازل سے ہیں' ان کی محبتوں کو مت جھٹلاؤ کہ یہ بشارتیں ہیں دعا کی کہ ان کے لب سب دعا دعا ہیں مگر محبت سے خالی دل کبھی محبت کی نرمی کو محسوس نہیں کرتے' یہ انسان کی بدنصیبی ہے وہ مہمانوں کی طرح گھر آئی تھیں' کمرے پر نظر پڑی تو آباد کمرہ منہ چڑا رہا تھا' وہ جس کمرے کو نوچ کر گئی تھیں جلوہ بی بی نے پھر اسے آباد کر دیا تھا۔ حماد کیا سبھی کو یونہی لگ رہا تھا کہ یہ کمرہ یونہی ہمیشہ آباد رہا ہے حالانکہ خالی ویران کمرے کو حماد کی محبت نے پھر سے آباد کر دیا تھا۔ دو چار گھنٹے عصمت بیٹھ کر حماد کو ساتھ لے کر اپنے گھر چلی گئی تھیں' حماد پھر پلٹ کر اپنے گھر آ گئے تھے سب کے وسوسے کہ حماد یہاں نہیں رہیں گے ٹوٹ گئے تھے' ماں کی محبت جیت گئی تھی۔ سب کچھ پہلے جیسا' پہلے سی گہما گہمی تھی۔ ثروت باجی بچوں کو لے کر رہنے کے لئے آ گئی تھیں۔ ماہم بھی رہنے کے لئے آئی تھی' سمعیہ باجی روز چکر لگا رہی تھیں' کزنز سب آ جا رہے تھے' حماد میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی بالکل پہلے ہی جیسے سفید شلوار کرتا پاجامے میں ان کے سیاہ کلرنگ بال بہت نمایاں نظر آتے۔ وہ اپنی فیملی کے بلیو آئیڈ مین تھے' اماں کچن میں بے حد مصروف رہنے لگیں' ان کی ایک ہی خوشی تھی کہ مہمانوں کو اچھے سے اچھا کھانا کھلایا جائے۔ عصمت صبح آتیں حماد کو لے کر واپس چلی جاتیں' رات حماد اکیلے تنہا پلٹ آتے' رات تک گھر میں چہل پہل رہتی' سب آ جا رہے ہوتے' حماد اور عزیز ڈھونڈ ڈھونڈ کر پرانی باتیں کرتے' امریکا کے سارے واقعات ڈسکس ہوتے پھر کبھی بچپن کی کہانیاں نکل آتیں۔ حماد ضرور کوئی نہ کوئی لطیفہ سنا دیتے جس پر بھی ہنس پڑتے لیکن عصمت کا بڑھتا ہوا اصرار کہ نہیں تم رات سسرال میں رہو گے جس پر حماد نے انکار کر دیا تھا' وہ خاصی برہم رہیں لیکن حماد نے ایک رات بھی ماں کے گھر کے بغیر نہیں گزاری۔



وہ اپنے رویئے پر بہت شرمندہ شرمندہ سا کمرے میں پلٹ کر چلا آیا تھا' بے ترتیب پڑی ہوئی ڈائری میں کچھ اور اس کی چھوٹی موٹی چیزیں تھیں جو وہ تایا کے گھر سے ولید ہاؤس لے آئی تھی' اشمل کا دل ابھی تک اداس اداس لگ رہا تھا' وہ ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ پتہ چل گیا ہے' اندر کی گھٹن سے اسے خوف آنے لگا۔ حالات جو بھی تھے پھر بھی وہ ایک نرم مزاج دل کا مالک تھا' انسان تو کیا چرند پرند سے محبت کرنے والا انسان تھا' وہ گھبرا کر ٹیرس پر نکل آیا جہاں پر بڑے بڑے شیشے لگے ہوئے تھے جلتے بجھتے فانوس اور کارنرز میں رکھی ہوئی بڑی سی میز پر رنگین کرسٹل کا باؤل جس کے اندر برقی قمقمے روشن تھے۔



وہ آج رات پلٹ کر اپنے روم میں نہیں آئی تھی بہت اداس اداس سی وہ دادی کے پاس بیٹھی تھی۔

"کیا بات ہے رومی؟" دادی کے ایک ہی جملے سے بھل بھل آنسو ابل پڑے۔

”ہوا کیا ہے؟“ پھر بھی جواب میں وہ کچھ نہ بولی تو دادی بولیں۔

”امی‘ ابو یاد آرہے ہیں‘ گھر یاد آرہا ہے؟“ تو رومی نے آنسو پونچھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔

”تو کیا اشمل سے کسی بات پر جھگڑا ہوا ہے تمہارا؟“ وہ تشویش بھرے لہجے میں بولیں۔

”نہیں دادی! اشمل سمجھتا ہے میں اس کے اسٹیٹس کو دیکھ کر اس کی ہم خیال بنی‘ یہ سب میرے بہانے تھے ولید ہاؤس میں آنے کے ورنہ میں اس قابل نہیں تھی۔ دادی وہ بہت مس بی ہیو کرتا ہے‘ اس کے ساتھ آپ لوگوں نے زیادتی کی ہے‘ میں اس قابل کب تھی اگر مجھے غلط فہمی ہوگئی تھی تو وہ آپ سے تو کہہ سکتا تھا لیکن دادی بات یہ ہے“۔ وہ کہتے کہتے آنسو پونچھ کر چپ ہوگئی۔

”میں بہت پہلے آپ کو یہ بات بتادیتی مگر مجھے ڈر تھا کہ آپ یہ بات ماموں کو بتادیں گی‘ وہ ماموں سے بہت ڈرتا ہے بس اس لئے اس بات کو آپ کسی سے ڈسکس نہیں کریں گی‘ میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ میں گاؤں واپس چلی جاؤں گی تایا کے گھر بھی نہیں جاؤں گی“۔

”رومی! یہ سب تم کر کے کیا ہم سب کو مارنا چاہتی ہو“۔

”دادی! وہ میری نیت پر شک کرتا ہے“۔ وہ سسک پڑی تھی۔

”میری جان! لیکن گھر چھوڑ کر تھوڑی جاتے ہیں اب یہ تمہارا گھر ہے ایک نہ ایک دن وہ تمہارا ہوگا تم دیکھ لینا“۔ دادی نے اسے تسلی دی۔

”اٹھو تم جاؤ اور منہ دھو کر آؤ‘ چھوٹے موٹے اختلافات میاں بیوی کے درمیان ہوتے رہتے ہیں“۔ اب وہ کیا کہتی‘ اس کا تو اندر سے دم گھٹ رہا تھا سسکیاں لے کر رونا چاہتی تو دم گھٹنے لگتا‘ منہ کھولتی تو زمانے بھر کی رسوائیاں سر اٹھائے نظر آتیں۔

اشمل بڑا شرمندہ شرمندہ ساماں کے کمرے میں آیا تھا۔

”مام! وہ ابھی تک روم میں واپس نہیں آئی‘ اگر اس نے سب کچھ دادو کو بتادیا تو......؟“

”تو......“ وہ گھبرا کر اشمل سے بولی تھیں۔

”دیکھو اشمل! بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا تم جلد بازی سے کام مت لو‘ اپنے غصے اور جلد بازی پر قابو رکھو‘ ہر صورت اسے منالو“۔ وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی تھیں۔

”کیا منالوں مام! آپ نے مجھے ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب کردیا ہے‘ سارے الزامات بے بنیاد ہیں مام‘ میں اس کی ڈائری پڑھ کر بہت گلٹی کانشس ہورہا ہوں‘ میں مزید اسے دھوکا نہیں دے سکتا‘ مام وہ بے حد اچھی ہے‘ میں تو اس کی دوستی کے قابل بھی خود کو نہیں سمجھتا اور جو کچھ ہم اور آپ پلان کررہے ہیں وہ بے حد غلط ہوگا‘ وہ بے حد سینسیٹو ہے وہ ٹوٹ جائے گی مام مرجائے گی‘ میں تو ایک جانور کو بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا وہ تو انسان ہے اور وہ میری وجہ سے آنسو بہاتی ہے‘ وہ ایک ایک لمحہ میری وجہ سے مررہی ہے مام پلیز یہ کھیل ختم کردیں‘ میں ارج کو بتادیتا ہوں کہ میں پاکستان سے واپس نہیں آسکتا“۔

”پاگل مت بنو اشمل! تم تمام عمر ولید ہاؤس سے باہر نہ جاسکو گے اور نہ ہی تمہیں ارج ملے گی‘ ارج کو پانے کے لئے تمہیں یہ قربانی دینی پڑے گی اور بیٹا یہ قربانی نہیں ہے ہم اس کے بدلے اسے بہت کچھ دیں گے ورنہ تم ارج کو نہیں پاسکتے اور نہ ہی میں اپنے بھائی کو کھوسکتی ہوں‘ رومی ایک غریب لڑکی ہے ہم اس کو کچھ دے دلا کر اتنا خوش کردیں گے کہ وہ سب کچھ بھول جائے گی“۔

”مام! میں کہہ رہا ایسا نہیں ہے‘ مام آپ اس سے ریکوئسٹ کریں کہ وہ بیڈ روم میں واپس آجائے“۔

”اچھا ٹھیک ہے تمہیں زیادہ ایموشنل ہونے کی ضرورت نہیں میں ابھی جا کر اسے بھیجتی ہوں“۔ وہ بہت تیزی سے نکل کر دادی کے کمرے میں گئی تھیں جہاں رومی ابھی تک پیر لٹکائے بیڈ پر بیٹھی تھی۔

”ارے رومی! کیا ہوا؟ تمہاری آنکھیں تو ریڈ ہورہی ہیں‘ کیا امی ابو یاد آرہے ہیں“۔ وہ اتنے مستحکم انداز میں بولیں تو رومی چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

”چلو اٹھو تم اپنے بیڈ روم میں جاؤ“۔ تو مڑ کر دادی نے صبا کی جانب دیکھا اور پھر ایک نظر رومی پر ڈالی تو وہ بے بسی سے سٹپٹا کر کھڑی ہوگئی تھی۔

”اماں! اس کو تسلیاں دینے کے بجائے اسے سمجھائیں کہ یہ یہیں دل لگائے کہ یہی اس کا گھر ہے‘ میں تو اس کو بہت پیار کرتی ہوں“۔ انہوں نے رومی کے سر کو اپنے سینے سے لگالیا تھا تو وہ نجانے کیوں سسک پڑی۔

”ارے بھئی اشمل سے کوئی جھگڑا ہوا ہے“۔ اشمل کا نام سنتے ہی رومی نے نفی میں سر ہلا دیا تھا کہ نہیں۔

”چلو اٹھو اپنے روم میں جاؤ‘ اگر اشمل نے تمہیں کچھ کہا ہے تو مجھے بتاؤ میں دیکھ لوں گی‘ اٹھو چلو میرے ساتھ اور ہاں رومی! دیکھو دادی کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اگر تم اس طرح سے کروگی تو بہت برا ہوگا‘ میں تو تمہارے ہنی مون کا پلان کررہی ہوں“۔ دادی نے صبا کی طرف ہنس کر دیکھا۔

”چلو اٹھو میرے ساتھ آؤ“۔ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکل آئیں۔ وہ دبے قدموں چلتی ہوئی اپنے روم کی طرف آئی تھی ناچاہتے ہوئے بھی اس نے دروازہ کھولا‘ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا اس نے بجلی کا بٹن آن کیا‘ جونہی اس نے لائٹ جلائی اشمل نے سرخ سرخ آنکھیں کھول دی تھیں‘ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی آ کر لیٹا تھا‘ رومی نے گھبرا کر لائٹ بند کی اور ٹیرس پر نکل گئی تھی‘ اشمل خود ہی اٹھ کر اس کی طرف آیا تھا۔

”پلیز رومی! میں کمرہ چھوڑ کر باہر چلا جاؤں گا یا سرونٹ کوارٹر میں رات گزار لوں گا یا کسی فٹ پاتھ پر رہ لوں گا‘ پلیز تم اپنے بیڈ پر آجاؤ“۔ اس نے رومی کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

”پلیز اشمل! میں اتنے لگژری بیڈ کی عادی نہیں ہوں‘ میں یہیں اسی ٹیرس پر ایک تکیے کے سہارے رات بسر کرسکتی ہوں“۔

”میں نے کہا ناں رومی! اندر آؤ اور اپنے بیڈ پر جاؤ‘ ورنہ میں ابھی اور اسی وقت گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا‘ تم تو ایک انسان ہو میں تو یہ ایزل کے لئے بھی برداشت نہ کروں“۔

”مجھ میں اور ایزل میں کوئی فرق نہیں ہے اشمل!“ اشمل کے دل پر ایک گہری چوٹ لگی تھی۔

”تو میں تو ایزل کا بھی اتنا خیال رکھتا ہوں“۔ اس نے اس کی ہتھیلی پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا اور اس نے سر جھکا لیا۔



چلچلاتی ہوئی دھوپ میں عصمت اپنے شوہر حماد کو بلانے کے لئے آئی تھیں‘ ملازم نے اندر آکر بتایا تھا کہ بھابی دور ہوٹل کے پاس گاڑی میں بیٹھی بلا رہی ہیں‘ سب حیران تو ہوئے تھے کہ وہ اتنی دور کیوں کھڑی ہیں‘ اماں جلدی سے اٹھیں۔

”اسے اندر بلاؤ“۔

”نہیں میں دیکھتا ہوں“۔ حماد بولے وہ باہر نکلے اور بہت تیزی سے وہ گاڑی کی سمت ہوٹل کی طرف بڑھے تھے جھگی نما ہوٹل میں کئی لوگ کھا پی رہے تھے۔ حماد‘ عصمت کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھے‘ عصمت گاڑی سے اتر کر سیدھی ان کی طرف آئیں۔

”گھر چلو تم“۔

”کیسی باتیں کررہی ہو تم‘ میں رات میں آجاؤں گا تم گھر آؤ“۔

”میں گھر نہیں آؤں گی تم ہمارے ساتھ چلو ابھی اور اسی وقت“۔ عصمت نے ان کا گریبان پکڑ کر گھسیٹا تھا۔

"چھوڑو یہ تم کیا کر رہی ہو"۔ حماد نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے خود کو ایک پل میں آزاد کرا لیا تھا لیکن عصمت نے دوبارہ جھپٹ کر ان کے کرتے کو کھینچا تھا کرتے کے سارے بٹن ٹوٹ گئے تھے اور باریک ململ کا کرتا تار تار ہو گیا تھا' وہ چیختی چلاتی ہوئی لوٹ گئیں تھیں۔ حماد اپنا گریبان چھپائے ہوئے شرمندہ شرمندہ سے گھر لوٹے' اماں سے نظریں ملاتے جھینپتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے' اماں کو بھی شاید ان کا پردہ منظور تھا اس لئے کچھ نہ بولیں' بس دیکھ کر افسردہ سی بیٹھی رہیں۔

رات حماد اماں سے خود کہہ رہے تھے "کبھی کبھی ایسا دل چاہتا ہے اپنے بچوں کو لے کر کہیں بہت دور نکل جاؤں"۔ اماں ان کا اشارہ سمجھ رہی تھیں جھٹ بول پڑیں۔

"نہیں بیٹا نہیں' بہت بدنامی ہو گی تم پاکستان ہی نہ آیا کرو"۔ اس وقت حماد کی نظریں اماں کے سامنے جھکی ہوئی تھیں اس وقت ایک ماں ہونے کی حیثیت سے جلوہ بی بی کا یہ فیصلہ سراسر غلط تھا' انہیں اپنے بیٹے کا ساتھ دینا چاہیے تھا' اتنی خودسر بیوی کو اگر وہ خود سے الگ کرنا چاہ رہے تھے تو یقیناً انہوں نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی ماں سے یہ بات کی ہو گی کیونکہ حماد ایک ایسا انسان تھا جو ہر انسان کے ساتھ مخلص اور محبت کرنے والا بلکہ ہر رشتے میں وہ محبت کرنے والے انسان تھے۔ بدنصیبی ان کی شاید یہ تھی کہ ان کی ماں معاشرے سے بہت خوفزدہ تھیں کہ لوگ کیا کہیں گے۔



"مام! جو کچھ بھی ہوا ہے رومی کے ساتھ وہ ہم نے اور آپ نے اچھا نہیں کیا' وہ ایسی نہیں ہے جیسا ہم اسے سمجھتے ہیں۔ مام اپنا رویہ آپ تبدیل کیجیے' ٹھیک ہے وہ ہماری زندگی میں آئی ہے چلی بھی جائے گی بٹ اٹ ناٹ مینز کہ ہم اسے ذلیل کریں"۔ صبا کو کرنٹ چھو گیا' وہ جاتے جاتے پلٹیں۔

"کیا کہا تم نے؟ ہم اسے ذلیل کر رہے ہیں' ذلیل تو وہ تمہیں پس پردہ کر رہی ہے' اگر جلدی وہ تمہاری زندگی سے نہ گئی تو تم اس کا کوئی اور روپ دیکھو گے' بہتر یہی ہے کہ میں تمہارے پاپ سے بات کرتی ہوں تم اس کو لے کر فوراً ملک سے باہر چلے جاؤ۔ سب کچھ اسے دے دلا کر اس سے چھٹکارا حاصل کرو' بس اشمل تمہارے حق میں اور اس ولید ہاؤس کے حق میں یہی بہتر ہے"۔ وہ بہت غصے سے بولیں۔

"مام! جلد بازی سے کام نہ لیں' میں نے ارج سے تھوڑا وقت مانگ لیا ہے"۔ اشمل کا لہجہ تھکا تھکا سا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ اب مجھے یہ لڑکی ایک پل نہیں برداشت ہوتی اور جس طرح تمہارا باپ اس کے آگے پیچھے پڑا رہتا ہے وہ میں برداشت نہیں کر سکتی"۔

"مام! ابھی آپ خاموش رہیے' وہ بہت کو آپریٹو لڑکی ہے اسے خود احساس ہے وہ ارج کی جگہ نہیں لے سکتی۔ پاپ بہت لونگ نیچر ہیں اور شی از ویری کیوٹ"۔ اشمل نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا تو وہ دھڑ سے سامنے صوفے پر ٹک گئی تھیں۔

"او مائی گاڈ! یہ تم اپنی دادی کے ڈائیلاگ بول رہے ہو"۔

"مام! جیسا آپ سوچ رہی ہیں ایسا کچھ نہیں ہے' اس نے ہم لوگوں کو دھوکا نہیں دیا ہم اسے دھوکا دے رہے ہیں"۔

"شٹ یور ماؤتھ"۔ بے ساختگی میں وہ کھڑی ہو گئی تھیں' ان کے وجود کے اندر گرم گرم لاوا ابلنے لگا تھا' اشمل کی اتنی مجال کہ وہ رومی کی طرفداری میں کچھ بول سکے۔

"اگر تمہارے پاپ کو یہ پتہ چل جائے تو تم جانتے ہو کیا ہو گا؟" وہ شدید غصے کے عالم میں بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔

"مام!" دوسری طرف وہ نظریں پھیر کر بولا۔

"مام! میں نے فیصلہ کر لیا ہے رومی کو اب میں کوئی اذیت نہیں دے سکتا' میں اسے ڈائیورس دے دیتا ہوں"۔

"اور ارج......" وہ پھر پلٹ کر بیٹے کے سامنے آ گئی تھیں۔

"میں ارج سے خود ڈسکس کر لوں گا بٹ اٹ ناٹ فیئر کہ بے ایمانی بھی اس کے ساتھ کروں اور مام ٹارچر بھی اسی کو کرتا رہوں"۔

"تو جاؤ اس کے قدموں پر سر رکھ دو' منا لو اس کو۔ وہ بڑی افسردہ افسردہ منہ بنائے گھوم رہی ہے کتنے دنوں سے"۔ وہ مام کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔

"میں گلٹی فیل کر رہا ہوں"۔ وہ جونہی صبا سے بات کر کے پلٹا اور کمرے میں آیا تو اس وقت وہاں رومی نہیں تھی' وہ بہت گہری نظروں سے سوچتا ہوا سامنے بڑا سا زینہ طے کرتا ہوا اوپر آفس کی سمت پہنچا تھا' رومی وہاں پر بھی نہیں تھی' اس نے گھبرا کر فائزہ سے پوچھا تھا۔

"رومی کہاں ہے؟" تو فائزہ بولیں۔

"رومی کو تو میں نے کئی دن سے نہیں دیکھا' اینی پرابلم؟" اشمل گھبرا کر باہر نکل آیا تھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے' اپنے پچھلے رویئے پر وہ بے حد شرمندہ تھا اس کے دل میں رومی کے لئے بے حد نرم گوشہ پیدا ہو گیا تھا' اسے اپنے پچھلے رویئے پر شرمندگی ہو رہی تھی کہ وہ کسی کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے ابھی تک رومی بھی اس سے ناراض تھی تو اچانک اسے احساس ہوا کہ رومی گھر میں نہیں ہے' وہ بے حد اپ سیٹ اور پریشان سا بیٹھا سوچ رہا تھا۔

رات کا پہر تھا وہ بہت اداس پریشان واپس اپنے بیڈ روم میں آیا تو اس کا سیل ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا ہوا تھا' اس نے یونہی لیٹے لیٹے رومی کے سیل پر بیل دی' بیل برابر جا رہی تھی' وہ بے چین سا اٹھ کر باہر نکل آیا۔ ولید حیدر دو چار دن کے لئے بینکاک چلے گئے تھے' گھر میں گہرا سناٹا تھا' ہر شخص خاموش خاموش لگ رہا تھا تبھی وہ چلتا ہوا بے کل سا باورچی خانے میں آیا۔ ڈائننگ ٹیبل پر ڈھکے ہوئے پیالوں کو دیکھنے لگا پھر پلٹ کر دوسری جانب دیکھ کر بولا۔

"بڑے صاحب! آج کیا پکایا ہے؟" بہت پرانا باورچی اشمل کی آواز سن کر کھل پڑا اور بولا۔

"جو بولو گے بیٹا! وہ پکا دیتے ہیں' کیوں مجھے بڑے صاحب کہہ کر شرمندہ کرتے ہو' ولید صاحب کی اسی ادا پر تو میں قربان ہو گیا ہوں"۔

"اونو بڑے صاحب تو آپ قربان ہو گئے تو کھانا کون پکائے گا؟"

"ارے رومی بٹیا کے ہاتھ میں تو جادو ہے"۔ بڑے صاحب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"بڑے صاحب! میں پورے گھر میں ڈھونڈ آیا ہوں آپ کی بٹیا کا کھوج نہیں مل رہا"۔

"رومی بٹیا!" وہ جلدی سے ایپرن کھولتے ہوئے بولے تھے۔

"ایک دو بجے کے قریب رومی بی بی بیسمنٹ کی طرف گئی تھیں وہاں سے آپ کی ایزل کی آواز آ رہی تھی' میں نے پوچھا تو بولی ایزل وہاں بند ہو گئی ہے مامی بتا رہی تھیں"۔

"اچھا......" وہ بہت حیران ہو کر بولا پھر گھڑی پر نظر پڑی تو رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ وہ یونہی چلتا ہوا ولید ہاؤس کے دوسری طرف بیسمنٹ کی طرف چلتا چلا گیا۔ اندر گہری خاموشی اور اندھیرا تھا' سوئچ بورڈ اس کا باہر تھا' باہر سے دروازہ بند تھا وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیسمنٹ کی جانب آیا بند دروازے کو اس نے باہر سے کھولا جونہی اس نے سیل سے روشنی کی۔

(جاری ہے)

مکمل ناول

تیری خوشبو نہیں ملتی

عابدہ سبین

آخری حصہ

یہ حقیقت ہی تو تھی کہ اس کا من نہیں لگتا تھا یہاں' بس چلتا تو کب کا واپس چلا جاتا مگر مجبوری تھی کل کانفرنس تھی اور اس کے بعد ہی وہ واپس جا سکتا تھا' صبح طلحہ نے بھی فون کیا تھا اور پہلا سوال یہ ہی کیا تھا۔



''لب آئے گا......؟ تجھے پتہ ہے ناں تیرے بنا رہنے کی عادت نہیں مجھے' میرا دل نہیں لگ رہا' گھر آنے کو دل نہیں چاہتا''۔

''مجھے کب عادت ہے' تو اتنا یاد آ رہا ہے......؟ بھلا ہم کبھی اتنے دن کے لئے دور ہوئے بھی نہیں''۔ اس نے سچائی سے اعتراف کیا۔

''سچ بتا میں ہی یاد آ رہا ہوں یا کوئی اور......؟'' اس نے چھیڑتے ہوئے کہا تو حارش زور سے ہنس پڑا۔

''بڑا کمینہ ہے تو......اب یوں مجھے طعنے دے دے کر مارے گا' حالانکہ میں نے کبھی تجھ سے گلہ کیا حنا کے حوالے سے''۔

''کر لینا...... مجھے کیا فرق پڑنا تھا' تجھے پتہ ہے کہ میری زندگی میں پہلے تو ہے پھر کوئی اور......'' طلحہ کی بات پر وہ صد فیصد یقین کرتا تھا۔

''پھر تو نے کیسے سوچ لیا کہ تجھ سے زیادہ میں کسی اور کو یاد کروں گا''۔

''اس لئے مائی ڈیئر حارش عالم کہ میرے ساتھ اتنے عرصے رہنے کے باوجود بھی کبھی تجھے اتنا خوش نہیں دیکھا نہ



ہنستے پایا جتنا کہ جناب اب دانتوں کی نمائش کرتے ہیں“۔

”طلحہ! تم جل رہے ہو ناں“۔

”اللہ نہ کرے...... میری تو روح مسرور ہوتی ہے تجھے اتنا خوش دیکھ کر‘ جو میں اتنے سالوں میں نہ کر سکا حرمین نے چند دنوں میں کر دیا اور میں جیلس کس سے ہوں گا وہ میری بہن ہے“۔

”اچھا بابا سوری...... کان پکڑوں“۔

”چل دفع کر‘ اسلام آباد کے لوگ کیا سوچیں گے اتنا ڈیسنٹ بندہ کان پکڑے کھڑا ہے‘ تجھے ایک بات بتانی تھی صبر نہیں ہو رہا‘ بس تو جلدی سے آ جا“۔

”تو بتا ناں یار......“

”اوں ہوں...... یہاں آ کے بتانے پر جو مزہ ہے ناں وہ فون پر نہیں“۔

”اچھا...... پھر دو دن اور صبر کر لے“۔

”کیا یار...... ؟ حارث تین دن تو ہو گئے ہیں اور ابھی مزید دو دن اور...... یار مجھے نیند نہیں آتی اکیلے“۔

”میں یہاں خوشی سے نہیں رہ رہا ہوں مجبوری ہے“۔

”او کے اپنا خیال رکھنا‘ مجھے آفس جانا ہے اللہ حافظ“۔

”اللہ حافظ“۔



دادی نے فرمان انکل سے بات کی ہو گی تبھی صبح اسے میسیج ملا تھا کہ آفس سے واپسی پر سیدھے گھر آنا اور اس نے عمل بھی کیا تھا‘ وہ ہی بات تھی‘ وہ خوش تھا‘ بالکل اپنے ماں باپ کی طرح وہ فکر مند تھے ان کے لئے یہ احساس تک نہ تھا کہ وہ دنیا میں تنہا ہے۔

”حارث آ جائے گا‘ تو ہم باقاعدہ لڑکی والوں کے گھر رشتہ لے جائیں گے‘ لیکن بیٹا تم اچھی طرح جانتے ہو ناں لڑکی کو دراصل آج کل جو حالات ہیں فکر تو رہتی ہے ناں‘ تم ہمارے بچے ہو تمہیں فیصلے کا حق ہے لیکن اچھا برا جاننا ہمارا فرض ہے“۔

”بابا لوگ بھی اچھے ہیں اور لڑکی بھی‘ ہم مل چکے ہیں دراصل جاب کرنا اس کی ضرورت ہے ان کے والد حیات نہیں ہیں‘ اکیلی ماں ہے اور ایک چھوٹا بھائی“۔ کاشف نے اس کی یہ مشکل بھی آسان کر دی‘ اس نے مشکور نظروں سے اسے دیکھا۔

”مجھے خوشی ہے طلحہ! تم بہت اچھی سوچ رکھتے ہو“۔

”اماں! میں چاہتا ہوں کہ احسان کو بھی جواب دے دوں وہ اتنے دن سے کہہ رہا ہے‘ موقع تو ہے طلحہ کی منگنی کے ساتھ حرمین کی رسم بھی ادا ہو جائے گی“۔ ان کی بات پر جہاں طلحہ کی سوچوں کا رخ مڑا‘ حرمین بھی فق چہرہ لئے اٹھ گئی‘ اس کے دل میں عجیب سی لہر اٹھی تھی۔

”حرمین کی رسم......؟“

”جی بیٹا! احسان نے حرمین کے لئے کئی سال پہلے سے مانگا تھا اور اب تو وہ مسلسل بضد ہے‘ عثمان ماشاء اللہ اب سیٹل ہو گیا ہے‘ اچھی جاب ہے ہونہار بچہ ہے‘ حرمین کا بھی یہ آخری سال ہے‘ میں سوچ رہا تھا کہ اب حرمین کی بھی رسم باقاعدہ کروں تا کہ میرے بھائی کو گلہ نہ رہے“۔ کتنے جتن کی بات تھی ناں......؟ وہ اخلاقاً بھی مسکرا نہ سکا بلکہ جی

بہتر کہتا وہاں سے اٹھ گیا‘ اور جب رات میں حرمین دادی کے لئے چائے دینے آئی تو وہ خود پر قابو نہ پا سکا۔

”حرمین! تم سب جانتی تھیں‘ پھر تم نے ایسا کیوں کیا......؟“ اور وہ جو پہلے ہی رو رو کے بے حال تھی پھر سے رو پڑی۔

”ہاں میں جانتی تھی اور میں نے کوشش بھی کی تھی کہ حارث عالم کو سچ بتا دوں لیکن بھیا! میں ایسا نہ کر سکی‘ وہ جب کھل کر ہنستا تھا اتنا خوش رہنے لگا تو میرا دل نہ مانا کہ میں اس سے یہ خوشی چھینوں‘ مجھ میں ہمت نہ ہوئی اور اسے حقیقت بتانے کا سوچ کر میں خود بھی اس کی راہوں کی ہمسفر ہو گئی‘ سب کچھ جانتے ہوئے بھی میں اس کی آنکھوں کی سچائی سے ہار بیٹھی‘ میں کیا کرتی بھیا......؟ بھلا محبت پر کبھی کسی کا اختیار رہا ہے“۔ اس نے طلحہ کی طرف چہرہ کیا تو وہ بھی نظریں چرا گیا حرمین کے چہرے کے آنسو گواہ تھے کہ وہ کیا چاہتی ہے۔

”مجھے فیصلے کا تو اختیار نہیں طلحہ بھیا! پر میں حارث عالم کو کبھی نہیں بھول سکتی‘ جتنا محبت کے سفر میں وہ آگے بڑھ گیا ہے اتنا ہی سفر میں بھی طے کر چکی ہوں کیا آپ میری اور اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے......؟“ کتنی امیدیں تھیں آس تھی اسے۔

”ابھی تو وقت ہے ناں پلیز طلحہ بھیا!“ اس نے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑے تو وہ خود کو بہت بے بس محسوس کرنے لگا۔

”حرمین! میں نے زندگی میں حارث کو کبھی اس طرح کھل کر ہنستے نہیں دیکھا اتنا خوش بھی وہ کبھی نہیں رہا اور اب مجھے ڈر ہے کہ اگر کچھ غلط ہو گیا تو عمر بھر کے لئے وہ بکھر جائے گا حرمین! تمہاری محبت میں اس نے سارے جہاں کی خوشیاں دیکھی ہیں اسے تو کوئی اور خوشی نظر ہی نہیں آتی سوائے تمہارے‘ میں اسے ٹوٹتا بکھرتا نہیں دیکھ سکتا“۔

”آپ دادی سے بات کریں ناں بھیا! دادی حارث عالم کی خوشی کے لئے ہر قدم اٹھا سکتی ہیں‘ حارث کی خواہش پوری کر سکتی ہیں‘ صرف وہ ہی بابا اور چاچو سے کہہ سکتی ہیں“۔ ایک آخری امید بس دادی ہی تو تھیں اس کی۔ طلحہ نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے۔

”جتنا میرے بس میں ہوا ناں بہنا! میں کوشش کروں گا کیونکہ حارث کی خوشی مجھے اپنی خوشیوں سے بڑھ کر عزیز ہے‘ تم پلیز رومت‘ انشاء اللہ اچھا ہو گا“۔ اس نے بکھرتی ہوئی حرمین کو تسلی دی‘ حالانکہ خود اس کے اپنے دل کو ایک لمحے کا سکون نہ تھا۔



وہ ابھی آفس سے آیا تھا صحن میں حارث کو لیٹا دیکھ کر اس کے پاس آ گیا۔

”کب آیا تو......؟“ حارث اس کے بولنے پر اٹھ بیٹھا‘ طلحہ اس سے یوں لپٹ گیا جیسے صدیوں سے بچھڑا ہو۔

”تجھے پتہ ہے میں کتنا اداس ہو گیا تھا“۔

”مجھے نہیں علم ہو گا تو کسے ہو گا......؟ چل اب آ گیا ہوں ناں“۔ حارث نے اسے خود سے الگ کیا‘ طلحہ کی آنکھوں کی سطح نم تھی۔

”طلحہ کم آن یار! تو‘ تو یوں بی ہیو کر رہا ہے جیسے میں دنیا سے چلا گیا۔

”بک نہیں“۔ اس نے حارث کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”اچھا جا کے فریش ہو جا پھر باتیں کریں گے“۔ طلحہ سر ہلا کے اندر چلا گیا جب فریش ہو کے لوٹا تو چائے اس کے سامنے حاضر تھی۔

"تونے بنائی ہے......؟"

"ہاں......کیوں......؟" حارث نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں ویسے ہی پوچھا تھا' حرمین بناتی ہے ناں"۔

"دراصل میں نے سوچا کہ عادت ڈال لوں' پہلے ہی میں اپنی عادتیں بہت بگاڑ چکا ہوں' مجھے خود کو دوسروں کا عادی نہیں بنانا چاہئے تھا"۔ وہ خود کو بہت مضبوطی سے سنبھال کے بولا تھا البتہ وہ طلحہ سے نظریں نہیں ملا رہا تھا' ہاتھ میں تھامے کپ کو گھور رہا تھا۔

"حارث! تو ایسے کیوں کہہ رہا ہے"۔ اس کی آواز میں لرزش واضح تھی۔

"کیونکہ طلحہ! میں حقیقت پسند انسان ہوں یہ بات تو اچھی طرح جانتا تھا کہ میں نے کبھی کسی کے آسرے پر زندگی نہیں گزاری' میرا ایمان ہے انسان اتنا ہی زندگی میں پاتا ہے جتنا اس کے رب نے اس کی زندگی میں لکھا ہوتا ہے زیادہ کی طلب نہیں ہے مجھے' غلطی میری تھی میں نصیب سے بڑھ کر خدا سے مانگ رہا تھا' حالانکہ اس رب نے میرا نصیب لکھ دیا تھا' سو میری قسمت میں جو ہے وہی مجھے ملے گا"۔

"تجھے کس نے بتایا؟"

"کل شام بابا نے فون کیا تھا جلد لوٹ آؤں' تیرا رشتہ بھی تو لے کر جانا ہے حنا کے گھر"۔ اس کی بات پر وہ مسکرایا بھی نہیں تھا۔

"حارث! دادی سے......"

"طلحہ! تو میرا دوست ہے ناں...... مجھ سے وعدہ کر کہ آج کے بعد ہم اب اس ٹاپک پر بات نہیں کریں گے بھول جائیں گے کہ کبھی یہ دن ہماری زندگی میں آئے تھے وعدہ کر کہ بھول کر بھی مجھ سے یہ ذکر دوبارہ نہیں کرے گا"۔ اس کا مضبوط لہجہ طلحہ کو توڑ رہا تھا وہ خود کو کتنا بھی کمپوز کرے وہ جانتا تھا کہ اس کے اندر کتنی توڑ پھوڑ ہے' جس کی ہستی بکھر جائے بھلا وہ کیسے......

"وعدہ کر......" اس نے ہاتھ طلحہ کے سامنے پھیلاتے ہوئے اسے دیکھا اس کی آنکھیں ضبط کی شدت سے سرخ ہو رہی تھیں' طلحہ نے دو پل صرف دو پل اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا' تبھی وہ ضبط کے سارے قفل توڑ بیٹھا اور طلحہ سے لپٹ گیا۔



وہ اور طلحہ باہر چلے گئے رات گئے لوٹے تھے' اب تک وہ کسی سے بھی نہیں ملا تھا تبھی صبح ہوتے ہی دادی آ گئیں' اسے خوب پیار کیا پھر بابا آئے تھے ملنے' انہیں آفس جانا تھا سو جلد چلے گئے' کاشف بھی ہیلو ہائے کر گیا تھا۔

"ناشتہ ادھر بن گیا تمہارا' نہا دھو لو میں انتظار کر رہی ہوں"۔ دادی نے حکم دیا۔

"دادی! دل نہیں چاہ رہا"۔ وہ کسلمندی سے لیٹا ہوا تھا۔

"تیری طبیعت تو اچھی ہے ناں......؟ دکھ ذرا آنکھیں کیسے سرخ ہو رہی ہیں"۔ انہیں فکر ہوئی طلحہ ابھی نہا کر آیا تھا دادی کی بات سن کر اسے دیکھنے لگا۔

"میں ٹھیک ہوں دادی! یہ طلحہ ہے ناں رات بھر باتیں کرتا رہا جیسے میں برسوں سے بچھڑا ہوا تھا' نیند پوری نہیں ہوئی ناں اس سے سستی ہو رہی ہے"۔ کتنا پرفیکٹ عذر تراشا تھا' طلحہ کی سانسیں بھی بحال ہو گئیں۔

"دادی آج میں نے خود ناشتہ بنایا ہے آپ بھی ہمارے ساتھ ناشتہ کریں ناں"۔

"آئے ہائے تجھے کیا پڑی تھی کچن میں گھسنے کی' حرمین ابھی لے آتی ہو گی ناشتہ' میں نے بچی کو صبح سے لگایا ہوا ہے کہ حارث کے لئے اچھا سا کچھ بنا دے' کئی دن کے بعد گھر آیا ہے"۔ انہوں نے طلحہ کو ڈانٹا' حارث اٹھ کر واش روم جا چکا تھا' نہا کر آیا تو ناشتہ ٹیبل پر لگاتی حرمین پر نظر رکی تھی' کملایا چہرہ' سوجی آنکھیں' اس کا چہرہ کھلتا ہوا ہرگز نہیں تھا' حارث کے اندر پھر توڑ پھوڑ ہونے لگی تھی' لیکن اس نے کمزور نہیں پڑنا تھا اسے حرمین سے کوئی شکوہ نہیں تھا سوائے اس کے اگر وہ جانتی تھی پہلے سے تو اس سے کہہ دیتی کم از کم وہ خود کو کنٹرول کر لیتا' لیکن اس نے تو اپنی ہر خوشی اس سے وابستہ کر لی تھی' اس سے محبت کے بعد تو ہنسنا بولنا سیکھا تھا اس نے اور اب پھر...... وہ خاموشی سے ٹیبل تک آیا تھا۔ حرمین نے ایک نظر اس پر ڈالی اور کسی کام کے بہانے باہر چلی گئی' اس میں حارث عالم کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

"کل تمہاری چھٹی ہے کل حنا کے گھر جانا ہے' تیرے بابا نے کہا ہے"۔

"جی دادی! بابا نے مجھے بتا دیا تھا"۔ وہ ناشتہ کرتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

"احسان چاچو بھی جائیں گے......؟"

"مشکل ہے وہ تو لاہور گیا ہوا ہے' عثمان بھی شہر سے باہر ہے' شاید ہی کوئی آئے' خیر ابھی رشتہ تو ڈال آئیں اللہ نے چاہا تو منگنی کرنے سب جائیں گے"۔

"انشاءاللہ"۔ اس نے تہہ دل سے کہا طلحہ ہولے سے مسکرا دیا۔

"بابا نے تو کچھ اور بھی کہا تھا دادی"۔ وہ کہہ نہیں پا رہا تھا۔

"کیا......وہ حرمین والی بات"۔

"جی ہاں"۔

"ہاں وہ فرمان کی خواہش تھی کہ طلحہ کے ساتھ ہی حرمین کا نکاح کر دیتے' مگر اب احسان اور عثمان کے آنے کے بعد ہی بات کروں گی ان سے"۔

"اچھا دادی! میں چلتا ہوں' دیر ہو رہی ہے شام میں آپ کے پاس بیٹھ کر باتیں کروں گا"۔

"جیتے رہو' صدا خوش رہو"۔ انہوں نے دعاؤں میں اسے رخصت کیا' طلحہ بھی اس کے ساتھ ہی نکل آیا۔

"حارث! دادی سے بات کروں......؟" اس کی بات کے جواب میں حارث نے غصے سے گھورا تھا اسے۔

"طلحہ! ہم یہ ٹاپک کلوز کر چکے ہیں ناں"۔

"تو جی لے گا اس کی محبت کے بنا......؟"

"ساری عمر میں نے محبتوں کے بناء ہی گزاری ہے ایک یہ ہی رشتہ باقی رہ گیا تھا ناں' یہ محبت بھی کر کے دیکھ لی ہے' طلحہ تجھے اب بھی اندازہ نہیں ہوا کہ میری قسمت میں محبت ہے ہی نہیں' میرا وجود صرف ٹھکرانے اور ٹھیس دینے کے لئے ہے' تو کیوں چاہتا ہے کہ میں اپنی عزت نفس بھی مجروح کروں' مجھے کسی سے کوئی امید نہیں ہے پلیز اور میں نہیں چاہتا اب کسی اور رشتے کو امتحان میں ڈالوں اور جو بچے کچے رشتے ہیں انہیں بھی کھو دوں"۔ طلحہ اس کے جواب میں کچھ نہ بول سکا' مگر سچ تو یہ تھا کہ اس سے حرمین کا اترا چہرہ اور بکھرا وجود بھی نہیں دیکھا جاتا تھا۔

"مجھ سے حرمین کا چہرہ اور اداسی نہیں دیکھی جاتی حارث......؟"

"قصور بھی تو اسی کا ہے طلحہ اس نے تو میرے وجود کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں کاش مجھے پہلے سے سب پتہ ہوتا' وہ تو جانتی تھی' جانتے بوجھتے بھی اس نے نہ صرف یہ نہیں کہ مجھے منع کرتی خود بھی"۔

''محبت پر بھلا کبھی کسی کا اختیار ہوتا ہے حارث''۔

''اب کسی بھی بات کا کوئی فائدہ نہیں ہے''۔ پتہ نہیں وہ خود کو کیسے اتنا سخت بنالیتا تھا' طلحہ اسے دیکھتا رہ جاتا تھا

☆

بابا اور دادی کو حنا اور اس کی فیملی اچھی لگی تھی شریف اور سلجھے ہوئے بچے بھی دونوں پڑھے لکھے تہذیب یافتہ باادب تھے' انہیں طلحہ کی پسند پر بہت خوشی ہوئی تھی اور انہیں بات کرنا بھی مشکل نہ ہوا تھا' حنا کی ماں اور بھائی ہی کی کل کائنات تھے اور طلحہ کو وہ لوگ جانتے تھے کیونکہ طلحہ کئی بار ان سے ملنے آچکا تھا' یوں جلد ہی طلحہ کی منگنی طے پا گئی تھی' اب بابا چاہتے تھے کہ طلحہ کی منگنی کے ساتھ ہی حرمین کا نکاح بھی ہوجاتا' رخصتی حرمین کے پیپرز کے بعد ہوجاتی

''اماں! آپ احسان سے پوچھ لیتیں ناکہ پھر ہم تیاری کرلیتے''۔

''میں تو کہتی ہوں کچھ دیر ٹھہر جاتا' طلحہ کی اگلے ماہ تاریخ لیں گے تب ہی حرمین کا نکاح ہوجائے گا' دو تین ماہ میں کیا ہوجائے گا''۔ کہہ تو اماں بھی ٹھیک رہی تھیں اس لئے وہ بھی چپ کر گئے۔

''ایک بات کہوں فرمان......'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔

''جی اماں! حکم کریں''۔

''اللہ پاک نے تجھے فرماں بردار اولاد عطا کی ہے جو تم فیصلہ کردو' وہ چپ چاپ مان لیتے ہیں' میں احسان سے بات بھی کرلوں لیکن کیا ایک بار بھی تجھے نہیں لگا کہ حرمین سے پوچھنا چاہئے......؟ تین چار سال پہلے وہ ناسمجھ تھی زیادہ شعور نہیں تھا لیکن فرمان! اب مجھے لگتا ہے کہ ایک بار ہمیں بچی سے پوچھنا چاہئے' جانے کیوں مجھے محسوس ہوتا ہے کہ جس دن سے یہ ذکر ہو رہا ہے وہ بہت چپ چپ رہنے لگی ہے مرجھا سی گئی ہے''۔

''اماں! ٹھیک کہہ رہی ہیں فرمان! شرم جھجک بے شک لڑکی میں ہوتی ہے مگر حرمین کے چہرے پر صرف مایوسی اداسی سی نظر آتی ہے میں اس کی ماں ہوں' مجھے بھی کچھ محسوس ہوتا ہے آخر''۔ عالیہ بیگم نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''پر اماں! اب اگر خدانخواستہ حرمین خوش نہ ہوئی تو میں احسان کو انکار کیسے کروں گا' مجھے اپنے بچوں پر یقین ہے ایسی بات نہیں ہوگی''۔

''لیکن پھر بھی اماں! آپ حرمین سے پوچھیئے گا' کیونکہ مجھ سے یا فرمان سے زیادہ بچے آپ کے قریب ہیں آپ سے ہر بات کرلیتے ہیں' دل کو تسلی ہوجائے گی''۔ عالیہ بیگم بولیں' فرمان عالم نے بھی اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''اسی لئے تو کہہ رہی ہوں ابھی چپ ہوجاؤ' میں دھیرے دھیرے اس سے پوچھوں گی' طلحہ کی منگنی اسے خوشی سے انجوائے کرنے دو''۔

''جو آپ بہتر سمجھیں' لیکن پھر بھی صبح چلئے گا آخر منگنی کے لئے تو ان سب کو بلانا ہے ناں''۔

''کیوں نہیں اور ہاں! حارث کو بھی کہہ دینا' وہ تو جاتا ہی نہیں کہیں بھلا وہ بھی تو اس کا اپنا گھر ہے احسان اکثر مجھ سے گلہ کرتا ہے کہ حارث ان کی طرف نہیں آتا''۔

''جی اماں! ضرور کہہ دوں گا''۔ انہوں نے فرماں برداری سے جواب دیا۔

☆

دادی اور فرمان عالم کے ساتھ اسے دیکھ کر احسان چاچو بہت خوش ہوگئے تھے کتنے عرصے بعد آیا تھا آج عمیر عثمان نے بھی گلہ کیا تھا۔

''تم لوگ بھی تو کتنے دن سے نہیں آئے مجھ سے شکوہ کررہے ہو''۔

''بٹ حارث! ہم پھر بھی تم سے ملنے آجاتے ہیں تم تو بالکل بھی نہیں آتے' اپنا نہیں ناں سمجھتے ہمیں''۔ فریال کے گلے پر وہ ہنس دیا۔

''اچھا...... کان پکڑوں یا مرغا بن جاؤ''۔ وہ شرارت سے بولا تو تینوں ہنس دیئے۔

''آج میرا بیٹا بڑا خوش ہے''۔ پیار تو بابا بھی بہت کرتے تھے اسے' مگر احسان چاچو جس طرح اسے چاہتے تھے شاید وہ بابا سے بھی زیادہ اسے پیار کرتے تھے' جب تک وہ ان کی نظروں کے سامنے ہوتا تھا وہ صرف اسے ہی دیکھتے۔

''طلحہ کی خوشی ہے' چاچو بھلا میں خوش نہیں ہوں گا تو اور کون ہوگا''۔ طلحہ کی خوشی کے لئے اس نے اپنا دل کسی نہاں خانے میں ڈال کر قفل لگالیا تھا تاکہ طلحہ کی خوشی مدھم نہ پڑے۔

''چاچو! آپ سب نے آنا ہے کل ہی''۔

''کل پھر مجھ سے تو ابھی معذرت لے لو یار''۔ عثمان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''میں پرسوں ہی آؤں گا' سوری ان فیکٹ آج کل میں بہت مصروف ہوں''۔

''عثمان پولیس آفیسر کتنے مصروف ہوتے ہیں میں جانتا ہوں''۔

''اچھا یعنی تو اپنے بھائی......کو ایسا پولیس آفیسر سمجھتا ہے''۔ اس نے مصنوعی خفگی سے کہا وہ مسکرادیا۔ اسے عثمان سے بالکل بھی جیلسی نہیں تھی' وہ تو صرف اپنے مقدر سے شکوہ کرتا تھا۔

''مذاق کررہا تھا بھائی جان! سوری......'' اس نے بھی اسی کے انداز میں کہا۔

''اچھا......باقی سب تو آئیں گے ناں......؟''

''ڈونٹ وری سب آئیں گے انشاءاللہ''۔ عثمان نے اسے یقین دلایا وہ مسکرادیا۔ اگلے دن صبح ہی فریال اور عمیر پہنچ گئے تھے چچی جان کے ساتھ۔ ان کے آنے سے گھر کی رونق بہت بڑھ گئی تھی' کل کی تیاری کے ساتھ ساتھ مذاق ہنگامہ بھی ہورہا تھا' طلحہ نے آج آفس سے چھٹی کی تھی مگر وہ گیا تھا' طلحہ جانتا تھا سارا دن گھر میں رہنا وہ بھی حرمین کے سامنے اس کے بس کی بات نہیں تھی' شام میں البتہ وہ آیا تو سب کو ادھر جمع دیکھ کر دل شانت ہوگیا۔

''دیکھ لیا تم نے ہم وعدہ کرکے نبھاتے ہیں صبح ہی آگئے تھے''۔ فریال کی آنکھوں کی چمک اسے دیکھ کر بڑھی تھی یا شاید حرمین کو محسوس ہوئی تھی۔

''تھینکس سسٹر......'' اس نے مسکرا کر کہا اور فریش ہونے چلا گیا۔

''حارث بالکل سلطان چاچو کی طرح ہے ناں نرمین ویری ہینڈسم اینڈ چارمنگ''۔ وہ مزاج کی ایسی تھی ہر چیز کی کھل کر تعریف کرنے والی۔

''سو تو ہے ہمارے بھیا بہت پیارے ہیں' فریال! حارث بھیا تم سے بڑے ہیں ناں' تو تم انہیں بھائی کیوں نہیں کہتیں''۔ نرمین نے کہا تو وہ منہ کے زاویئے بگاڑنے لگی۔

''ضروری ہے کیا......؟ تم دونوں ہوناں بھائی کہنے کے لئے' میرا نہیں دل چاہتا میں نہیں کہتی''۔

''فریال......''

''بس بھئی نرمین! تم بحث کیوں کررہی ہو فریال کو جو پسند ہے وہ کہہ دیتی ہے''۔ حرمین نے سہولت سے کہا تو نرمین بھی خاموش ہوگئی دادی ان سے دور بیٹھی تھیں' مگر وہ ان کی آوازیں سن رہی تھیں۔ ان کی خواہش بھی تھی کہ حارث کے لئے گھر میں سے ہی کوئی لڑکی مل جائے پھر فریال کی پسند بھی تھی شاید' لیکن سب سے اہم حارث کی خوشی تھی' حارث فریش ہوکر ان کے پاس آیا تھا اور ان کی گود میں لیٹ گیا۔

''آج تھک گیا ہوں دادی! سر بھی دکھ رہا ہے بہت''۔

''چائے بنواتی ہوں تیرے لئے' سر درد ٹھیک ہو جائے گا''۔ انہوں نے پیار سے اس کے سر میں ہاتھ پھیرا او حرمین کو چائے کے لئے کہنے لگیں' وہ بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں جس سے بہت سکون مل رہا تھا۔

''حارش! تو کب کرے گا شادی......؟ میری بھی خواہش ہے کہ تجھے ہنستا بستا دیکھوں''۔

''دادی! ہنسنے کے لئے شادی ضروری ہے کیا......؟'' اس نے شرارت سے مسکراتے ہوئے دادی کو دیکھا۔

''حارش! مذاق مت کر دیکھ طلحہ کی شادی کی تاریخ جب لیں گے تب تک تیرے پاس ٹائم ہے بس' دونوں کی ساتھ ہی کر دیں گے''۔

''کیوں آپ کو میری سکھی زندگی پسند نہیں ہے دادی دراصل ابھی میں اس جھنجھٹ میں پڑنا نہیں چاہتا اور ویسے بھی طلحہ نے تو لڑکی پسند کر رکھی تھی میں......''

''حارش! ایک بات کہوں......؟ مانے گا ناں......''

''کیا دادی......؟''

''اگر میں خاندان میں سے تیرے لئے کوئی دیکھ لوں' کیا تو میری پسند سے شادی کرے گا''۔

''خیریت ہے ناں......؟ آپ نے کوئی لڑکی پسند کر لی ہے کیا......؟'' وہ دادی کی باتوں کو محض مذاق سمجھ رہا تھا۔

''یہی سمجھ لے فریال مجھے تیرے لئے بہت......''

''دادی......'' وہ اٹھ بیٹھا' وہ صرف مذاق سمجھ کر ایزی لے رہا تھا' لیکن دادی تو کچھ اور ہی سوچے بیٹھی تھیں۔

''سوری دادی! وہ میری بہن ہے پلیز دوبارہ ایسا مت کہئے گا''۔

''خاندان میں......''

''خاندان صرف فریال پر ختم ہو جاتا ہے جب میں خاندان سے پسند......'' یکدم ہی جیسے اسے بریک لگ گئی وہ کیا کہنے جا رہا تھا۔

''او گاڈ......'' اس نے سر تھام لیا تبھی حرمین اس کے لئے چائے لے آئی۔

''سوری دادی! لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا''۔ وہ چائے بنا پئے ہی باہر نکل گیا' دادی چپ ہو گئیں لیکن وہ کیا بات کہہ رہا تھا' جو اس نے ادھوری چھوڑی' وہ الجھ گئی تھیں' اندازہ تو حارش کو بھی تھا کہ اس نے غلط بات کہہ دی ہے اور رات کو وہ طلحہ سے یہ ہی کہہ رہا تھا۔

''پھر دادی نے تفصیل نہیں پوچھی......؟''

''نہیں...... بٹ یار! مجھے کم از کم خود پر اتنا کنٹرول ہونا چاہئے تھا ناں...... طلحہ! میری زندگی کے وہ چند دن شاید میرے لئے عمر بھر کا روگ بن گئے ہیں لیکن یار! میں ساری زندگی میں شاید کبھی اتنا خوش نہ رہ سکوں جتنا ان چند دنوں میں' میں نے خوشی دیکھی طلحہ! کیا میری قسمت میں خوشی ہے ہی نہیں......؟''

''حارش تو اس طرح مت سوچا کر''۔ اس کے پاس حارش کو تسلی دینے کے لئے بھی لفظ نہیں تھے۔

''طلحہ! آئی رئیلی لو ہر...... آئی ڈونٹ نو کہ اس کے دل میں بھی میرے لئے اتنے ہی شدید جذبات ہیں یا نہیں......؟ مجھے شدید خواہش تھی کہ میں اپنی محبت کے اعتراف میں اس کے لبوں سے صرف ہاں سنوں' مگر اب جبکہ یہ خواہش بھی میرے اختیار میں نہیں ہے لیکن وہ میرے سامنے آئی تھی طلحہ! تو مجھے خود پر اپنے جذبات پر کنٹرول کرنا مشکل ہو جاتا ہے' طلحہ! ہم اپنے پرانے گھر میں واپس چلیں' وہاں کم از کم یوں مجھے دن رات یہ اذیت تو نہیں

سہنی پڑے گی' ہو سکتا ہے وہ سامنے نہ ہو تو اسے بھولنا آسان ہو جائے' طلحہ! میں بہت کوشش کرتا ہوں کہ وہ تمام لمحے میرے ذہن سے محو ہو جائیں' مگر میں ناکام ہو گیا ہوں''۔ اس لمحے کوئی حارش عالم کو دیکھتا جو سب کے سامنے خود کو فولاد سا ظاہر کرتا ہے کس قدر بکھرا ہوا تھا' کہ اس کے عزیز دوست کو بھی وہ لفظ نہیں مل رہے تھے کہ جن سے وہ اسے تسلی ہی دے دیتا۔



طلحہ کی منگنی بہت دھوم سے ہوئی تھی اور سب نے انجوائے کیا تھا' حارش کو دیکھ کر طلحہ کو اپنی خوشی بھی اچھی نہیں لگتی تھی' مگر حارش ان دو دنوں میں بہت مصروف رہا اور بظاہر وہ بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔ آفٹر آل طلحہ کی خوشی اس کے لئے بہت اہم تھی۔ احسان چاچو اور عثمان بھی ان کے گھر دو دن رہے تھے' اسے یہ سب بہت اچھا لگا تھا۔ دو دن بہت مزے میں گزرے تھے لیکن اگلے دن سب چلے گئے اور گھر میں پھر وہ ہی خاموشی چھا گئی۔ احسان چاچو دادی کو بھی لے گئے تھے' اب اسے دادی کی عادت سی ہو گئی تھی۔ شام میں گھر لوٹا تو دادی بیٹھی ہوتی تھیں' آج نہیں تھیں' دل نہ لگا تو بابا کی طرف آ گیا۔ وہاں سب اکٹھے بیٹھے تھے۔ وہ بھی کاشف کے پاس بیٹھ گیا۔

''کیا ہوا......؟ بڑا اداس لگ رہا ہے......؟''

''دادی! نہ ہوں تو گھر میں دل نہیں لگتا''۔

''اچھا ہوا تم آ گئے' ہم ڈسکس کر رہے تھے کہ طلحہ کی تاریخ کب تک لیں' ظاہر ہے انہیں تو ہم نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ دو تین ماہ میں شادی کر دیں گے''۔

''یہ تو بابا آپ کا کام ہے آپ کی جب مرضی ہو''۔

''بیٹا! میں نے سنا ہے کہ آپ دوبارہ اسی گھر میں شفٹ ہونے کا سوچ رہے ہو''۔ ان کی بات پر وہ خاموشی سے سر جھکا گیا۔

''حارش! کوئی پریشانی ہے یا کوئی اور مسئلہ ہے تم ہم سے شیئر کرو بیٹا! حل نکال لیں گے' یہ تو کوئی حل نہیں ہے کہ آپ ہمیں چھوڑ کر اتنی دور جائیں' ہم سے کوئی غلطی ہو گئی کیا......؟''

''ارے نہیں بابا! وہ تو بس...... دراصل وہاں مجھے آفس قریب پڑتا ہے' آپ پلیز ایسی باتیں مت سوچیں''۔ ان کی بات پر وہ شرمندہ سا ہو گیا۔ طلحہ کو بھی اس نے خوب ڈانٹا تھا کہ اس نے بابا کے سامنے یہ ذکر بھی کیوں کیا' پچھلے دنوں وہ بہت جذباتی سا ہو گیا تھا مگر اب بابا پھر دادی کے بارے میں سوچا تو اسے یہ فیصلہ غلط لگا اور وہ خاموش ہو گیا۔



دن کس طرح گزرے علم نہ ہوا کہ طلحہ کی شادی بالکل قریب آ گئی' اب جبکہ فرمان چاہتے تھے حرمین کا نکاح بھی ساتھ ہو جائے انہوں نے اپنی ماں سے بات کی تھی اور وہ خود احسان سے بات کرنے کی غرض سے ہی آئی تھیں۔ ان کی بات سن کر کئی لمحے کے لئے تو سب بالکل خاموش سے ہو گئے تھے پھر احسان عالم نے ہی ہمت کی۔

''اماں! مجھے یاد ہے فرمان بھائی سے جو میں نے کہا تھا' ہمیشہ سے میری خواہش رہی ہے کہ حرمین میرے گھر میں آئے اور میں اب بھی یہ ہی کہتا ہوں مگر اماں! عثمان ابھی شادی کے لئے راضی نہیں ہے' کم از کم دو سال تک بس اسی لئے ہم خاموش ہیں''۔

''نکاح تو ہو سکتا ہے ناں......؟''

''دادی! نکاح ہو سکتا ہے مگر صرف سال دو سال کی بات ہے مجھے اپنا کیریئر بنانا ہے آپ لوگ جانتے ہیں

میری جاب ابھی نئی نئی ہے اور مجھے محنت کرنی ہے' صرف اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ میری توجہ میری جاب پر ہو'

''احسان! فرمان سے کیا کہوں پھر......؟'' دادی کو عثمان کا ریزن پسند نہیں آیا تھا۔ سچ یہ تھا کہ وہ دل میں گئی تھیں' ادھر فرمان عالم پوری تیاری سے بیٹھے تھے اور یہاں عثمان نے ایک طرح سے منع ہی کر دیا تھا۔

''اماں! میں فرمان بھائی سے بات کروں گا اور آپ بھی سمجھا دیجئے گا' اب بھلا آج کل کی اولاد کہاں سمجھ ہماری باتیں''۔

''احسان! فرمان کے بچے ہیں' جیسا ان کے والدین نے کہہ دیا بچے ذرا بھی نہیں بولتے''۔

''دادی! آپ خفا کیوں ہو رہی ہیں' میں نے منع تو نہیں کیا ناں''۔ عثمان نے منہ بسورا۔

''جیسے تم لوگوں کی مرضی' مجھے فرمان کی طرف چھوڑ آؤ' حارث تو بولا یا بولایا گھوم رہا ہو گا' وہ مجھے خود سے دور جانے دیتا''۔

''صبح چلی جایئے گا ناں اماں!'' احسان کو اپنی ماں کا علم تھا کہ وہ خفا ہو گئی ہیں۔ وہ کیا کرتے جب بیٹے نے کر دیا تھا۔

''بچے صبح بھی جانا ہے اب بھی' پھر بھی چھوڑ آؤ''۔ انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

''عمیر! بچے ذرا مجھے گھر تو چھوڑ دے''۔ اندر آتے عمیر کو دیکھتے ہی وہ جیسے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''کیوں دادی......؟ آج ہمارے پاس رکیں ناں''۔

''اوہو...... میرا بچہ مجھے یاد کر رہا ہو گا تو مجھے لے چل بس''۔ عمیر نے حیرت سے پہلے دادی کو پھر پپا' مما' عثمان دیکھا جن کے چہروں پر چھائی خاموشی اسے عجیب سی لگی تھی۔ وہ دادی کے حکم پر موٹر سائیکل باہر نکالنے لگا۔

☆

طلحہ کی شادی بالکل سر پر تھی گھر میں سب انجوائے کر رہے تھے بہت خوشی سے۔ کارڈ تقریباً ہر جگہ تقسیم ہو چکے کیونکہ یہ ذمہ داری کاشف کے سر تھی۔

''سوچ لو طلحہ! اگر اور کسی کو بلانا ہو تو......'' آج شام جب اکٹھے بیٹھے سب تو کاشف نے کہا۔

''ورنہ پھر اپنے دوستوں کی طرف گیا تو کارڈز نہیں بچیں گے''۔

''حارث! تم نے کسی کو بلانا ہے......؟'' طلحہ نے اسے دیکھا جو بہت خاموشی سے بیٹھا تھا۔

''نہیں...... یو نو...... تمہارے علاوہ میں کسی کو نہیں جانتا اور ویسے بھی جہت زیادہ دوست بنانا میری ہو نہیں ہے''۔

''سوچ لے...... ایک بار پھر''۔ گہری پر سوچ نظریں جب طلحہ کی بات پر اٹھیں تو طلحہ نے ابرو اچکا دیں۔ سر جھٹک گیا۔

''بابا! میں کسی کو بلانا چاہتا ہوں' اگر آپ لوگوں کو اعتراض نہ ہو تو''۔ طلحہ کی بات پر تقریباً سب ہی حیران ہوئے تھے۔

''بیٹا! ہمیں کیوں اعتراض ہو گا' آپ کے مہمان ہمارے مہمان' ہمیں تو خوشی ہو گی''۔

''حارث! تجھے تو اعتراض نہیں ہو گا......؟''

''آئی تھنک طلحہ! تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے''۔ اس کے چہرے کا زاویہ قدرے بگڑا تھا۔

''بابا! میں شگفتہ آنٹی کو بلانا چاہتا ہوں' بلکہ میں انہیں یہاں لانا چاہتا ہوں' اپنے گھر میں' تا کہ وہ ہما......''

''ہر گز نہیں......'' وہ یکدم اٹھ کھڑا ہوا۔ چہرے پر آنے والی سختی پر سب حیران تھے۔

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے حارث!'' کتنے حیرت کی بات تھی کہ آج ان دونوں کے درمیان اختلاف تھا' صرف ایک بات کو لے کر جنہوں نے آج تک ہمیشہ ایک دوسرے کی ہر خوشی کا خیال رکھا تھا۔

''پھر ٹھیک ہے...... میں ہی چلا جاتا ہوں' لیکن اس گھر میں ان کے ساتھ رہنا مجھے منظور نہیں ہے''۔ اللہ جانے اس کا دل کیوں اتنا سخت ہو گیا تھا کہ وہ اپنی ماں کے سامنے تک آنے کو تیار نہ تھا۔

''صرف تیری بے کار کی ضد کی وجہ سے میں انہیں اب مزید وہاں نہیں چھوڑ سکتا''۔ طلحہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے مقابل آ گیا' اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

''تم جانتے ہو حارث عالم! تمہاری ماں کیسی زندگی گزار رہی ہے۔ اعظم انکل کے انتقال کے بعد ان کے بچوں اور بہوؤں نے ان کا جینا دوبھر کر دیا تھا' تنگ آ کر وہ اپنے بھائی کے گھر آ گئیں لیکن اپنے ماموں اور ممانیوں کے خوش اخلاق روئیے تو تم بھی دیکھ چکے ہو' اپنے بیٹے کے ہوتے ہوئے وہ دوسروں کے در پر رہ رہی ہیں وہ بھی اتنی بری حالت میں' کل میں نے انہیں دیکھا تو...... میں برداشت نہ کر سکا' کم از کم مجھ سے ان کی اس قدر بری حالت نہیں دیکھی جاتی' سو فیصلہ ہو چکا کہ اب وہ یہاں رہیں گی' میں کل انہیں لے آؤں گا''۔ طلحہ اپنی بات ختم کر کے رکا نہیں تھا۔ وہ بھی خاموشی سے اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

☆

حارث کی ضد اور غصے سے وہ واقف تھا۔ جانتا تھا کہ اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے' مگر وہ اس کی ماں تھیں' ان کی بھی مجبوریاں تھیں' بھائی بھابیاں ان کی شکل دیکھ کر خوش نہ تھیں' دوسرا نکاح اسی لئے کیا تھا' وہ نہیں چاہتیں تھیں کہ خدانخواستہ ان کا دوسری دفعہ پھر...... گھر اجڑے وہ اسی لئے اعظم علی اور ان کے گھر والوں کی ہر بات سہہ لیتیں تھیں۔ حارث کے ساتھ بھی وہ اکثر زیادتی کر جاتی تھیں' مگر ان کا مقصد صرف گھر بسانا تھا۔ وہ چاہتیں تھیں حارث کے لئے بھی گھر میں اور ان کے دلوں میں جگہ بنالیں مگر وہ ناکام رہیں اور اپنے ذرا سے سخت روئیے کی وجہ سے اپنا بیٹا کھو دیا۔ وہ ان سے بددل ہو گیا اور گھر تک چھوڑ گیا' لیکن اب جب ان کا شوہر ہی نہیں رہا تھا تو...... اور بیٹے اور بہوؤں نے ان کا جینا دشوار کر دیا۔ ان بچوں کے لئے انہوں نے ہر تکلیف برداشت کی اور اب انہوں نے ہی گھر سے نکال دیا۔

طلحہ کو جب ساری صورتحال کا علم ہوا تھا اس نے فوراً فیصلہ کر لیا تھا صرف ایک بار وہ حارث کو سمجھانا چاہتا تھا' اس کے دل میں جو بھی تھا وہ ختم کرنا چاہتا تھا' اسی لئے وہ غصہ ختم کر کے رات کو جب گھر آیا تھا تو اس کا پکا ارادہ تھا کہ وہ حارث کے ساتھ پیار سے بات کرے گا' اسے یقین تھا کہ حارث ضرور مان جائے گا۔ لیکن جیسے ہی وہ گھر آیا اور کامن روم میں داخل ہوا تو حیرت سے گنگ رہ گیا' شگفتہ آنٹی بیٹھی تھیں اور حارث عالم ان کی گود میں سر رکھے لیٹا ہوا تھا۔

اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ خواب تھا یا فلم مگر...... جب آنٹی نے اسے پکارا تو وہ......

''طلحہ! آ جاؤ بیٹا...... وہاں کیوں کھڑے ہو''۔ حارث نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا پھر اسی طرح لیٹ گیا وہ ان کے قریب آ گیا۔

''آنٹی! آپ یہاں......''

''حارث لینے گیا تھا مجھے''۔ ایک اور حیرت کا جھٹکا تھا جو طلحہ کو لگا تھا۔

''حارث! تو......''

"ہاں......اس لئے کہ تو نے مجھے کبھی بتایا ہی نہیں تھا کہ مما اتنی تنگ زندگی گزار رہی ہیں، میں لاتعلق تھا کہ مما اپنے گھر میں خوش ہوں گی، مجھے نہیں علم تھا کہ اعظم علی کے بعد ان کے بچے اتنے بدلحاظ ہو جائیں گے کہ اپنی ماں کا وجود بھی نہیں برداشت کریں گے، وہ ماں جنہوں نے ان بچوں کی خاطر اپنی ذات بھی بھلادی تھی"۔ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"حارش! میں جانتی ہوں بچے کہ میں نے تمہارا ساتھ نہیں دیا"۔

"نو مما پلیز......اب پرانی کوئی بات نہیں ہوگی، آپ اب اپنے گھر میں ہیں، یہاں صرف آپ کا حکم چلے گا" اور طلحہ کی شادی کی خوشیاں ہوں گی بس......" وہ پرانی کسی یاد کا ذکر بھی نہیں سننا چاہتا تھا کیونکہ اس کے پرانے زخموں میں تکلیف شروع ہو جاتی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ خوشی کے اس موقع پر ایسا کچھ بھی ہو۔

☆

شگفتہ بیگم کے آنے سے ان کی خوشیاں دوگنی ہو گئی تھیں، حارش کے اس قدم پر سب بہت خوش تھے، خاص کر دادی، جنہوں نے بہت چوما تھا اسے۔

"بیٹا! تو نے جو کیا ہے اس سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی کام نہیں۔ ماں کا سایہ بچے کے لئے گھنی چھاؤں ہے، آئندہ کبھی اپنی ماں کو خود سے دور نہ کرنا سمجھے"۔ جواباً اس نے صرف سر ہلایا تھا۔ طلحہ کو جو ایک کمی سی محسوس ہو رہی تھی اپنی ماں کی شگفتہ آنٹی نے وہ بہت حد تک کم کردی تھی، لیکن پھر جب ابٹن مہندی کی رسم شروع ہوئی اس کی آنکھیں نم ہو گئیں تھیں۔ ظاہر ہے اس وقت میں وہ اپنے ماں باپ دونوں کی کمی شدت سے محسوس کر رہا تھا، حارش اس کا اترا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"طلحہ! اس وقت سارے مہمانوں کی نظریں تجھ پر ہیں اور تو نے شکل پر بارہ بجائے ہوئے ہیں"۔

"حارش! میں نے خود کو بہت سنبھالا ہے یار، مگر ماں باپ تو، ماں باپ ہوتے ہیں، میں لاکھ دھیان بٹالوں، مگر آج ان دنوں جو میری زندگی کے اہم ترین دن ہیں میں انہیں بہت مس کر رہا ہوں"۔

"میں تیری فیلنگ سمجھتا ہوں طلحہ"۔ اس نے کاندھے پر بازو پھیلا کر اسے قریب کیا۔

"مگر ہم انسان بے بس ہیں، جو اس کی رضا، جو ہم سب کا مالک ہے۔ تو ہی تو کہتا ہے، وہ ہمارے لئے ہمیشہ ہم سے بہتر سوچتا ہے، پھر کیوں دکھی ہو رہا ہے، سچ پوچھو تو، پھپھو تو مجھے بھی بہت یاد آرہی ہیں انہوں نے ہمیں پال کر اتنا بڑا کیا، کتنا ارمان تھا انہیں یہ دن دیکھنے کا اور آج جب وہ دن آیا تو پھپھو ہمارے ساتھ نہیں ہیں"۔ حارش نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے افسردہ لہجے میں کہا۔

"پلیز...... آپ طلحہ بھیا کو مزید اداس کر رہے ہیں"۔ اس کی اچانک آواز پر وہ دونوں چونک گئے تھے کہ اس قدر ہنگامہ میں بھی ان پر کسی کی توجہ ہے اور ظاہر ہے وہ صرف حرمین عالم ہی ہو سکتی تھی کہ یہ ہمدردی کا جذبہ محترمہ میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ حارش نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر نگاہیں پلٹ گئیں۔

"بھیا پلیز...... آپ اداس بالکل بھی اچھے نہیں لگتے اور کیا آپ کو ہماری چاہتوں میں کبھی کوئی کمی محسوس ہوئی ہے جو آپ اداس ہو رہے ہیں، اس کا مطلب تو یہ ہوا ناں کہ آپ ہمیں اپنا نہیں سمجھتے"۔ وہ محض طلحہ کو اس احساس سے باہر لانا چاہتی تھی جس کے زیر اثر وہ تھا۔

"حرمین"۔ طلحہ نے اسے دیکھا جو مصنوعی خفگی چہرے پر سجائے کھڑی تھی۔

"ارے نہیں بہنا! ایسا کیوں سوچا تم نے، میں تو بہت خوش نصیب ہوں اس معاملہ میں کہ مجھے اتنے اچھے اور چاہنے والے رشتے ملے، تم جیسی بہن ملی جو دوسروں کی خوشی کا کتنا خیال رکھتی ہے"۔

"اور دوسروں کو دکھ بھی گھیرے دیتی ہیں"۔ اس نے یکدم کہا تو وہ دونوں چپ ہو گئے۔ حارش وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا، حرمین کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی، لیکن صرف طلحہ کے خیال سے اس نے خود کو کمپوز کیا اور مسکرا دی۔

"میں تو آپ کو صرف تنگ کر رہی تھی بھیا! تاکہ آپ کا موڈ اچھا ہو جائے، اب پلیز آپ اداس مت ہونا"۔ اس نے بالکل نارمل لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا تھا، طلحہ بھی مسکرا دیا تھا۔

☆

شادی کے ہنگامے شروع ہو چکے تھے اور آج مہندی کی رات تھی جہاں کاشف نے تمام ذمہ داریاں احسن طریقے سے انجام دی تھیں گھر کی سجاوٹ کی ذمہ داری بھی اس نے بخوبی ادا کی تھی کہ دونوں گھر پوری طرح جگمگا رہے تھے۔ حارش کی غائب دماغی تو ویسے تو سب ہی نوٹ کر رہے تھے کہ آج کل گھر میں جس قدر کام بڑھ گئے تھے ان کی غائب دماغی بھی عروج پر تھی۔ وہ یوں تمام کام انجام دے رہا تھا جیسے زبردستی باندھ کے کرائے جا رہے ہوں، گھر سے باہر رہنے کو زیادہ فوقیت دیتا۔ پہلے تو سب اس کی وجہ شگفتہ بیگم کی آمد سے منسلک کرتے رہے، مگر جب حارش اور ان کا پیار دیکھا جس میں کسی رنجش کی شبیہہ تک نہیں ملتی تھی تو پھر الجھ گئے پوری مہندی کے فنکشن میں وہ طلحہ کے ساتھ جڑا بیٹھا رہا، مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ یہاں ہو کر بھی نہیں تھا یہاں۔ کسی کے بلانے پر یوں چونک جاتا تھا جیسے نیند سے جاگا ہو۔

"حارش......!" فریال کی آواز پر وہ یوں ہی چونکا تھا، حرمین اور نرمین بھی اس کے ہمراہ تھیں۔

"تم ٹھیک ہو......؟ مجھے نہیں لگتا کہ تم نے آج انجوائے کیا ہے"۔

"میں ٹھیک ہوں، انجوائے کر رہا ہوں"۔ زبردستی لبوں پر مسکراہٹ لانے کی کوشش کی تھی، مگر حرمین عالم پر نظر جیسے ٹھہری وہ بھی غائب ہو گئی۔

"کیا انجوائے کر رہے ہو رسم ختم ہو گئی آدھے سے زیادہ مہمان چلے گئے اب بچا کیا ہے......؟"

"سوری فریال! میرے سر میں درد تھا ناں"۔ اس کے لب سکڑ گئے، اٹھ کر جانے لگا تو طلحہ نے بازو تھام لیا۔

"ڈیئر سسٹرز! تم کیوں پاچھی کے ساتھ اپنا مزہ بھی کرکرا کر رہی ہو، جا کے انجوائے کرو"۔ طلحہ نے انہیں ٹالا۔ مگر وہ جانتا تھا حرمین کی آنکھوں میں ٹھہرا پانی کیا چاہتا تھا، طلحہ نے آنکھوں کے اشارے سے اسے حوصلہ دیا تھا۔ وہ لب کچلتی وہاں سے ہٹ گئی۔ نرمین اور فریال بھی مہندی لگانے کے لئے چلی گئیں۔

"تجھے نہیں لگتا حارش عالم! تم خود کو عیاں کر رہے ہو سب پر اس طرح بی ہیو کر کے"۔ طلحہ کی بات بہت گہری تھی مگر وہ جانتا تھا سمجھتا تھا، لیکن ان دنوں جتنا وہ اس سے دور جانا چاہتا تھا وہ اس قدر ہی سامنے آجاتی۔ حارش عالم کی زندگی میں کسی محبت کا وجود پہلی بار آیا تھا۔ صحیح معنوں میں حرمین عالم وہ ہستی تھی جس نے اس کے اندر ہلچل مچائی تھی۔ جذبات و احساسات جگائے تھے۔ بھلا اس سے الگ ہونا، اسے بھولنا اتنا آسان تھا۔ اس کی حیات میں نرم جذبے جگانے والی وہ واحد لڑکی تھی، اس نے تو حارش عالم کو سرتاپیر بدل ڈالا تھا، اس کے لبوں کو ہنسنا سکھایا تھا۔ اپنی ذات کا احساس دلایا تھا اور پھر خود ہی سارے خواب چکنا چور کر ڈالے اس کی آنکھوں سے نوچ کر۔ اسے حرمین سے یہی گلہ تو تھا کہ وہ سب جانتے ہوئے بھی اس کے ساتھ اس کے جذبات کے ساتھ کھیلتی رہی، کاش وہ پہلے جان لیتا تو......

"آج کل میرا خود پر سے اختیار ختم ہو گیا ہے طلحہ! نہیں رہے میرے احساسات میرے بس میں"۔ اس وقت شاید وہ خود سے بھی خفا تھا، تبھی تو بے بس لہجے میں غصہ بھی موجود تھا۔

”پھر مان لے ہار! شاید اسی میں تیری جیت ہو“۔ طلحہ کی ذو معنی بات اس کے قطعی پلے نہیں پڑی تھی وہ اسے گھورنے لگا۔

”اور مجھے لگتا ہے طلحہ احمد خوشی سے تیرے دماغ کے سارے اسکروڈھیلے پڑ گئے ہیں“۔ نہ چاہتے ہوئے بھی طلحہ اس کی بے بسی پر مسکرایا تھا حالانکہ حارش کی یہ حالت بذات خود اس کے لئے تکلیف کا باعث تھی۔

”ابھی بھی وقت ہے حارش! حرمین کا نکاح پھر سے کینسل ہو چکا ہے‘ جانے میرا دل کیوں کہتا ہے کہ وہ رب یہ ہی چاہتا ہے کہ تو ذرا سا اپنی ناک کو نیچے لا کر دادی سے بات تو کر‘ وسیلہ تو اللہ بناتا ہے ناں یار“۔

”تو پاگل ہو گیا ہے طلحہ! اور بس“۔ حارش نے افسوس بھرے انداز میں کہا۔

”نکاح اس لئے تھوڑا اسالیٹ ہو گیا کیونکہ عثمان ابھی ذہنی طور پر تیار نہیں ہے‘ اس میں یہ بات کہاں واضح ہے کہ وہ اس رشتے سے انکاری ہے یا خوش نہیں ہے۔ یار! وہ میرے لئے بھائیوں کی طرح ہے‘ میں اتنا گرا ہوا قدم کیوں اٹھاؤں گا‘ اتنے عرصے سے حرمین اس سے منسوب ہے‘ سوچ طلحہ! اس نے کتنے خواب سجائے ہوں گے‘ کتنے جذبات واحساسات اس بندھن سے جڑے ہوں گے“۔

”تو پھر تو اپنے دل کو سمجھا لے‘ مجھ سے تیری یہ حالت نہیں دیکھی جاتی‘ میری اتنی بڑی خوشی ہے مگر حارش! تجھے دیکھتا ہوں تو مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا“۔ اس نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اپنے سامنے کرتے ہوئے کہا تھا۔ حارش نے اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں دکھ اور تکلیف نمایاں تھے۔ وہ اپنی نئی زندگی شروع کرنے جا رہا تھا مگر صرف اس کی وجہ سے وہ اپنی ہر خوشی پر دل سے انجوائے نہیں کر پا رہا تھا۔

”آئی پرامس...... اس کے بعد سے کبھی تو میری آنکھوں اور لبوں پر یہ اداسی نہیں دیکھے گا“۔

”حارش عالم! شاید تجھے خود اندازہ نہیں ہے کہ تیری آنکھوں میں تو عکس ہی اس کا چھلکتا ہے‘ ان آنکھوں کا کیا کرے گا......؟“

”کاش میں انہیں نوچ کر پھینک سکتا“۔ اس نے لب کچلے۔

”نکال سکتا ہے تو اسے دل سے نکال دے‘ اپنی روح سے نکال دے‘ کیونکہ وہ تو حارش عالم کی روح میں سما گئی ہے“۔

”پلیز طلحہ! ٹیل می...... کیا کروں میں......؟ مجھے خود سمجھ نہیں آتا کہ اس نے مجھے اس قدر کمزور کر دیا ہے‘ میرا خود پر اختیار ختم ہو گیا ہے“۔ وہ ہار گیا تبھی طلحہ کے ہاتھ جھٹکتا اندر کی طرف تیز قدموں سے چل دیا۔ مگر ہال روم میں ہی وہ ٹکرا گئی جس سے وہ بچ کر جانا چاہتا تھا‘ رائل بلیو اور وائٹ کنٹراس کے سوٹ میں بالکل اس کے سامنے ہی تو کھڑی تھی وہ‘ چمکتا چہرہ اور اداس آنکھوں میں پانی لئے۔ وہ یوں رکا گویا وقت رک گیا۔ کتنے لمحے گزر گئے مگر حارش عالم اس کے چہرے سے نظر نہ ہٹا سکا۔ پھر جیسے یکدم وہ ہوش میں آیا تھا۔ نگاہوں کا زاویہ بدلا اور کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

”حارش......“ حرمین عالم نے اپنی ساری ہمت مجتمع کر کے اسے پکارا تھا۔ حارش عالم کے بڑھتے قدم رک گئے‘ مگر وہ پلٹا نہیں تھا۔

”میں گناہ گار ہوں آپ کی کہ میں نے سچائی جانتے ہوئے بھی آپ سے چھپائی لیکن...... مجھے خود علم نہ ہوا کہ میں نے یہ کب اور کیوں کیا......؟ شاید اس لئے حارش کہ محبت واقعی ارادے‘ نیت اور وقت مقرر کر کے نہیں کی جاتی‘ ورنہ میں کبھی یہ غلطی نہ کرتی آپ سے محبت کرنے کی‘ میری زندگی کی ڈور کسی اور کے ہاتھ میں تھی مگر مجھے کبھی اس چیز کا احساس نہیں رہا‘ کیونکہ تب تک آپ میری زندگی میں نہیں آئے تھے‘ لیکن آپ کے آنے کے بعد مجھے

دھیرے دھیرے خود کا ادراک ہوا‘ آپ کی دیوانگی‘ آپ کی چاہت سے میں لاکھ منہ موڑتی رہی خود کو بچاتی رہی‘ پر جانے کب میں اس آگ میں جل پڑی‘ آپ کی ناراضی سہنا میرے بس سے باہر تھا‘ آپ روٹھ جاتے بات نہ کرتے مجھے کچھ اچھا نہ لگتا‘ اور میں خود سے ہار جاتی صرف آپ کی خوشی کے لئے‘ آپ کی ہر ضد مان لیتی تھی‘ میں جانتی تھی کہ آپ کے لبوں نے ہنسنا کیوں سیکھا ہے‘ آپ کی آنکھوں میں جو عکس ہے وہ کس کا ہے‘ پھر بھلا کب تک کب تک میں خود پر جھوٹے پہرے ڈالتی کہ میرا دل تو آپ کا اسیر ہو چکا تھا‘ بس یہی میری خطا ہے کہ صرف میں آپ کی محبت میں کھو کر اس کڑوے سچ کو فراموش کر گئی اس امید پر کہ شاید رب میری تقدیر بدل دے‘ اور اس میں حارش عالم کے نام کی خوشیاں ڈال دے‘ مگر امید امید ہی رہی‘ لیکن حارش! میں آپ کا سامنے کرنے کی ہمت خود میں نہیں کر پاتی‘ آئی نو آپ بھی یہ ہی چاہتے ہیں کہ میں آپ کے سامنے نہ آؤں مگر شاید ہم دونوں اپنی اپنی جگہ مجبور ہیں‘ حارش! میں اتنا اندازہ تو کر سکتی ہوں کہ آپ کب کیا چاہتے ہیں‘ میری کوشش ہوتی ہے کہ آپ کے سامنے نہ آؤں‘ لیکن آج کل شاید ایسا ممکن نہیں ہے‘ سو پلیز مجھے معاف کر دیجئے گا‘ میں جانتی ہوں کہ میں نے آپ کا دل توڑا ہے مگر پھر بھی شاید جب یہ سچ آپ کے منہ سے سنتی ہوں تو دل بہت دکھتا ہے سہہ نہیں پاتی پلیز......“ حرمین نے اس کے سامنے آ کر ملتجی نظروں سے اسے دیکھا حارش کی نظریں اٹھیں اور اس کی آنکھوں میں کھو گئیں‘ حرمین کے اتنے واضح اعتراف نے ایک بار پھر اس کے اندر ہلچل مچائی تھی‘ جانے اسے کیا سوجھی کہ اس نے حرمین کو کاندھوں سے تھام کر جھنجھوڑ ڈالا۔

”جب سب کچھ جانتی ہو مانتی ہو کہ حارش عالم تمہارے وجود کے بغیر ادھورا ہے‘ پھر انکار کیوں نہیں کر دیتیں‘ تم بھی تو محبت کرتی ہو نا مجھ سے‘ رہ لو گی عثمان کے ساتھ......؟ بھول پاؤ گی مجھے......؟“ حرمین کی آنکھوں سے سیال مادہ بہہ نکلا‘ کتنی بے بس تھی وہ۔ کاش...... اس سے کچھ کہہ پاتی‘ وہ تمام باتیں‘ جو اس کے دل میں چیختی تھیں‘ ہنگامہ برپا کرتی تھیں۔

”پلیز حرمین! میں جی نہیں سکتا تمہارے بنا پلیز......“ اس نے حارش عالم کی بے بسی آنکھیں بند کر کے سنی تھی آنکھیں کھولتی تو شاید۔

”تم منع کیوں نہیں کر دیتیں“۔ اس نے ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں جھانکا یہ روبرو ان کا ایک دوسرے سے پہلا اعتراف تھا‘ ورنہ تو دل کی حکایتیں وہ صرف نگاہوں سے بیان کرتے تھے۔

”بس ایسا نہیں کر سکتی حارش“۔ بے بسی سے لب کچلے۔

”کیوں...... حرمین......؟“ یکدم جیسے حرمین عالم کے دل نے بغاوت کی تھی اس نے حارش عالم کے ہاتھ جھٹکے۔

”آپ خود کیوں نہیں کہہ سکتے یہ سب کے سامنے......؟ کہہ دیں ناں...... آپ تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ صرف ایک بار دادی کے سامنے ذکر بھی کریں گے تو وہ ہر ممکن کوشش کریں گی آپ کے لئے‘ حالانکہ دادی جانتیں ہیں کہ میں بھی اس رشتے سے خوش نہیں مگر وہ خاموش ہیں پر حارش عالم! ایک بار صرف ایک بار تم ان سے کہتے تو وہ ضرور مان جاتیں‘ مگر تم نے خود کوشش ہی نہیں کی‘ کبھی کہا ہی نہیں‘ بلکہ تم تو اس کوشش میں ہو کہ کسی کو کچھ علم ہو بھی نہیں“۔ وہ جیسے دبی آواز میں چیخ پڑی تھی۔

”حرمین! میں‘ میں کیسے کہہ سکتا ہوں عثمان‘ احسان چاچو‘ بابا‘ اتنی محبتیں‘ میری سب سے بڑی رکاوٹ ہیں میں کسی کو بھی دکھ نہیں دے سکتا صرف اپنی ذات کے لئے“۔

"پھر حارث عالم! میں ایک لڑکی ہو کر کیسے یہ قدم اٹھالوں' میری زبان پر بھی انہی کی محبتوں کے قفل پڑے ہیں' میرے ماں باپ کی عزت میرے لئے سب سے زیادہ اہم ہے' میں کیسے انکار کردوں......؟ تم ایک مضبوط مرد ہو کر یہ اقرار خود سے چھپائے پھرتے ہو' میں ایک کمزور لڑکی ہو کر کیسے سب کی محبتوں کو ذلیل کردوں' آئی ایم سوری حارث عالم! میں بھی یہ نہیں کرسکتی"۔ اس نے حارث کی آنکھوں میں دیکھا' وہ جیسے یکدم پھر مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرا تھا' نظریں جھکا گیا۔

"پھر دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں سے ایک دوسرے کی محبت مٹادے"۔ بے رخی سے کہتا وہ آگے بڑھ گیا' حرمین نے بہنے والے آنسو صاف نہیں کئے تھے اور وہیں صوفے پر ڈھے گئی۔



طلحہ کی شادی بخیر و خوبی انجام پاگئی۔ حنا ان کے گھر آگئی۔ دو تین دن تو مہمانوں کی رونق رہی' مگر پھر سب رخصت ہوگئے اور گھر میں صرف گھر کے افراد ہی رہ گئے۔ شادی ختم ہوئی تو جیسے حرمین عالم کا ان کی طرف آنا بالکل ہی ختم ہوگیا' ظاہر ہے پہلے تو گھر کے مختلف کام کے لئے اسے آنا پڑتا تھا' مگر اب حنا تھی پھر شگفتہ آنٹی تھیں' کچن کا زیادہ تر کام تو وہ کرتی تھیں' اور حارث کی تمام کام بھی آنٹی اکثر خود کرتی تھیں' کپڑے وغیرہ وہ خود پریس کرلیتا تھا۔ حنا بہت اچھی نیچر کی تھی' مگر پھر بھی وہ اسے بہت کم ہی کوئی کام کہتا تھا۔ یہ بات حنا نے شدت سے نوٹ کی تھی کہ وہ اور طلحہ اتنے اچھے دوست تھے' طلحہ تو اتنی خوبیاں بیان کرتا ہے حارث کی' پر حارث تو صرف اپنی ذات میں مگن رہتا تھا۔ خود اپنی ماں سے وہ صرف ضرورت کے وقت مخاطب ہوتا تھا۔

"طلحہ حارث بھائی ضرورت سے زیادہ ریزرو نہیں ہیں"۔ اس دن شام کی چائے پر وہ چپ نہ رہ سکی' جب سب حارث کے انتظار میں تھے کہ وہ آئے تو چائے پئیں گے مگر حارث صاحب آئے اور منع کرکے چلے گئے۔ پہلی بار حنا کو برا سا لگا تھا۔ حنا کے سوال پر طلحہ اور حرمین دونوں کی نظریں اس پر اٹھیں تھیں۔ ان کی شادی کے بعد وہ پہلی بار آئی تھی اور حارث صرف اس کی وجہ سے یہاں نہیں رکا تھا۔

"نہیں حنا! ہوسکتا ہے اس کی طبیعت اچھی نہ ہو اس لئے ورنہ وہ ایسا نہیں ہے"۔

"ہوسکتا ہے' مگر میں تو جس دن سے آئی ہوں وہ ایسے ہی ہیں اب اتنے دن سے تو طبیعت خراب نہیں تھی ناں' مجھے لگتا ہے انہیں میری آپ سے شادی اچھی نہیں لگی"۔ حنا کا لہجہ ناگوار ہوگیا' طلحہ کے پیشانی کے بل نمایاں ہوگئے۔

"حنا......" وہ اتنا ہی بولا تھا کہ حرمین کھڑی ہوگئی۔

"بھیا پلیز...... آئی تھنک مجھے چلنا چاہئے' ایم سوری شاید میری وجہ سے"۔ وہ بات ادھوری چھوڑ کر چلی گئی۔

"حرمین گڑیا! میری بات سنو"۔ طلحہ نے اسے آواز دی' مگر رکی نہیں تھی' حنا مزید الجھ گئی' طلحہ نے خفگی بھری نظروں سے حنا کو دیکھا تھا۔

"ایم سوری طلحہ! مگر حرمین کو تو میں نے کچھ نہیں کہا"۔

"بعض دفعہ ہم انجانے میں دوسروں کو بہت کچھ کہہ دیتے ہیں' لیکن تم ان باتوں کو نہیں سمجھو گی' شاید اس میں تمہاری بھی خطا نہیں"۔ وہ سوچتے ہوئے بولا تھا' اور چائے کا کپ رکھ کر اٹھ گیا' حنا نے پیچھے تک اسے دیکھا تھا' اس کا رخ حارث عالم کے کمرے کی طرف تھا۔



وہ آفس سے لوٹا تو گھر میں بے حد رونق تھی' صحن میں اسے حنا ہی نظر آئی تھی۔

"بھابی خیریت ہے......؟ کون آیا ہے......؟" وہ اندر جانے سے پہلے وہ جان لینا چاہتا تھا۔ حنا نے اس کے فکر مند چہرے کو دیکھا پھر مسکرادی۔

"حارث بھائی! آپ اتنے کیوں بھاگتے ہیں لوگوں سے' ارے احسان چاچو اور ان کی فیملی ہے"۔

"او...... تھینکس......" اس نے شکر کا سانس لیا اور اندر بڑھ گیا۔

"السلام وعلیکم"۔ اس نے باآواز بلند سلام کیا تو سب ہی متوجہ ہوگئے۔

"وعلیکم السلام...... جیتے رہو"۔ احسان چاچو ہمیشہ کی طرح ملے تھے اس سے اور گلے لگایا۔

"کیسے ہو ینگ مین......؟"

"فائن چاچو...... آپ سنائیں"۔

"اللہ کا شکر ہے بیٹا......" وہ مسکرائے۔

وہ آنٹی' عثمان' عمیر اور فریال سے ہیلو ہائے کرنے لگا۔

"آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے حارث! تم تو بہت ویک ہوتے جارہے ہو"۔ فریال کی بات پر وہ محض مسکرادیا تھا' عثمان نے بغور اس کا چہرہ دیکھا' پھر مسکرادیا۔

"بعد میں بتاتا ہوں میں ذرا فریش ہوجاؤں"۔ اس نے کہا اور ایکسکیوز کرتا کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ فریش ہو کر لوٹا تو بابا بھی فیملی سمیت براجمان تھے سوائے اس کے۔

"السلام وعلیکم بابا! کیسے ہیں......؟" کتنی حیرت کی بات تھی کہ ایک ساتھ رہتے ہوئے وہ ان سے آج کئی دن بعد مل رہا تھا۔

"وعلیکم السلام جیتے رہو"۔ انہوں نے اسے اپنے پاس ہی بٹھالیا۔

"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری......؟"

"جی بابا......" اس نے سر جھکا کر کہا۔ عجیب سی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی اسے کہ اتنی ساری چاہتیں تھیں اس کے پاس اور خود کو ان سب سے کتنا دور لے جارہا تھا۔

"خیریت ہے بھئی! تم کہاں رہتے ہو......؟ بھیا بتارہے تھے کہ کئی دن سے تم سے ملاقات نہیں ہوئی ان کی"۔ آخر چاچو نے پوچھ لیا وہ مزید شرمندہ ہوگیا۔

"بس چاچو! وہ لیٹ آرہا تھا ناں آفس سے' پھر تھکن کی وجہ سے جلد سو جاتا تھا' اس لئے"۔

"اچھا ادھر میرے پاس آؤ"۔ انہوں نے بلایا تو وہ اٹھ کر ان کے پاس صوفے پر جا بیٹھا' چاچو نے اسے لاڈ سے اپنی گود میں لٹالیا۔

"طلحہ بھی تمہاری کمپلین کررہا تھا کہ تم اسے بھی وقت نہیں دے رہے ہو' کیا بات ہے بچے...... کوئی پریشانی ہے کیا......؟" کتنی محبت سے پوچھ رہے تھے وہ' حارث نے پہلے سامنے بیٹھے طلحہ کو گھورا' پھر انہیں جواب دیا۔

"چاچو! کمپلین تو مجھے کرنی چاہئے تھی میری ہمت دیکھیں میں خاموشی سے سہہ رہا ہوں' وقت تو شادی کے بعد اس کے پاس نہیں ہوتا میرے لئے"۔ کم از کم طلحہ یہ توقع نہیں کررہا تھا کہ وہ یہ بات کہے گا۔

"میں زندگی میں سب سے زیادہ اس کے قریب ہی تو رہا ہوں اب یہ بات یہ بھول گیا ہے' میں نہیں"۔ وہ مزید طلحہ کو جلانے کو بولا تھا' حنا دروازے میں ہی رک گئی تھی۔

"حارث میرے بچے! ایسا کبھی مت سوچنا' طلحہ کبھی نہیں بدل سکتا"۔

''دیکھو بیٹا! حنا اس ماحول میں نئی ہے اسے ایڈجسٹ کرنے میں وقت لگے گا اور ظاہر ہے وہ طلحہ کے علاوہ یہاں کسی کو اتنا نہیں جانتی تو اسے ہر کام ہر بات ہر قدم پر طلحہ کی ضرورت ہے، جب اس کی ہم آہنگی سب سے ہو جائے گی خود بخود وہ سب میں گھل مل جائے گی، تو اسے طلحہ کا ہاتھ پکڑ کر چلنے کی ضرورت نہیں رہے گی، یار! تمہیں تو یہ بات سب سے زیادہ سمجھنی چاہئے تھی، اور تم ہی ناسمجھی کی بات کر رہے ہو''۔

''پتہ نہیں چاچو! خالص محبت میرے نصیب کا حصہ ہے ہی نہیں، ہمیشہ ہی بچی کچھی چاہت ملی ہے مجھے''۔ اس کی بات سے جہاں شگفتہ بیگم کا دل ہلا تھا طلحہ تو جیسے تڑپ ہی گیا۔

''حارش! اب تو زیادتی کر رہا ہے میرے ساتھ''۔ وہ جیسے رونے کو تیار تھا۔ حارش نے اس کی شکل دیکھ کر بمشکل مسکراہٹ روکی تھی۔

''کیوں......؟ اب تجھے کیوں تکلیف ہو رہی ہے میری شکایتیں تو بڑے مزے سے لگا دیں، اپنی باری آئی تو رونے لگ پڑا''۔ وہ چاچو کی گود سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''چل اب آئندہ میرے منہ نہ لگنا''۔ طلحہ نے روٹھتے ہوئے کہا۔

''وعدہ نہیں کہوں گا، گلے تو لگ سکتا ہوں ناں''۔ وہ عین اس کے سامنے آ گیا، طلحہ نے کچھ غصے سے اسے دیکھا تو کان پکڑ کر آنکھ مار دی۔

''پکا کمینہ ہے تو حارش''۔ کہتے ہوئے اسے خود سے بھینچ لیا۔

''اچھا اب ہمیں پارٹی دیں طلحہ بھیا! ہم نے آپ دونوں میں صلح کرائی''۔ عمیر نے کہا، حنا کو تب پتہ چلا تھا کہ دونوں ایک دوسرے سے خفا ہیں، واقعی حارش بھائی اور طلحہ کی دوستی کو سمجھنا اس کے بس کی تھی ہی نہیں۔

''جناب! جو حکم کریں''۔ دل و جان سے راضی تھا وہ۔ حارش اس سے الگ ہو کر پھر چاچو کے کندھے سے آ لگا تھا۔ عثمان دور بیٹھا جانے کیوں آج حارش عالم کو اتنے غور سے دیکھ رہا تھا، اپنا یہ وجیہہ اور تھوڑا نخرے والا کزن اچھا تو لگتا تھا مگر اس نے شاید غور نہیں کیا تھا کہ وہ واقعی اتنا خوبصورت ہے، لائٹ بلیو ٹی شرٹ اور بلیو جینز میں اس کی وجاہت بہت نمایاں تھی۔ آج وہ بھی اپنے دل میں یہ اعتراف کر رہا تھا کہ حارش بالکل اپنے پپا کی طرح ہے اور ان کے چاچو بہت خوبصورت تھے، مگر جہاں اس کی گہری آنکھیں اسے قدرے الگ کرتی تھیں وہیں اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں اس کی وجاہت کو چار چاند لگاتی تھیں، وہ مسکراتا بہت اچھا لگتا تھا، عثمان شاید مسلسل اسے دیکھ رہا تھا تبھی تو وہ محسوس کر گیا۔

''عثمان! تم ٹھیک ہو؟'' وہ جیسے چونک گیا۔

''ہاں...... بس تم آج بہت اچھے لگ رہے ہو، اس لئے من چاہا دیکھتا رہوں''۔

''تھینک یو......'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

کچھ دیر بعد ینگ پارٹی نے صحن میں ڈیرہ لگا لیا تھا۔ حنا بے چاری اکیلے ہی سب کے لئے کچن میں مصروف تھی۔ یہ بات بھی حارش نے ہی سب سے پہلے نوٹ کی تھی، وہ کافی دیر دیکھتا رہا، پھر اٹھ کر کچن میں آ گیا۔

''اتنا کام اکیلے کیسے کرو گی بھابی! تھک جاؤ گی''۔

''نہیں...... کر لوں گی''۔

''میں ہیلپ کراؤں......؟''

''ارے نہیں...... جنہیں کرانی چاہئے انہیں تو ذرا بھی فکر نہیں''۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لبوں پر شکوہ اترا۔

حارش مسکرا دیا۔

''بھابی! شوہر وہ آپ کا ہے لیکن میں آپ کو نالج دیتا ہوں اس کے بارے میں، وہ شروع سے کچن کے کاموں سے بھاگتا ہے، پہلے یہ ڈیوٹی میں انجام دیتا تھا''۔ وہ اس کے ساتھ ہیلپ کرانے لگا ساتھ طلحہ کی ساری حرکات سنانے لگا جو شادی سے پہلے کرتا تھا وہ۔

''او گاڈ! کوکنگ آپ کرتے تھے؟''

''پھپھو کے جانے کے بعد ظاہر ہے، ہم دونوں ہی بچے تھے اور طلحہ کو کنگ سے الرجک ہے، پھر مجھے ہی یہ کچن سنبھالنا پڑا، مگر پھر اس کے ہاتھ کے......'' وہ بے دھیانی میں شاید زیادہ ہی بول رہا تھا کہ یکدم بریک لگ گئے۔

''اس کے...... کیا مطلب حارش بھائی......؟''

''بس یوں ہی منہ سے نکل گیا، میں نرمین سے کہتا ہوں وہ آپ کی ہیلپ کرا دے گی''۔ وہ اپنی بات مکمل کر کے مڑا تو دروازے کے بیچ میں حرمین عالم کو کھڑا پایا۔

''بھیا نے فون کیا تھا بھابی! کہ آپ سخت مصیبت میں ہیں''۔ وہ قطعی اسے اگنور کرتی حنا کے پاس آ گئی کتنے لمحے گزر گئے اسے یہیں کھڑے۔

''تھینک یو حارش بھائی! آپ پلیز سب کے ساتھ مزے کریں حرمین میری ہیلپ کرا دے گی''۔

''جی......'' وہ سر ہلاتا باہر آ گیا، پتہ نہیں سب نے غور کیا تھا یا نہیں، مگر عثمان نے کیا تھا کہ یکدم اس کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی ہے۔



''میں آج آپ سے کچھ مانگنے آیا ہوں بھیا......؟'' احسان عالم، فرمان عالم کے سامنے بیٹھے تھے کمرے میں، ان کے علاوہ عالیہ بیگم، اماں اور عثمان عالم موجود تھے۔

''کیا بات ہے احسان کھل کر کہو......؟''

''میں حرمین کو مانگنے آیا ہوں اپنے بیٹے کے لئے''۔

''تم کیسی باتیں کر رہے ہو احسان! حرمین اس گھر میں تم لوگوں کی امانت ہے، میں تو طلحہ کی شادی پر ہی نکاح کرنا چاہتا تھا، مگر تم نے خود ہی تو منع کر دیا تھا کہ کم از کم دو سال تک تم لوگ، پھر اب یہ بات......؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی''۔

''آئی ایم سوری...... ہم مانتے ہیں کہ ہم نے ہی کہا تھا، کیونکہ عثمان دو تین سال تک شادی نہیں کرنا چاہتا مگر میں یہاں عثمان کے لئے نہیں آیا ہوں، میں آپ سے اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں بھیا!''

''احسان! آخر بات کیا ہے......؟'' فرمان عالم اب فکرمند سے ہو گئے۔

''دراصل بھیا! حرمین آپ کو معلوم ہے کہ مجھے بچپن سے پسند ہے اور میں نے آپ سے کہا بھی تھا، اور میں جانتا ہوں کہ یہ دو سال کے ٹائم پر آپ کو برا بھی لگا ہوگا، بھیا! عثمان میرا بیٹا ہے، مگر میں آج حرمین کا ہاتھ عثمان کے لئے نہیں، حارش کے لئے مانگنے آیا ہوں، وہ بھی تو میرا بچہ ہے، کیا ہوا اگر عثمان نہیں مانتا، میں اپنے حارش کے لئے آپ سے حرمین کا ہاتھ مانگتا ہوں''۔

''احسان! یہ کیا بکواس ہے؟'' فرمان عالم کو سچ میں غصہ آ گیا، اماں الگ حیران تھیں۔

''بڑے ابو پلیز...... پپا ٹھیک کہہ رہے ہیں''۔

''تم پاگل تو نہیں ہو، کتنے سال سے حرمین تمہارے نام سے منسوب ہے اور اب......''

"منسوب ہے...... خوش نہیں ہے...... بڑے ابو!" عثمان کی بات پر سب کے چہروں پر حیرانی تھی' سوائے احسان عالم کے۔ انہوں نے خود بڑے بھائی کو سمجھایا تھا۔

"حارث نے زندگی میں صرف محرومیاں دیکھیں ہیں وہ تو تقدیر سے اس قدر نالاں ہے بھیا کہ اس نے اپنی ذات کے لئے کچھ مانگنا ہی چھوڑ دیا رب سے' اس کی آنکھوں کا یہ پہلا خواب ہے اور میں نہیں چاہتا کہ اس کا ہماری محبتوں پر سے بھی اعتماد جاتا رہے' اس نے خوشی اور محبت نہیں دیکھی' آج اگر اس کے دل میں یہ خواہش ابھری ہے اور کسی بھی وجہ سے پوری نہ ہو سکی تو اس کا تو اعتبار ہی ختم ہو جائے گا محبت سے پلیز بھیا"۔

"اور پھر بڑے ابو! اگر میں حرمین سے شادی کر بھی لوں تو نہ وہ خوش رہ پائے گی نہ میں' کیونکہ میں سب جانتا ہوں' میرا دل یہ بات کبھی قبول نہیں کرے گا کہ......" عثمان نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"اور حارث بالکل مجھے بھائی کی طرح عزیز ہے میں اپنے بھائی کی خوشی برباد کر کے اپنا گھر نہیں بسا سکتا' آئی ایم سوری بڑے ابو!"

"میں ناں کہتی تھی فرمان کہ کوئی بات ہے ضرور جو حارث کو اندر ہی اندر کھا رہی ہے' کتنا خوش رہنے لگا تھا وہ...... اور اب...... اور حرمین کے چہرے کی بھی تو مسکان وہ نہیں رہی تھی' ہمارے بچے گھلتے رہے اور ہم انجان رہے' بس فرمان! میرے بچوں کی خوشی سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہے' احسان جو کہہ رہا ہے ٹھیک کہہ رہا ہے"۔ اماں جی نے گفتگو میں حصہ لیا۔

"بھیا! میں آپ کے پاس یہ ہی سوچ کر آیا ہوں کہ میرے لئے عثمان اور حارث میں کوئی فرق نہیں ہے پلیز بھیا"۔ انہوں نے مان سے بڑے بھائی کو دیکھا جو سر جھکائے بیٹھے تھے عالیہ بیگم بھی خاموش تھیں مگر یہ تو طے تھا ناں کہ ان کے نزدیک اپنے بچوں کی خوشی سب سے اہم تھی اور وہ اور اماں تو کافی پہلے یہ اندازہ لگا چکی تھیں کہ حرمین اپنی منگنی سے ناخوش ہے' اب بھی وہ صرف اپنے مجازی خدا کے فیصلے کی منتظر تھیں۔

"اگر آپ سب لوگ اسی بات پر خوش ہیں' میری بیٹی اس رشتے پر خوش ہے تو ٹھیک ہے' اماں! مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے"۔

"شکریہ بھیا"۔ احسان عالم تشکر آمیز لہجے میں بولے۔

"میری آپ سب لوگوں سے ایک گزارش اور ہے کہ حارث کو ابھی کچھ نہ بتائیں اس کے لئے یہ سرپرائز ہو گا پلیز......" عثمان بہت خوش تھا اور وہ چاہتا تھا کہ حارث عالم اس خوشی کو شدتوں سے محسوس کرے سب نے حامی بھر لی اور باقی کے معاملات طے کرنے لگے۔

☆

یکدم گھر میں اتنی رونق سی رہتی تھی جیسے کوئی تقریب ہو۔ ظاہر ہے وہ رہتا ہی اس قدر بے خبر تھا' سب سے بھی اور خود سے بھی۔

"آج کل گھر میں اور بابا کی طرف بہت ہلچل سی ہے' خیریت ہے بھابی......؟" وہ اب کوشش کرتا تھا کہ حنا کو گلہ شکوہ نہ ہو اس لئے آتے جاتے مخاطب کر لیتا تھا۔

"حارث بھائی! آپ اتنے بے خبر کیوں رہتے ہیں ہر چیز سے' ارے بھئی حرمین کا نکاح ہے ہفتے کے بعد"۔

"جی......" پتہ نہیں حنا کو لگا تھا کہ یکدم حارث کے چہرے پر ایک گہرا طوفان سا گزرا تھا' یکدم اس نے سختی سے آنکھیں بند کر کے جیسے خود کو مضبوط کیا ہو۔

"حارث بھائی کیا ہوا......؟"

"تھنگ"۔ ہزاروں کوششوں کے بعد بھی وہ مسکرا نہ سکا تھا' اور فوراً وہ وہاں سے ہٹ گیا مگر رات میں عثمان آ گیا۔

"ابھی میرے ساتھ چلو مجھے ڈریس لینا ہے نکاح کے لئے اور مجھے تمہاری ہیلپ چاہئے"۔

"یہ کس نے تمہیں غلط خبر دی ہے کہ کپڑے خریدنے کے معاملے میں میری چوائس اچھی ہے' ارے یار مجھے قطعی آئیڈیا نہیں ہے اس طرح دولہے کے ڈریس خریدنے کا"۔

"مجھے کسی کی خبر کی قطعی ضرورت نہیں ہے بس مجھے تیرے ساتھ جانا ہے' تیری پسند سے ڈریس لینا ہے' تو فوراً اٹھ جا"۔

"عثمان پلیز یار! میری چوائس بہت بری ہے"۔

"کوئی پرواہ نہیں' مجھے منظور ہے' بس اب مزید ایک لفظ نہیں سننا"۔ اس نے زبردستی اسے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تھا' ناچار اسے جانا پڑا۔ خاندان میں اتنی بڑی تقریب تھی ظاہر ہے سب ہی خوش تھے اور وہ کسی کی خوشی کو اپنی وجہ سے خراب نہیں کرنا چاہتا تھا' سو جس طرح عثمان چاہتا تھا' وہ اسی طرح کرتا تھا اور جانے عثمان کو کیا ہو گیا تھا کہ ہر کام میں اسے شامل کر رہا تھا' ادھر طلحہ کی خوشی بھی سمجھ سے بالاتر تھی۔

"تجھے کچھ زیادہ ہی خوشی ہے ناں اس نکاح کی"۔ وہ آخر برداشت نہ کر پایا' اس وقت حنا بھی ان کے ساتھ ہی موجود تھی۔

"آف کورس...... خوشی کا موقع ہے ناں تو خوش ہی ہونا چاہئے اور میرا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ میں کس طرح سے سب سیلیبریٹ کروں"۔ ساری حقیقت جاننے کے بعد طلحہ کی خوشی ناقابل بیان تھی۔ لیکن چونکہ ابھی حارث عالم کو علم نہیں تھا تو وہ کھل کے اظہار نہیں کر سکتا تھا' حارث نے خاموش نظروں سے اسے دیکھا اور پھر اپنے کمرے کی جانب مڑ گیا۔

"حارث! تو آنکھیں بند کر کے کب تک زندگی گزارے گا یار پلیز آنکھیں کھول کے حقیقت کا سامنا کر"۔

"تھینکس فار ایڈوائز"۔ اس نے روکھے لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گیا' طلحہ آواز لگاتا رہ گیا۔

"آئی ڈونٹ نو...... شاید مجھے ہی لگتا ہے کہ حارث کے ساتھ کوئی نہ کوئی پرابلم ضرور ہے"۔

"ہاں حنا! تم تو کچھ بھی نہیں جانتیں اس کے بارے میں اس لئے لیکن پلیز دعا کرنا' یہ جو زندگی کی سب سے بڑی خوشی اس کی زندگی میں آ رہی ہے ناں' اس کے بعد اسے کوئی دکھ نہ ملے کبھی"۔

"آمین...... مگر مجھے تو لگتا ہے کہ وہ اس پر بھی خوش نہیں ہیں"۔

"اسے اس بات کا علم ہو جائے تو شاید وہ پاگل ہو جائے خوشی سے"۔

"کیا مطلب......؟" طلحہ نے زبان دانتوں تلے دبائی۔

"اوں ہوں...... کچھ نہیں' بس تم نے یہ بات حارث کے سامنے نہیں کرنی او کے......؟"

"اللہ جانے تم لوگ کیا کر رہے ہو"۔ حنا نے سر تھام کر کہا اور کچن کی طرف چل دی۔

☆

آج حرمین کا نکاح تھا سب بابا کی طرف تھے بس وہ کمرے میں بند تھا' طلحہ' کاشف کئی دفعہ اسے بلانے آئے تھے اور وہ ہر بار ٹال دیتا تھا' لیکن اس بار عثمان عالم اسے بلانے آیا تھا۔

"شرم کر حارث! وہاں سب تیرے منتظر ہیں اور تو یہاں بیٹھا جانے کس چیز کا سوگ منا رہا ہے' اٹھ فٹافٹ یہ لے کپڑے اور صرف دس منٹ میں تیار ہوجا"۔ عثمان نے اس دن لائے گئے کپڑے اس کے ہاتھ میں تھمائے تھے' وہ حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"عثمان! یہ ڈریس تو تم نے اپنے لئے خریدا تھا ناں......؟"

"جی نہیں یہ ڈریس میں نے دولہے کے لئے خریدا تھا"۔

"ہاں...... وہ ہی تو...... پھر تم مجھے کیوں دے رہے ہو......؟ خود پہنو اسے"۔ اس نے بہت حیرت سے اسے دیکھا' حارث کی آنکھوں میں اسے صاف الجھن نظر آرہی تھی۔

"دولہا تم ہو تو میں کیسے پہن سکتا ہوں یہ ڈریس' اب فوراً تیار ہوجاؤ' وہاں نکاح کے لئے قاضی تک پہنچ گیا ہے' بس دولہا غائب ہے"۔

"عثمان! یہ کیا مذاق ہے......؟" اب ناگواری اتر آئی تھی لہجے میں۔ عثمان نے مسکراتے ہوئے اس کے دونوں کاندھوں کو تھام کر اپنے سامنے کیا پھر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"مذاق تو تم نے کیا تھا اپنے ساتھ' لیکن اب سب کچھ صاف ہے' حرمین کا نکاح تم سے ہورہا ہے' حارث! یہ حقیقت ہے' ہم سب تمہیں سرپرائز دینا چاہتے تھے اس لئے تمہیں بتایا نہیں' اس کے لئے سوری...... بٹ ڈیئر برادر! آئندہ کبھی خود کو اس طرح تنہا مت سمجھنا' ہم سب تیرے ہیں' تیری خوشی ہمیں سب سے زیادہ عزیز ہے' پھر تو نے کیسے سوچ لیا تھا ایڈیٹ ایک بار کہہ تو دیتا' تو جانتا ہے ناں پپا تم پر جان دیتے ہیں' جب سے تم ہمیں ملے ہو انہوں نے کبھی تم میں اور ہم میں فرق نہیں رکھا۔ حرمین نے ہمارے گھر کی بہو بننا تھا' شرط یہ تو نہیں تھی کہ صرف میرے حوالے سے"۔

"لیکن وہ تم سے منسوب تھی' تمہارے دل کو کیسے ٹھیس پہنچاتا میں"۔

"ہاں وہ مجھ سے منسوب ضرور تھی حارث! مگر یہ صرف میرے بڑوں کی خواہش اور میری فرمانبرداری تھی کوئی جذبات یا میرے من کے احساسات نہیں تھے اس رشتے سے' وہ تو شکر ہے میں نے بروقت تمام حقیقت جان لی ورنہ تمام عمر خود کو تمہارا مجرم تصور کرتا میں' حرمین صرف تمہاری ہے' اور تم میرے بھائی ہو' اپنے بھائی کی خوشی مجھے ہر خوشی سے بڑھ کر عزیز ہے سمجھے"۔ عثمان نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر پیار سے سمجھایا۔

"تھینک یو عثمان"۔ حارث اس کے گلے لگ گیا۔ سچ ہی تو کہتا تھا طلحہ آنکھیں کھول کے دیکھ تیرے چاروں طرف محبت ہی محبت ہے بس تو خود نظریں چرا رہا تھا"۔ ہاں ہر سو چاہت ہی تو تھی محبت ہی تو تھی' اس رب نے اسے نوازہ تھا' جتنے دکھ اس نے بچپن میں جھیلے تھے اب سکھ ہی سکھ تھے' اس کے پاس ہر رشتہ تھا' ہر رشتے میں چاہت تھی اور ہر رشتے اس کا اپنا تھا' سوتیلا نہیں تھا' خوشی سے اس کی آنکھوں کی نچلی سطح بھیگی تھی۔

"آج نہیں...... آج صرف خوشی کا دن ہے حارث! اور مجھے اب کے بعد تیرے چہرے پر صرف مسکراہٹ چاہئے کیونکہ تو مسکراتا ہوا بہت خوبصورت لگتا ہے"۔ عثمان نے اس کی آنکھیں صاف کیں۔

"اچھا سن اب تو فوراً تیار ہوجا کیونکہ بابا اور پپا دونوں تیرے منتظر ہیں"۔ اس نے جواباً صرف سر ہلایا تھا اور اگلے پندرہ منٹ بعد وہ اس کے ساتھ جارہا تھا' وہاں واقعی سب اس کے منتظر تھے' بابا نے اسے دیکھا تو فوراً بول پڑے۔

"حارث! بچے کہاں تھے آپ......؟"

"بابا...... وہ......"

"بڑے ابو...... یہ میرے ساتھ تھا سوری"۔

"اوکے...... اب چلو......" انہوں نے خفگی سے دیکھا۔ احسان چاچو نے اسے دیکھتے ہی سینے سے بھینچ لیا تھا۔

"تو نے مجھے اپنا باپ نہیں ناں سمجھا' لیکن دیکھ لے میں نے تجھے ہمیشہ بیٹا ہی مانا ہے"۔ ان کے گلے پر وہ شرمندہ ہوگیا۔

"سوری چاچو! معاف کردیں"۔

"اچھا بس"۔ انہوں نے اس کے سر پر تھپتھپایا' اس کے چہرے پر چھائی خوشی انہیں مسرور کررہی تھی۔ دادی نے بھی اسے خوب پیار کیا تھا چوما۔

"حارث! تجھ سے بڑھ کر تو نہیں تھی ہمارے لئے تیری خواہش بچے اتنے دن اندر ہی اندر گھلتا رہا مجھ سے بھی نہیں کہا"۔ وہ بس ہولے سے مسکرادیا تھا' عثمان اسے اسٹیج پر لے آیا' اس نے تو اب غور کیا تھا کہ بابا کا گھر کتنا خوبصورت لگ رہا تھا اور یہ اسٹیج جہاں وہ بیٹھا کتنی محنت اور لگن سے سجایا تھا۔

"واؤ......" واقعی اندر سے انسان خوش ہو تو ہر چیز ہی خوبصورت ہوجاتی ہے۔ نکاح کی رسم شروع ہوگئی وہ بہت خوش تھا لیکن وہ بار بار طلحہ کو خفگی بھری نظروں سے گھور رہا تھا جس کا مطلب صاف تھا کہ 'تو نے مجھے نہیں بتایا اب تیری خیر نہیں' طلحہ اسے اگنور کررہا تھا اپنی شامت جو صاف نظر آرہی تھی' نکاح بخیر و خوبی ہوچکا تھا' سب نے اس کو گلے لگا کر مبارک باد دی تھی' طلحہ اسے مبارکباد دینے آیا۔

"ایسے ہوتے ہیں دوست......؟ تو نے بھی مجھے نہیں بتایا' الٹا میری حالت سے مزے لیتا رہا"۔

"عثمان نے سب کو منع کیا تھا ورنہ تو جانتا ہے ناں تجھے کوئی بات بتائے بناء میں رہ نہیں سکتا"۔

"میں تجھ سے شدید خفا ہوں بس"۔

"اچھا چل مبارکباد تو لے لے بعد میں خفا ہوجانا"۔ طلحہ نے بانہیں پھیلائیں تو وہ ان میں سما گیا۔

"تجھے کیا پتہ ہے حارث! اتنا تو میں اپنی شادی پر بھی خوش نہیں تھا جتنا آج خوش ہوں"۔

"کانگریچولیشن حارث بھائی"۔ حنا نے اسے وش کیا۔

"اینڈ آئی ایم سوری...... کیونکہ میں جانتی تھی مگر پھر بھی آپ کو بتا نہ سکی"۔ حنا نے معذرت کی وہ محض مسکرادیا۔ کچھ دیر بعد حرمین کو اس کے ساتھ بٹھا کر فوٹو سیشن ہوا پھر وہ سارے کزنز مل کر حارث کے پیچھے لگ گئے۔

"ہم نے اتنی بڑی خوشی آپ کو دی آپ ہمیں کیا دے رہے ہیں بگ بی......؟" نرمین نے کہا۔

"یس...... حارث! آج تم پر ٹریٹ بنتی ہے"۔ عمیر نے کہا۔

"ویسے مجھے یقین نہیں آتا تم اتنا افلاطونی عشق کرسکتے ہو' تم تو بڑے گھنے نکلے"۔ اس کی بات پر سب ہنس دیئے تھے' حرمین کی ہنسی کی آواز پر اس نے پہلو میں بیٹھی سجی سنوری حرمین پر ایک نظر ڈالی۔

"تم بھی ہنس رہی ہو مجھ پر......"

"سوری......" اس نے زبان دانتوں تلے دبائی۔

"اچھا' اچھا' ہمیں کیا کھلا رہے ہیں......؟" ایک بار پھر شور گونجا۔

"جو تم کہو گے"۔ حارث نے کھلے دل سے آفر کی۔

"ڈنر...... کل کے لئے رکھ لیں' لیکن ابھی ہمیں آئسکریم کھلائیں"۔

''ابھی...... بارہ بج چکے ہیں' کل''۔

''نہیں...... آج اور ابھی''۔

''چل ناں یار! مزہ آئے گا''۔ عثمان نے کہا تو وہ منع نہ کر سکا۔

''او کے...... چلو......''

''او...... یاہو''۔ عمیر اچھلا۔

''میں بابا اور دادی کو بتا دوں''۔ طلحہ نے کہا حرمین اٹھ کر اندر جانے لگی۔

''تم نہیں چلو گی......؟''

''اس حلئے میں......؟ سوری''۔ اس نے بمشکل اتنے بھاری لہنگے میں اپنا وجود سنبھال رکھا تھا۔

''چینج کر لو''۔

''نہیں یار! تم لوگ جاؤ''۔ نرمین اسے اندر چھوڑ آئی اور وہ لوگ اجازت ملتے ہی گاڑیوں میں گھس گئے۔

''حارش! تمہاری زوجہ محترمہ بہت بد مزاج ہیں' اتنا کہا کہ چلو مگر آئی ہی نہیں''۔

''بابا' دادی کو برا لگتا ناں''۔ اس نے سائیڈ لی۔

''اوہو...... اتنی فیور' طلحہ بھیا پرمیشن لے آئے تھے''۔

''اچھا...... پھر ہم واپس جا کر میڈم کی خبر لے لیں گے بس...... خوش''۔ اس نے فریال کو دلاسہ دیا' تو وہ ہنس دی۔

وہ لوگ خوب انجوائے کر کے گھر پہنچے تو دو بج چکے تھے مگر ان میں سے کسی کا بھی سونے کا ارادہ نہیں لگ رہا تھا' ساتھ بیٹھے تو گپ شپ میں چار بج گئے انہیں پتہ ہی نہ چلا۔

''ارے یار چار بج گئے ہیں سونا نہیں ہے کیا......؟'' کاشف نے گھڑی دیکھی۔

''کاشف! بور مت کرو' اتنا انجوائے کر رہے ہیں اور تم سونے کی بات کر رہے ہو''۔

''بابا سخت ناراض ہوں گے''۔

''نہیں ہوتے...... یار آج کا دن ہم سب کے لئے بہت خوشی کا دن ہے اور بابا کبھی بھی آج غصہ نہیں کریں گے یوں بھی میں دیکھ کر آئی ہوں' بابا سو چکے ہیں''۔

''تھینکس بٹ یار...... مجھے تو بھوک لگنا شروع ہو گئی ہے''۔ فریال نے پیٹ پکڑا۔

''او یار...... تم کتنا کھاتی ہو' مہمانوں کے ساتھ بھی یہ یوں کھانے میں لگی تھی جیسے آخری دفعہ کھا رہی ہے' یار کباڑا کرے گی اس بندے کا جس کے گھر جائے گی''۔ کاشف نے اسے چڑایا اور وہ واقعی چڑ گئی۔

''جسٹ شٹ اپ''۔

''اللہ کرے یہ تمہارے گھر ہی آئے''۔ طلحہ نے بد دعا دی۔

''طلحہ! تجھ سے ایسی امید نہیں تھی مجھے کہ اتنی خراب دعا دے گا تو''۔

''کیا......؟'' اس سے پہلے کہ فریال ہنگامہ کھڑا کرتی ماہین بول پڑی۔

''فری! وہ تمہیں ستا رہے ہیں' میں تمہارے لئے کچھ لاتی ہوں''۔

''حرمین ڈیئر! اگر سب کے لئے اچھی سی چائے ہو جائے تو''۔ عثمان نے مسکرا کر کہا۔

''او کے...... ابھی لائی''۔ وہ اٹھ کر کچن میں چل دی۔

''حنا یار! جاؤ حرمین کی ہیلپ کرا دو' وہ بے چاری رات کے اس پہر بھی اکیلے کام کر رہی ہے''۔ حنا سر ہلاتی اٹھ گئی۔ شاید یہ ہی موقعہ اچھا تھا حرمین سے بات کرنے کا وہ اٹھ کے حنا کے پیچھے آ گیا' سب عمیر کے افیئر کے قصے میں مگن تھے اس لئے کسی نے نوٹس نہیں لیا۔ حرمین اور حنا باتیں کر رہی تھیں جب وہ بھی آ گیا۔

''خیریت تھی ناں حارش بھائی''۔ وہ مسکرائی' کتنے ماہ بیت گئے تھے حنا کی شادی کو مگر اس نے آج پہلی بار حارش عالم کے لبوں پر کھلتی مسکراہٹ اور آنکھوں میں خوشی کی چمک دیکھی تھی۔

''بھابی! آپ سے ایک فیور چاہئے''۔

''کیا......؟''

''کیا میں حرمین سے کچھ دیر بات کر سکتا ہوں......؟''

''اوہ ہو...... او کے...... بس چائے بن گئی ہے میں لے جاتی ہوں''۔ حرمین چائے سب کے لئے ڈال رہی تھی حنا ٹرے میں کپ وغیرہ رکھ کر باہر چلی گئی۔

''جلدی آ جایئے گا''۔

''او کے''۔ حارش مسکرا دیا' پھر حرمین کی طرف متوجہ ہوا۔

''کیا کچن میں کھڑے ہو کر ہم پیار بھری باتیں کریں گے''۔ وہ حرمین کے قریب آ گیا۔

''حارش پلیز......'' اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''تم خوش ہو ناں......؟'' اس کے سرخ ہوتے چہرے پر نظریں جمائے بولا تھا وہ حرمین نے شکوہ بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''اب بھی اعتبار نہیں ہے آپ کو......؟'' وہ مسکرا دیا تھا۔

''شاید ہم انسان ہی ناشکرے ہیں' اس رب کی محبت سے مایوس ہو جاتے ہیں' حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ جتنا وہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے' اور دیکھو! ہم دونوں ہی مایوس ہو چکے تھے تب اس نے ہمیں نوازہ اور احساس دلایا کہ ہم غلط تھے جو اس کی رحمت سے مایوس ہو رہے تھے''۔

''ہاں...... لیکن آپ تو خود ہی قدم موڑ گئے تھے اگر کوشش کرتے تو بہت پہلے''۔ وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔

''ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے حرمین! اور ہمارے لئے رب العزت نے یہ ہی وقت مقرر کیا تھا' آئی ایم ہیپی کہ آج میرے چاروں طرف محبت ہے' ہر رشتہ ہے' میرے اندر کی تمام کثافت دھل گئی ہے۔ حرمین! اب ہر طرف صرف روشنی ہے' محبت کی روشنی' اور مجھے محبت کرنا تم نے سکھائی ہے' تمہارے وجود نے پہلی بار مجھے پیار کے معنی بتائے ورنہ میں تو' نفرتوں کے بے اعتباری کے اندھیروں میں گم تھا' تم وہ روشنی کی پہلی کرن ہو جو میرے اندر میری روح میں پیار بن کر اتری۔ تھینک یو' تھینک یو سو مچ''۔ اس نے حرمین کو نرمی سے شانوں سے تھام کر اعتراف کیا تھا۔

''اور آپ کے اس جنون اس دیوانگی نے کب مجھے اپنا اسیر کر لیا' مجھے خود علم نہ ہوا' بس اتنا پتہ تھا حارش کہ آپ کے چہرے پر ہنسی دیکھنا میرے لئے دنیا بھر کی ہر خوشی سے بڑھ کر تھا' اور صرف آپ کی مسکراہٹ کو تا عمر قائم رکھنے کی خواہش کی تھی میرے دل نے''۔ حرمین نے دھیرے سے کہا تھا وہ جذباتی سا ہو گیا اور اسے خود سے بھینچ لیا اور اس کے کشادہ سینے سے لگی حرمین عالم کے دل میں ایک سکون سا اترتا چلا گیا۔

☆

نایاب حسین

ناولٹ

فیصلہ دل کا......

''حورینہ اری او حورینہ' کیا گھوڑے بیچ کر سوئی ہے' صبح سے کتنی آوازیں دے چکی ہوں مگر تمہاری نیند ہی پوری نہیں ہورہی' دیکھ تو سورج سر پر آن پہنچا ہے''۔ نانی اب کے صحیح طیش میں آچکی تھیں۔



''اٹھتی ہوں ناں نانی! ہمارے گھر میں کون سا زیادہ کام ہوتا ہے' ہم دو ہی تو لوگ ہیں' اب صبح صبح اٹھ کر کیا کرنا ہے''۔ وہ کسلمندی سے کروٹ لے کر بولی۔

''نجانے تجھے کب عقل آئے گی' فجر کی نماز پڑھ کر نہیں سونا چاہیے' اب اٹھتی ہے یا لگاؤں دو ہاتھ''۔ نانی کی آواز اب کے اس کے قریب سنائی دی تبھی وہ فوراً اٹھ بیٹھی' سائیڈ پر پڑا دوپٹہ کندھے پر ڈالا اور سلیپر پہننے لگی۔

''جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر صفی کے لئے چائے بنا' بے چارہ کب سے آیا بیٹھا ہے''۔ نانی کی بات سن کر اس کی آنکھیں کھل سی گئیں' تبھی خاموشی سے اٹھ گئی' تھوڑی ہی دیر بعد وہ کچن میں چائے بنانے لگی تبھی نانی اور صفی کچن میں ہی چلے آئے۔

''السلام وعلیکم!'' نانی کے گھورنے پر اس نے سلام کیا۔

''بیٹا! یہ سارا سامان یہیں رکھ دو' حورینہ سنبھال لے گی''۔ نانی' صفی کو لے کر پھر سے اندر چلی گئیں' دس منٹ کے بعد وہ چائے لے کر اندر آئی تو نانی' حورینہ کی شان میں قصیدہ پڑھ رہی تھیں۔ اس نے نانی کو کافی



اِشارے کیے مگر وہ نانی ہی کیا جو اُس کی بات مان جاتیں، تبھی وہ پیر پٹختی وہاں سے اٹھ ہی گئی، صفی کے جانے کے بعد وہ نانی کے پاس آئی جو اَب ٹی وی لگائے خبریں سن رہی تھیں۔

''نانی! میں آپ کو بتا رہی ہوں آئندہ آپ نے صفی کے سامنے مجھے ڈانٹا یا میری انسلٹ کی تو میں گھر کا کوئی کام نہیں کروں گی''۔ وہ دھمکی دیتے ہوئے بولی جبکہ نانی نے اس کی بات سن کر جیسے اپنے کان سے مکھی اڑائی ہو، وہ نانی کی بے توجہی پر آنسو بہاتی سیڑھیوں پر آ بیٹھی، تبھی درمیانی دیوار کے اُس پار کھٹکا ہوا اور فریحہ نمودار ہوئی۔

''اے حوری!'' اس نے حورینہ کو پکارا تو وہ آنسو صاف کرتے ہوئے دیوار کی جانب بڑھی۔

''کیا ہے؟'' وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولی۔

''یار! چلو ناں باغ میں چلتے ہیں، آلو بخارے تو تیار ہونے ہی والے ہیں''۔ فریحہ اسے آلو بخاروں کا لالچ دیتے ہوئے بولی، جانتی تھی کہ یہ اس کی بہت بڑی کمزوری ہیں، تبھی حورینہ سب بھول کر باغ میں جانے کا پروگرام بنانے لگی۔

''دوپہر میں نانی سو جائیں گی تو چلیں گے''۔ حورینہ پرجوش لہجے میں بولی، فریحہ مطمئن ہو کر پھر سے غائب ہو گئی تو وہ بھی دوپہر کے لئے کھانا بنانے لگی۔

☆

''کریم بابا! کیا خیال ہے، اس دفعہ کب تک مال مارکیٹ میں پہنچ جائے گا؟'' اس نے منشی سے پوچھا جو باغ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ لین دین کے معاملات بھی دیکھتا تھا۔

''صفی باؤ! اس دفعہ تو کافی اچھی پیداوار حاصل ہو گی، آپ پھلوں سے لدے درخت دیکھ رہے ہیں، امید تو ہے کہ ایک مہینے کے اندر مال مارکیٹ تک پہنچ جائے گا، اللہ کا کرم ہے جی''۔ کریم بابا عاجزی سے بولے تبھی صفی اثبات میں سر ہلاتا آگے بڑھ گیا۔ کچھ ہی فاصلے پر اسے حورینہ اور اس کی سہیلی نظر آئی، وہ وہیں ٹھٹک کر رک گیا، وہ دونوں کافی سارے آلو بخارے توڑ کر ایک درخت کی چھاؤں میں بیٹھی اب کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔

''ویسے حوری! اگر یہ باغ میرا ہوتا ناں تو پھر تم دیکھتیں''۔ فریحہ للچائی نظروں سے آگے پیچھے دیکھتے ہوئے بولی۔

''یہ میرا تمہارا کیا، جو چیز میری ہے وہ تمہاری بھی اتنی ہی ہے، بس تم یہ یاد رکھا کرو''۔ حورینہ لاپرواہی سے بولی۔

''سچی......'' فریحہ اندرونی خوشی کو چھپاتے ہوئے بھی خوشی کا اظہار کر گئی۔

''جی سچی......'' حورینہ اسی کے انداز میں بولی، پھر وہ دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں جبکہ دور کھڑا صفی اس مہارانی کی فیاضی پر جی بھر کر حیران ہوا۔

☆

''اس بھری دوپہر میں کہاں گئی تھیں تم؟'' گھر میں داخل ہوتے ہی نانی نے غصے سے پوچھا۔

''نانی! میں فریحہ کے ساتھ باغ تک گئی تھی''۔ وہ منمنائی۔

''ہزار بار منع کیا ہے کہ یہ فریحہ کے ساتھ گھومنا پھرنا چھوڑ دے، مجھے یہ اچھلتی کودتی لڑکیاں نہیں اچھی لگتیں، تہذیب تو نام کو نہیں ہے اس لڑکی میں، تجھے بھی خراب کر دے گی''۔ نانی واضح انداز میں اپنی ناپسندیدگی ظاہر کرتے ہوئے بولیں۔

''نانی! ایک ہی تو دوست ہے میری، وہ آپ کو پسند نہیں، تو پھر بتائیں میں کیا کروں، نہ کہیں جانے دیتی ہیں، گھر میں ہی مجھے قید کر لیں''۔ وہ آنسو بہاتے ہوئے بولی۔

''ارے میں نے ایسا کیا کہہ دیا، گھر میں کیوں قید کر کے رکھوں، خیر سے اللہ صفی کو سلامت رکھے، کچھ مہینوں میں اس کا گھر مکمل ہو جائے تو اس کے ساتھ رخصت کرتی ہوں تجھے، بہت سر چڑھا لیا، آج آئے صفی میں کہتی ہوں سنبھالو اپنی امانت کو، مجھ سے نہیں سنبھلتی''۔ نانی کو اس کے آنسو دیکھ کر مزید طیش آ گیا۔

''ہاں بوجھ ہوں ناں پھینک دیں اٹھا کر کہیں بھی، وہ بھی تو آپ کا نواسہ ہے، آپ سے کون سا دو ہاتھ پیچھے ہو گا''۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے باہر نکلی مگر صحن میں موجود صفی کو دیکھ کر اس کی زبان گنگ ہو گئی، شرمندگی الگ محسوس ہوئی، تبھی کچھ بھی کہے بغیر چھت پر چلی گئی۔ صفی نے محترمہ کا انداز ملاحظہ فرمایا اور نانی کے پاس پہنچا، جو ابھی تک حورینہ کے بارے میں سوچے جا رہی تھیں۔

''کیا ہوا نانی؟'' اس نے استفسار کیا، تو نانی اپنی اور حورینہ کے درمیان ہونے والی بات بتانے لگیں۔

''اچھا تو یہ مسئلہ ہے''۔ وہ پُرسوچ انداز میں بولا۔

''نانی! آپ ایسا کریں گاؤں میں جو اسکول نیا کھلا ہے، وہاں اس کو جاب کرنے دیں، میں بات کر لوں گا وہاں کے ہیڈ ماسٹر سے، اگر انہیں ضرورت ہوئی تو آپ کو بتا دوں گا''۔ صفی نے حورینہ کی مصروفیت کا سوچتے ہوئے کہا۔

''مگر بیٹا! میں چاہ رہی تھی کہ اس عید پر تم دونوں کی شادی کر دوں۔ اُدھر تم اپنے گھر اکیلے ہو، ماں باپ رہے نہیں اور یہاں حورینہ اکیلی ہے، مجھ بوڑھی کا ساتھ آخر کب تک ہو گا''۔ نانی نے دلگیر انداز میں اپنی دونوں بیٹیوں کو یاد کیا۔

''نانی! اللہ آپ کا سایہ ہمارے سر پر سلامت رکھے۔ جیسا آپ چاہیں گی ویسا ہی ہو گا''۔ صفی نے اپنے مضبوط ہاتھوں میں ان کے نحیف ہاتھوں کو تھام کر کہا۔

''اللہ خوش رکھے، تم سے بات کر کے دل کو بہت سکون ملتا ہے، اللہ خوشیاں دے''۔ نانی اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

''اب جا کر اسے بھی دیکھوں، رو رو کر آنکھیں سجا لی ہوں گی''۔ نانی نے محبت سے حورینہ کے بارے میں کہا۔

''اچھا نانی! میں اب چلتا ہوں، اب آپ دونوں بھی دوستی کر لیجیے گا''۔ صفی شرارتی انداز میں بولا تو نانی بھی ہنس دیں۔

''تم دونوں کب دوستی کرو گے؟'' نانی نے بھی آخر پوچھ ہی لیا، وہ چونک سا گیا۔

''کیا مطلب نانی؟'' وہ حیرانگی پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

''ارے کچھ نہیں، میں جانتی ہوں تمہارا مزاج ہی ایسا ہے''۔ نانی نے پھر خود ہی توجیح پیش کی۔

''نانی! آپ کو ایک بات بتاؤں، جہاں محبت ہو ناں وہاں سب رشتے موجود ہوتے ہیں، دوستی کا، عزت کا، بس ایک خاص وقت ہوتا ہے جب سب رشتے نظر آنے لگتے ہیں، آپ پریشان نہ ہوا کریں، آپ دونوں ہی میرا سب کچھ ہیں''۔ وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے باہر کی جانب بڑھا تو نانی نے محبت پاش نظروں سے اسے جاتا دیکھا اور پھر چھت پر حورینہ کی جانب چلی گئیں۔

☆

نانی کل سے اس کا تھوڑی تھوڑی دیر بعد رونا دیکھ رہی تھیں۔

''حورینہ! اِدھر آ''۔ نانی نے اسے پاس بلایا، تو وہ کچھ بھی کہے بغیر چلی آئی۔

''آج شام کو راحیلہ کی پوتی ارم کی مہندی ہے، شام کو چلی جانا''۔ نانی کا دل اس کے آنسو دیکھ کر پسیج چکا تھا۔

''سچ نانی......؟'' وہ بے یقینی سے بولی، کیونکہ آج پہلی بار وہ اسے کہیں جانے کی اجازت دے رہی تھیں۔

''مگر نانی! میں کون سے کپڑے پہن کر جاؤں گی؟'' وہ دل گرفتگی سے بولی۔

''تجھے رونے سے فرصت ملے تو تب ناں، صفی اس بار شہر گیا تھا تو میں نے تیرے لئے دو سوٹ منگوا لئے تھے، تو نے تو اتنی زحمت نہ کی کہ دیکھ لے، جا الماری میں

پڑے ہیں''۔ نانی خوشی خوشی بولیں۔

''نانی! پچھلی بار بھی وہ ریڈ سوٹ لے کر آیا تھا' یہ کلر مجھے بالکل پسند نہیں۔ ایک تو یہاں اپنی مرضی کی کوئی چیز بھی نہیں لی جا سکتی''۔ وہ کہتے ہوئے پھر الماری کی جانب بڑھی' سوٹ دیکھے تو وہ پھر ریڈ کلر میں تھے۔

''ایک تو یہ نجانے اپنی پسند کے سوٹ کیوں لے آتا ہے''۔ وہ بڑبڑائی۔

''ارے کوئی ادب لحاظ ہے تجھ میں یا نہیں' وہ کتنا بڑا ہے تجھ سے۔ کل کو گھر والا بن جائے گا تو کیا پھر بھی ایسے تو تڑاخ سے بات کرے گی''۔ نانی ایک بار پھر طیش میں آ گئیں۔

''اچھا سوری ناں نانی! منہ سے نکل گیا تھا''۔ وہ اب نانی کو غصہ نہیں دلانا چاہتی تھی۔

''نانی! یہ پھر وہی رنگ ہیں''۔ وہ منمنائی۔

''ارے شکر کرو وہ بچہ جو کہو لے آتا ہے' اگلی بار اسے اپنی پسند کا رنگ بتا دینا''۔ نانی اگلی بار پر ٹال گئیں تو وہ دانت پیستی ایک سوٹ نکال کر پریس کرنے لگی۔

شام کو وہ جب تیار ہوئی تو نانی نے بطور خاص اس کی نظر اتاری۔

''چلیں ناں نانی! اب آپ بھی تیار ہو جائیں''۔ اس نے نانی کو ایسے ہی بیٹھے دیکھا تو بولی۔

''نہیں بیٹا! میں نہیں جاؤں گی' گھر کو بھی تو خالی نہیں چھوڑ سکتے ناں''۔ نانی مرغیوں کو ڈربے میں بند کرتے ہوئے بولیں۔

''نانی! یہ تو فاؤل ہے' آپ جانتی ہیں میں اکیلی کہیں نہیں جاتی''۔ وہ نانی کے پاس آ کر بولی۔

''ہاں تو اکیلی تھوڑی بھیجوں گی' صفی کو کہہ دیا تھا آنے والا ہو گا' چلا جائے گا ساتھ''۔ نانی تو پورا پروگرام بنا کر بیٹھی تھیں جبکہ دل صفی کے ساتھ جانے کا سوچ کر ہی اپنی رفتار پکڑ چکا تھا' شام سات بجے کے قریب وہ گھر میں داخل ہوا۔

''بیٹا! ذرا جلدی واپس آنے کی کوشش کرنا''۔ نانی نے کمرے میں موجود حورینہ سے کہا' تو وہ چادر اوڑھ کر باہر آ گئی' صفی اپنے لائے گئے سوٹ میں اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا مگر پھر نگاہیں جلد ہی پھیر لیں۔

''جاؤ اللہ اپنی حفظ و امان میں رکھے''۔ نانی نے کچھ پڑھ کر پھونکا اور دل ہی دل میں دونوں کی نظر اتاری۔

✩

اندھیرا مکمل طور پر پھیل چکا تھا' اب صرف جھینگروں اور کہیں کہیں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں' ارم کا گھر گاؤں کے بالکل آخری حصے پر تھا' وہ دونوں پیدل ہی چل رہے تھے' صفی اس سے نامحسوس انداز میں ایک بالشت کے فاصلے پر تھا۔

''آہ......'' حورینہ کی آواز سن کر وہ بے اختیار اس کی جانب پلٹا۔

''کیا ہوا؟'' وہ اسے رکے دیکھ کر بولا۔

''میرا پاؤں پتھر کے ساتھ لگ گیا ہے''۔ آنکھوں میں آئی نمی کو چھپانے کے لئے پلکوں کو جھپکاتے ہوئے بولی۔ صفی نے موبائل کی روشنی میں اس کے پاؤں کو دیکھا' جہاں نوکیلا پتھر لگنے سے خراش سی آ گئی تھی۔ پھر اس نے چادر کو ٹھوڑی کے نیچے سے پکڑے حورینہ کو دیکھا' جو اس کی طرف متوجہ تھی۔

''بچت ہو گئی ہے' کوئی خاص چوٹ نہیں آئی''۔ اس نے ''زیادہ'' کہنے کی بجائے لفظ ''خاص'' پر زور دیا۔ وہ اٹھا اور پتھر اٹھا کر سب سے پہلے سائیڈ پر کیا۔

''اب چلیں''۔ اس نے حورینہ سے پوچھا' تو وہ اثبات میں ہلا گئی تو وہ آگے بڑھا' حورینہ نے اب کی اُس کا دایاں بازو تھام لیا' صفی نے ترچھی نگاہوں سے اپنے بازو پر سجے اس کے ہاتھ کو دیکھا۔

''وہ میں نے ایک کتا پیچھے آتا دیکھا تھا''۔ حورینہ نے بازو پکڑنے کی وجہ بتائی تو صفی کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا اور اب حورینہ کی رفتار صفی سے تیز تھی' حورینہ نے مہندی والے گھر خیریت سے پہنچ کر شکر ادا کیا۔

''ارے آج جہاں آراء نے تمہیں کیسے بھیج دیا' مگر شکر ہے کہ تمہیں بھی کہیں آنے دیا''۔ راحیلہ بانو اسے دیکھتے ہوئے اٹھیں۔ گاؤں کی سبھی عورتیں شوخ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں کیونکہ وہ بہت کم کہیں آتی جاتی تھی۔

''بیٹا! آئی کس کے ساتھ ہو؟'' راحیلہ بانو نے اسے ارم کے کمرے میں لاتے ہوئے پوچھا۔

''جی وہ صفی' میرا مطلب ہے خالہ کے بیٹے صفی اللہ کے ساتھ''۔ حورینہ جھجکتے ہوئے بولی۔

''ماشاء اللہ' ماشاء اللہ''۔ راحیلہ بانو خوامخواہ ہنس کے بولیں۔ یہاں آ کر اسے مزید تنہائی کا احساس ہوا' ہر شخص کی نگاہیں خود پر جمی ہوئی محسوس ہوئیں' تبھی صفی کو پیغام بھجوا کر جلدی واپس آ گئی۔

✩

''حوری! کل تم ارم کی مہندی پر گئی تھیں؟'' فریحہ کچن میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ آج نانی گھر پر نہیں تھیں' وہ ارم کی شادی میں گئی تھیں' حورینہ نے تو جانے سے انکار کر دیا تھا۔

''ہاں کل نانی نے مجھے خود اجازت دی مگر مجھے بالکل مزہ نہیں آیا''۔ وہ مصروف سے لہجے میں بولی۔

''مجھے پتہ ہوتا کہ تم جا رہی ہو تو میں بھی گھر رک جاتی''۔ فریحہ افسوس سے بولی۔

''ہاں مگر تم لوگ تو کل گھر تھے ہی نہیں' لائٹس تو شام کو ہی آف تھیں' تم کہیں گئی ہوئی تھیں''۔ حورینہ ٹماٹر کاٹتے ہوئے بولی۔

''ہاں کل سب صفورہ خالہ کے گھر گئے تھے''۔ فریحہ کاٹے گئے ٹماٹر کا ایک پیس اٹھاتے ہوئے بولی۔

''اچھا......'' حورینہ بغیر تفصیل میں پڑے بولی' تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔

''نجانے کون آ گیا' نانی بھی گھر پر نہیں ہیں''۔ حورینہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

''میں دیکھتی ہوں''۔ فریحہ دروازے کی جانب بھاگی۔ دروازہ کھولا تو سامنے صفی تھا' فریحہ کی باچھیں کھل سی گئیں۔

''جی......'' وہ پراندہ لہراتے ہوئے بولی' صفی اللہ نے بیزاری سے اس کا انداز دیکھا۔

''نانی کو بلاؤ''۔ وہ سنجیدگی سے مگر تحکم بھرے انداز میں بولا۔

''وہ تو گھر پر نہیں ہیں''۔ فریحہ مسکراتے ہوئے بولی' جبکہ صفی اللہ اس کا جواب سن کر کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گیا' تو وہ بھی دروازہ بند کر کے واپس آئی۔

''کون تھا باہر؟'' حورینہ نے پوچھا۔

''صفی باؤ''۔ فریحہ نام بتا کر خاموش ہو گئی۔

''تو پھر......'' حورینہ نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

''تو پھر نانی کا پوچھ کر چلا گیا''۔ فریحہ نے جواب دیا جبکہ حورینہ' صفی کے اس طرح جانے پر حیران ہو گئی کیونکہ پہلے کبھی وہ اس طرح سے نہیں گیا تھا۔

✩

فریحہ گھر آئی تو جہانگیر سامنے ہی بیٹھا نظر آیا۔

''اکیلے آئے ہو' خالہ ساتھ نہیں آئیں؟'' فریحہ نے اِدھر اُدھر دیکھتے پوچھا۔

''نہیں مجھے تجھ سے ایک کام تھا''۔ جہانگیر دھیرے سے بولا۔

''کام کیسا کام؟'' فریحہ حیرانگی سے بولی۔

''وہ تیری سہیلی ہے ناں' کل اسے مہندی پر دیکھا تھا مجھے بڑی اچھی لگی''۔ جہانگیر مسکراتے ہوئے بولا جبکہ فریحہ کے دل کے شیشے پر ایک لائن سی پڑ گئی۔ ابھی کچھ دن پہلے ہی تو اسے اماں اور صفورہ خالہ کی باتوں سے پتہ چلا تھا کہ جہانگیر کا بیاہ اس سے ہو گا۔

''دماغ تو خراب نہیں تمہارا' اس کی بات صفی باؤ سے طے ہے''۔ فریحہ دونوں ہاتھ کمر پر ٹکا کر بولی۔

''صفی باؤ میں ایسی کیا خاص بات ہے جو مجھ میں نہیں' وہ شہر سے سولہ پڑھ کر آیا ہے تو چودہ میں نے بھی

پڑھ رکھی ہیں"۔ جہانگیر کالر اکڑاتے ہوئے بولا۔

"ہاں چودہ فیل"۔ فریحہ کھلکھلا کر ہنسی۔

"دیکھ فریحہ! تو میرا پیغام اپنی سہیلی کو دے اگر وہ مان جاتی ہے تو ٹھیک اور اگر نہ مانی تو میں خود پیچھے ہٹ جاؤں گا"۔ جہانگیر نڈر لہجے میں بولا۔

"اچھا میں کوشش کرتی ہوں' مگر بہت مشکل ہے"۔ فریحہ دل ہی دل میں کچھ اور حساب کتاب میں مصروف ہوگئی جس سے جہانگیر لاعلم تھا۔

اگلے دن وہ پلان کے مطابق حورینہ کے پاس آئی' حورینہ حسب معمول کچن میں کھانا بنانے میں مصروف تھی۔

"حوری! تجھ سے ایک بات کرنی ہے"۔ فریحہ آہستگی سے انگلیاں چٹخاتے ہوئے بولی۔

"ہاں بولو"۔ حورینہ ایک نظر اس کو دیکھ کر بولی۔

"وہ میرا کزن ہے ناں جہانگیر' اس نے مجھے یہ خط دیا ہے"۔ فریحہ کی بات سن کر حورینہ پوری کی پوری اس کی طرف مڑی۔

"تم نے اس کے دو تھپڑ لگانے تھے' منہ پر مارتی اس کے' کیوں لیا تم نے یہ خط' دیکھ فریحہ! عورت کی عزت کانچ کی طرح نازک ہوتی ہے ایک بار یہ شیشہ ٹوٹ جائے ناں تو پھر دوبارہ کبھی نہیں جڑتا"۔ حورینہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی جبکہ فریحہ جو یہ خط حورینہ کے نام لے کر آئی تھی اندر ہی اندر جز بز سی ہوگئی۔

"اچھا اب تو لے لیا ناں' دوبارہ نہیں لوں گی"۔ فریحہ اس کی قیاس آرائی کو درست سمجھتے ہوئے ہی بولی' پھر فریحہ نے وہ خط حورینہ کے منع کرنے کے باوجود اسے سنا بھی دیا' جسے حورینہ نے خاصی بے توجہی سے سنا۔

"اسے کہو اگر وہ اتنا ہی سیریس ہے ناں تو اپنی ماں کو رشتے کے لئے بھیجے"۔ حورینہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی جبکہ فریحہ اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سن کر اندر ہی اندر خوش ہوئی' موبائل تو اس کے پاس ہی تھا اور اُس وقت بھی وہ مختلف بٹنوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔

"اچھا حوری! یہ بتا تم نے میرے کزن کو دیکھ[...] ہے؟" فریحہ نے چہرے پر ایک شوق کا جہاں آبا[...] کرتے ہوئے پوچھا تو حورینہ اس کے انداز پر ہنس پڑی۔

"ہاں دیکھا ہوا تو ہے' ٹھیک ہے پڑھا لکھا بھی ہے"۔ حورینہ نے اپنی رائے دی۔

"بس ٹھیک......؟" فریحہ ٹھنکی۔

"نہیں کافی ٹھیک ہے"۔ حورینہ فراخدلی سے بولی۔

"فریحہ! اس کو تو ایک سائیڈ پر رکھو"۔ حورینہ موبائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"تمہارے صفی باؤ سے اچھا ہے یا نہیں؟" فریحہ کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"فریحہ! یہ کیا بات ہوئی بھلا"۔ حورینہ خفگی سے بولی۔

"اچھا بابا میں اب چلتی ہوں' اُسے پیغام بھی تو د[...] ہے"۔ فریحہ روانی سے بولتے بولتے چپ ہوگئی۔

"کیسا پیغام؟" حورینہ نے استفسار کیا۔

"میرا مطلب ہے' اسے کہوں کہ اپنے رشتے کے لئے اماں کو بھیجے"۔ فریحہ نے بدقت بات بنائی تو حورینہ نے سر ہلا دیا' فریحہ اپنا مطلوبہ مقصد حاصل کر کے لوٹی تھی' موبائل پر کی گئی ریکارڈنگ کو اس نے پھر سنا تو زیر لب مسکرا دی۔

☆

"نانی! آپ کا جانا کیا ضروری ہے؟" صبح سے [...] کوئی دس بار یہ بات دہرا چکی تھی۔

"حورینہ! میری مجبوری کو سمجھ' صفی کو بہت تیز بخار ہے' اگر شام تک اس کی طبیعت ٹھیک ہوگئی تو واپس جاؤں گی' وگرنہ تو فریحہ کو بلا لینا۔ میں اس کی ماں سے کہہ جاؤں گی"۔ نانی اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

"تو آپ صفی کو یہاں لے آئیں ناں"۔ حورینہ نے مشورہ دیا۔

"یہی تو مسئلہ ہے' وہ کبھی یہاں رات رہا ہے کیا۔ دو گھنٹے سے کبھی زیادہ وقت نہیں گزارا اس نے یہاں' وہ جانتا ہے ناں کہ لوگ باتیں بناتے نہیں چوکتے"۔ نانی پریشانی سے بولیں۔

"اچھا تو ایسا کر یخنی بنا دے' جاتے ہوئے ساتھ لے کر جاؤں گی"۔ نانی نے اسے کچن میں کام کا بتایا' تو وہ اٹھ گئی۔ جبکہ نانی خود صفی کی طرف چلی گئیں' تاکہ اس کی خبر لے سکیں۔

"نانی! آپ کیوں آ گئیں' حورینہ اکیلی ہوگی"۔ صفی نقاہت سے بولا۔

"ارے اپنی طبیعت دیکھ رہے ہو' کچھ نہیں ہوتا حورینہ کو' فریحہ رک جائے گی اس کے پاس' میں آج یہیں رہوں گی"۔ نانی مصمم ارادے سے بولیں۔

"اچھا آپ اسے یہ میرا موبائل دے آئیے گا' ضرورت پڑ سکتی ہے"۔ وہ کہتے کہتے بھی ہانپ سا گیا۔

"اچھا' اچھا تم آرام کرو میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں"۔ وہ اسے کہتے ہوئے باہر آ گئیں تاکہ ڈاکٹر کو بلا سکیں۔

☆

دوپہر کو جب نانی واپس آئیں تو کافی پریشان تھیں۔

"کیا ہوا نانی! سب خیریت تو ہے ناں؟" حورینہ بھی پریشان سی ہوگئی۔

"104 بخار ہے' ابھی ابھی ڈاکٹر چیک کر کے گیا ہے' میں اب جا رہی ہوں یہی بتانے آئی تھی' تو فریحہ کو بلا لینا"۔ نانی یخنی لے کر جانے لگیں کہ کچھ یاد آنے پر مڑیں۔

"اور ہاں یہ صفی کا موبائل رکھ لے' کوئی بھی بات کرنی ہو تو صفی کے دوسرے نمبر پر کر لینا"۔ نانی اپنی طرف سے اسے مطمئن کرنے کے لئے بولیں تو اُس نے لاچارگی سے موبائل تھام لیا اور پھر اندر کمرے میں لاپرواہی سے رکھ دیا۔ شام ہوئی تو اس نے فریحہ کو بلا لیا۔

"مجھے آج بہت ڈر لگ رہا ہے' نانی پہلی دفعہ گھر پر نہیں ہیں"۔ حورینہ افسردگی سے بولی۔

"حوری! میں بھی شاید رک نہ سکوں"۔ فریحہ ترچھی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیا کہہ رہی ہو"۔ حورینہ بیٹھے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اماں ابھی ضروری کام سے صفورہ خالہ کے ہاں چلی گئی ہیں' چھوٹے بہن بھائیوں کے پاس مجھے رکنا ہوگا"۔ فریحہ شرمندہ لہجے سے بولی جبکہ حورینہ لب بھینچ کر خاموش ہوگئی' بولی کچھ نہیں۔

"ناراض ہوگئی ہو؟" فریحہ اس کے سامنے کھڑی ہوتے ہوئے بولی۔

"نہیں......" حورینہ نے غصے کو اندر ہی دبا لیا۔ پھر کچھ ہی دیر میں فریحہ چلی گئی۔

رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا' عشاء کی نماز پڑھ کر اس نے باہر کا گیٹ بھی بند کیا اور اندر کمرے کا دروازہ بھی بند کر کے بیٹھ گئی۔ رات تو کسی نہ کسی طرح گزارنی ہی تھی' آیت الکرسی پڑھ کر وہ سونے کی کوشش کرنے لگی اور پھر نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی' رات کے نجانے کس پہر کھٹکا سا ہوا' وہ پل بھر میں بیدار ہوئی' قدموں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی' اس کو پہلا اور بروقت خیال صفی کے موبائل کا ہی آیا۔ بغیر لائٹ آن کیے وہ کپکپاتی ٹانگوں اور ہاتھوں سے موبائل ڈھونڈنے لگی' نجانے اس نے کہاں رکھ دیا تھا' قدموں کی آواز مسلسل آ رہی تھی تبھی حورینہ کو موبائل مل گیا۔ اس نے سیو نمبر سے صفی کا نمبر ملایا جو کہ پہلی بیل پر ہی ریسیو کر لیا گیا۔

"کیا بات ہے حورینہ؟" اسے صفی کی آواز سنائی دی' حورینہ کا جی چاہا کہ وہ کہیں سے سامنے آ جائے۔

"وہ......وہ......" اس سے بات کرنا مشکل ہوگیا۔ صفی رات کے بارہ بجے اس کی آواز سن کر ہی

پریشان ہوگیا۔

''کم آن حورینہ! بولو کیا بات ہے؟'' صفی نے نرمی سے پوچھا۔

''وہ باہر کوئی ہے''۔ حورینہ سرسراتے لہجے میں بولی۔

''اچھا تم فون آن رکھو' میں پہنچ رہا ہوں''۔ صفی کا بخار اب کافی حد تک اتر چکا تھا۔ وہ فوراً سلیپر پہن کر باہر آیا' نانی کو بغیر مطلع کیے وہ باہر بھاگا' آنے والے کو شاید کچھ شک ہوگیا تھا' تبھی وہ بھی بیرونی گیٹ کھول کر باہر بھاگا۔

صفی جس وقت وہاں پہنچا' اسے بیرونی گیٹ کھلا ہوا ملا' وہ کمرے کے دروازے کے پاس پہنچ کر رک سا گیا' ہلکا سا دروازہ بجایا مگر اندر سے کوئی آواز سنائی نہ دی۔

''حورینہ! دروازہ کھولو''۔ صفی نے ہولے سے دروازہ کھٹکھٹا کر کہا' حورینہ کی جان میں جان آئی' اس نے دروازہ کھول دیا اور پھر ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی' صفی نے کمرے کی لائٹ آن کی اور پانی کا گلاس اسے تھما کر خود بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''آپ کو میری کوئی پرواہ نہیں' اگر آج مجھے کچھ ہو جاتا' میرا ہارٹ فیل ہو جاتا' پھر آپ لوگ کیا کرتے''۔ وہ شدید ڈر و خوف کا شکار ہوگئی تھی۔

''کہا بھی تھا نانی سے کہ نہ جائیں' مگر نہ نانی نے میری بات مانی اور نہ آپ نے اُن کی بات مانی''۔ وہ روتے ہوئے مسلسل بولے جا رہی تھی جبکہ وہ بہت خاموشی سے اسے سنے جا رہا تھا' فکر تو اسے بھی ہوئی تھی۔

''کس کی اتنی جرات ہوئی تھی کہ وہ صفی اللہ کے گھر کی طرف دیکھ سکے''۔ باہر کا کھلا گیٹ بھی اسے نجانے کیا کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا' صفی نے حورینہ سے کچھ بھی نہ پوچھا۔

''تم سو جاؤ' میں یہیں ہوں' نانی صبح آ جائیں گی''۔ صفی متانت سے بولا۔

''نن...... نہیں۔ آپ کی طبیعت خراب تھی' آپ جا کر آرام کریں' میں اکیلی رہ لوں گی''۔ وہ انگلیاں چٹخاتے ہوئے بولی۔

''دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا جو تمہیں پھر چھوڑ کر......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک سا گیا' حورینہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''اچھا جاؤ چائے ہی بنا لاؤ''۔ صفی نے اس کے کھلے منہ کو جو حیرت سے اسے ہی دیکھ رہی تھی فرمائش کی۔ (رات تو کسی نہ کسی طرح گزارنی ہی تھی ناں)

''میں باہر نہیں جا رہی''۔ حورینہ نے خفگی سے انکار کیا۔ صفی بھی جواباً خاموش رہا' پھر سے بخار محسوس ہونے لگا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا' حورینہ نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ اب وہ بھلا کیا کر سکتی تھی' وہ بھی وہیں بیٹھ گئی۔

☆

صبح چڑیوں کے چہچہانے کی آواز سنائی دی تو حورینہ نے سب سے پہلا کام اسے چائے کے ساتھ سر درد کی گولی دینے کا کیا۔ جسے اس نے بغیر کچھ کہے تھام لیا' نانی بھی صفی کو وہاں موجود نہ دیکھ کر یہیں چلی آئیں۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' نانی' صفی کو یہاں دیکھ کر حیران رہ گئیں' جبکہ صفی ان کے انداز پر جز بز سا ہو گیا' تبھی مختصراً انہیں رات والا واقعہ سنا دیا' جسے سن کر نانی بھی پریشان سی ہو گئیں' تبھی حورینہ کو بے اختیار اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

''نانی! میں چلتا ہوں' معلوم کرتا ہوں پھر آؤں گا''۔ وہ بھی اب اٹھ گیا۔

☆

''فریحہ! اگر تم مجھے نہ روکتیں تو میں نے بچنا نہیں تھا''۔ جہانگیر سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔

''ہاں مجھے بھی عین وقت پر پتہ چلا' مگر پھر بھی بچت ہو گئی' مگر اسے اطلاع کس نے دی؟'' فریحہ سوچ

میں گم تھی۔ کیونکہ وہ خود صفی کو موقع پر بلانا چاہتی تھی مگر صفی کے دونوں نمبر مصروف تھے۔

''اب بتاؤ میں کیا کروں' میں اس سے ملنا چاہتا ہوں' تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ وہ بھی ملنا چاہتی ہے''۔ جہانگیر کا ذہن ابھی بھی وہیں اٹکا ہوا تھا۔

''اچھا ابھی تو جاؤ' سوچ کر بتاؤں گی''۔ فریحہ نے فی الفور اسے ٹالا اور پھر بہت سوچ کر صفی کا نمبر ملایا جو اُس نے کافی مشکل سے حاصل کیا تھا۔

''صفی باؤ! آپ کو کچھ بتانا تھا''۔ فریحہ سنجیدگی سے بولتی چلی گئی۔

''کیا بکواس کر رہی ہو تم؟'' صفی کا خون کھولنے لگا۔

''بکواس نہیں کر رہی' حقیقت بتا رہی ہوں' حورینہ نے جہانگیر کو خود بلوایا تھا' اس کے علاوہ بھی میرے پاس پکے ثبوت ہیں''۔ فریحہ جیسے آج ہی فیصلہ کرنا چاہتی تھی' صفی کی آنکھوں میں اپنے لئے تضحیک وہ کبھی نہیں بھولی تھی' وہ اسے اچھی لڑکی نہیں سمجھتا تھا۔

''تم نانی کی طرف پہنچو' میں آ رہا ہوں''۔ صفی غراتے ہوئے بولا۔ ایک پل کو تو فریحہ بھی سہم گئی' مگر پھر فون بند کر کے جہانگیر کو یہاں پہنچنے کا کہا اور خود حورینہ کی طرف پہنچ گئی۔

☆

باہر سے مسلسل آوازیں آ رہی تھیں اور اندر وہ کمرے میں بند روئے جا رہی تھی۔ اتنی تذلیل تو اس نے کبھی زندگی میں نہیں سوچی تھی۔ حبیب چچا بھی آج خاندان کے بڑے کی حیثیت سے موجود تھے' نجانے انہیں کس نے بلایا تھا' تبھی اسے دو لوگوں کے درمیان ہاتھا پائی کی آواز سنائی دی۔

''بس کرو تم دونوں......'' حبیب چچا کی سرد آواز سن کر وہ اندر بیٹھی کانپ سی گئی۔

''فریحہ! تم بتاؤ سب''۔ حبیب چچا نے فریحہ سے پوچھا۔

''اگر وہ اتنا ہی سیریس ہے ناں تو اپنی ماں کو رشتے کے لئے بھیجے۔ ہاں دیکھا ہوا تو ہے۔ ٹھیک ہے' پڑھا لکھا بھی ہے''۔ حورینہ کو اپنی آواز باہر سنائی دی۔

''بس ٹھیک...... نہیں کافی ٹھیک ہے''۔ فریحہ کے ساتھ حورینہ کی آواز دوبارہ سنائی دی' اندر جہاں حورینہ سکتے کی سی کیفیت میں تھی وہیں باہر موجود ہر شخص سوائے فریحہ کے اس ننھے سے موبائل کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے کوئی موذی جانور ہو' فریحہ' صفی کو دیکھ کر دل ہی دل میں مسکرائی' ایک پل کو دونوں کی نگاہیں ملیں مگر فریحہ' صفی کے چہرے سے کچھ بھی نہ جانچ سکی۔

''تم بتاؤ' کب سے یہ چکر چل رہا ہے؟'' حبیب چچا کی آواز اور الفاظ آرے کی طرح صفی کے دل پر لگے' صفی لب کاٹتا رہ گیا۔

''یہ پیغام لے کر آتی تھی' میں نے تو بس ایک بار خط لکھا تھا' میری کبھی ڈائریکٹ بات نہیں ہوئی۔ فریحہ نے اس کا بس یہ پیغام دیا تھا کہ اپنی ماں کو شریفوں کی طرح رشتے کے لئے بھیجو''۔ اندر بیٹھی حورینہ اس الزام کا تانا بانا بننے لگی' وہ بس ایک شخص کی آواز سننا چاہتی تھی جو آج نجانے کیوں خاموش تھا۔

''اتنا بڑا دھوکا اسے کس نے دیا تھا' اس کی معصومیت سے فائدہ کس نے اٹھایا تھا' فریحہ نے کتنی بڑی گیم کھیلی تھی' اُس کے ساتھ ساتھ جہانگیر کو بھی بے وقوف بنا ڈالا' نانی کیسے یہ توہین برداشت کریں گی' ٹھیک کہتی تھیں نانی دوستی دیکھ بھال کر کرنی چاہیے' جب بھی میں نے نانی کی بات نہیں مانی اس کا نتیجہ مجھے بھگتنا پڑا''۔ حورینہ کے پاس اب سوائے آنسوؤں کے کچھ نہ بچا تھا۔

''بلاؤ حورینہ کو' ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا''۔ حبیب چچا کی آواز اسے حقیقت میں لے آئی۔

''میں جانتا ہوں وہ بے قصور ہے' معصوم ہے' اسے نہایت چالاکی سے ٹریپ کیا گیا ہے' اسے بلانے کی کوئی ضرورت نہیں''۔ صفی مضبوط لہجے میں بولا۔

”یہ ریکارڈنگ سن کر بھی اس پر یقین کر رہے ہو“۔ حبیب چچا نے فریحہ کی طرف اشارہ کیا۔

”دیکھ پتر! فیصلہ دونوں کی بات سننے کے بعد ہو گا“۔ حبیب چچا اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

”فیصلہ تو ہو چکا چاچا! میرا دل گواہی دیتا ہے‘ اس کا اِس معاملے سے رتی برابر بھی تعلق نہیں‘ میں آنکھیں بند کر کے بھی اس کا یقین کرتا ہوں“۔ صفی‘ فریحہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

”تم بتاؤ اگر جہانگیر کو حورینہ نے بلایا تھا تو پھر یہ بھاگا کیوں تھا؟“ صفی‘ فریحہ کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا۔

”کیونکہ تم آ گئے تھے صفی باؤ!“ فریحہ گڑبڑا کے بولی۔

”اور میں کیسے آیا تھا؟“ صفی جواباً تیزی سے بولا۔

”مجھے حورینہ نے بلایا تھا‘ سنا تم نے حورینہ نے مجھے بلایا تھا‘ اگر وہ جہانگیر کو بلا چکی تھی تو پھر اُس نے مجھے کیوں بلایا؟“ وہ دھاڑا اور فریحہ اس کی دھاڑ سن کر گرتے گرتے بچی‘ تبھی دروازہ کھول کر حورینہ باہر آئی‘ وہ سیدھی فریحہ کی جانب بڑھی اور دو تھپڑ اس کے چہرے پر رسید کیے‘ صفی کے یقین سے اسے حوصلہ ہوا تھا۔

”سچ تم خود بتاؤ گی یا میں بتاؤں“۔ فریحہ کی نگاہیں اتنے لوگوں کے درمیان شرمندگی سے جھکتی چلی گئیں اور وہ اب خود ایک ٹیپ ریکارڈر کی طرح بولنے لگی۔

”میں تمہیں صفی باؤ کی نظروں میں گرانا چاہتی تھی‘ اسے تجھ پر بہت مان تھا‘ مجھ سے یہ سب دیکھا نہیں جاتا تھا“۔ وہ ٹپ ٹپ آنسوؤں کے ساتھ بولتی چلی گئی‘ نانی چیل کی طرح اس پر جھپٹیں‘ صفی نے بمشکل انہیں قابو میں کیا اور پھر دونوں کے والدین کو بلا کر انہیں حقیقت بتائی گئی‘ فریحہ نے ماں کو کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا تھا تبھی وہ لوگ چند دنوں کے اندر ہی گاؤں چھوڑ کر چلے گئے‘ نانی نے تو جیسے سکھ کا سانس لیا۔

☆

”نانی! میں بہت بری ہوں ناں“۔ حورینہ‘ نانی کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی۔

”نہیں بیٹا! تم تو میری سب سے پیاری بیٹی ہو‘ تم اور صفی تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو‘ میرے دل کا چین ہو‘ تم دونوں کو تو دیکھ دیکھ کر جیتی ہوں‘ حورینہ میں نے صفی کو شام کو بلایا ہے اب میں کسی کام میں دیر نہیں کرنا چاہتی“۔ نانی اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولیں۔

”کون سا کام نانی؟“ حورینہ بے چینی سے بولی۔

”رمضان بھی اس ہفتے کے آخر میں شروع ہو جائے گا‘ تو اس سے پہلے پہلے تم دونوں کا نکاح کر دوں گی اور رخصتی عید کے بعد ہو جائے گی۔ میں اب جلد از جلد اپنے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتی ہوں“۔ نانی مسکراتے ہوئے بولیں۔

”نانی! میں آپ کے لئے چائے بنا لاؤں“۔ حورینہ نے نانی کی گود سے سر فوراً اٹھایا اور کھسکنے والی بات کی۔

”ہاں بنا لاؤ“۔ نانی اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بولیں تو وہ کچن میں چلی آئی‘ اپنی اور نانی کے لئے چائے بنا کر ٹرے میں رکھی ہی تھی کہ باہر دروازہ بجا۔

”حوری! دیکھ تو کون آیا ہے؟“ نانی نے اندر کمرے سے ہی آواز لگائی۔

”اچھا نانی!“ وہ چائے کی ٹرے وہیں رکھ کر دروازہ کھولنے آئی تو سامنے صفی کھڑا تھا‘ اس دن کے بعد وہ آج آیا تھا‘ حورینہ نے ایک سائیڈ پر ہو کر اسے اندر جانے کا راستہ دیا‘ وہ مضبوط قدموں سے اندر کی طرف بڑھ گیا تو وہ بھی دروازہ بند کر کے کچن میں چلی آئی۔

چائے پینے کا موڈ ختم ہو گیا تھا‘ تبھی اپنے لئے بنائی

گئی چائے صفی کے لئے لے گئی۔ نانی چائے کافی میٹھی پینے کی شوقین تھیں جبکہ وہ بغیر چینی کے چائے پیتی تھی مگر ساتھ کچھ نہ کچھ میٹھی چیز لے لیتی تھی‘ مگر چائے پھیکی ہی پیتی‘ اور آج بے دھیانی میں وہ پھیکی چائے صفی کے حصے میں آئی۔ وہ تو خود باہر آ گئی تھی۔ نانی اور صفی کے بولنے کی آہستہ آہستہ آوازیں آ رہی تھیں تبھی اسے بغیر چینی کے چائے کا کپ یاد آیا‘ وہ فوراً اندر آئی۔

”کیا ہوا حوری؟“ نانی نے سوالیہ نظروں سے پوچھا۔

”کچھ نہیں......“ حورینہ چائے کا خالی کپ دیکھ کر خاموش ہو گئی اور نفی میں سر ہلا کر پھر باہر آ گئی۔

”پتہ نہیں اس لڑکی کو کیا ہوتا جا رہا ہے‘ بولائی بولائی سی پھرتی ہے“۔ نانی اب کے صفی سے مخاطب ہوئیں۔

”یہ شخص اتنا اچھا کیوں ہے کہ نگاہیں عزت سے جھک جاتی ہیں“۔ حورینہ‘ صفی کو ہی سوچے جا رہی تھی۔ صفی نے جاتے ہوئے بس ایک نگاہ گم صم سی حورینہ کو دیکھا۔

تیری آنکھوں کی اجازت سے اٹھیں گی میری پلکیں
دیکھنے کا حق لے کے تجھے دیکھوں گا

”حوری! اس جمعہ کو سادگی سے نکاح ہو گا“۔ نانی نے اسے مطلع کیا اور خود اندر اس کے لئے لیا گیا سامان جو وہ وقتاً فوقتاً خریدتی رہتی تھیں وہ دیکھنے میں مصروف ہو گئیں جبکہ وہ بے جان سی وہیں کھڑی رہ گئی۔

”اندر آ جاؤ اب تم بھی‘ شام ہونے والی ہے“۔ نانی نے اسے اندر سے پکارا تو وہ ان کی آواز سن کر اٹھ گئی۔

☆

نانی کی تیاریاں عروج پر تھیں‘ جمعہ کی شام وہ حورینہ صفی اللہ بن گئی اور اسی شام رمضان کا چاند بھی نظر آ گیا‘ صفی تو نکاح کے بعد فوراً ہی چلا گیا کیونکہ آج بھی کچھ سامان مارکیٹ بھجوانا ضروری تھا‘ نانی بہت خوش تھیں۔

”نانی! میں چھت پر سے ہو آؤں؟“ حورینہ نے نانی سے اجازت مانگی۔ نانی نے خوشی میں اسے چھت پر جانے کی اجازت دے دی‘ وہ چھت پر چلی آئی۔ چاند تو اسے نظر نہ آیا مگر اس نے دل ہی دل میں ڈھیروں دعائیں مانگ ڈالیں‘ تبھی کھٹکا سا ہوا اور صفی کچھ سامان اوپر بنے کمرے میں رکھوانے چلا آیا‘ اسے یہاں کھڑا دیکھا تو اُس کی طرف خود کو بڑھنے سے روک نہ پایا‘ رشتہ کیا بدلا تھا اُس کے دیکھنے کا انداز ہی بدل گیا‘ حورینہ پزل سی ہو گئی‘ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو مروڑتے وہ سر کو مزید جھکا گئی۔

”صفی پلیز......!“ جب کچھ دیر بعد بھی وہ کچھ نہ بولا تو حورینہ کو مجبوراً بولنا پڑا‘ صفی نے دائیں ہاتھ سے اس کے چہرے کو ٹھوڑی سے اوپر اٹھایا‘ حورینہ کی آنکھیں آنسوؤں سے جل تھل تھیں۔

”آج یہ بن موسم برسات کیوں؟“ صفی کی آواز طلسم کی طرح ماحول پر چھا گئی۔

”میں اس قابل نہیں تھی جس قابل آپ نے بنا دیا ہے‘ میرا اعتماد کرچی کرچی ہو گیا تھا مگر آپ نے مجھ پر اعتبار کر کے مجھے معتبر کر دیا“۔ وہ نم لہجے میں بولتی چلی گئی۔

”جس سے محبت ہو اُس کا اٹھتا ہر قدم دل کو باخبر کرتا ہے‘ اور تمہارے لئے گواہی تو میرے دل نے دی تھی“۔ نانی کی آواز سن کر صفی خاموش سا ہو گیا۔ وہ اسے پکار رہی تھیں‘ وہ نانی کی پکار پر نیچے اترنے لگی‘ جبکہ صفی وہیں کھڑا اسے دھیرے دھیرے نیچے اترتا دیکھنے لگا۔

☆

آج ستائیس رمضان تھا‘ گرمی اپنے عروج پر تھی‘ صفی پورے رمضان نہیں آیا تھا‘ نانی بھی پریشان سی ہو گئیں‘ تبھی آج خاص طور پر خود اس کے گھر چلی آئیں۔

”شاباش ہے صفی! اب بوڑھی نانی کو اپنی شکل دکھانے سے بھی ترساؤ گے‘ اتنے دنوں سے تم کہاں تھے

نکاح کے بعد آج تمہاری شکل دیکھی ہے"۔ نانی اس کے کمرے میں بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"میں شرمندہ ہوں نانی! دراصل گھر ٹھیک کروا رہا تھا تو آنا نہیں ہوسکا' آج شام کو ضرور آؤں گا"۔ صفی ان کے دونوں ہاتھوں کو چومتے ہوئے بولا۔

"بیٹا! میری حوری کا خیال رکھنا' میں تو نجانے کب تک ہوں"۔ نانی اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"کیسی باتیں کررہی ہیں نانی! اللہ آپ کو لمبی زندگی دے"۔ وہ انہیں اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولا۔

"جیتے رہو۔ اچھا اب میں چلتی ہوں' افطاری پر ضرور آنا"۔ وہ اسے پھر یاد دلاتے ہوئے بولیں تو وہ سر اثبات میں ہلاتا ہوا ساتھ ہی اٹھا۔

"آئیں آپ کو چھوڑ دوں"۔ وہ انہی کے ساتھ باہر آیا اور پھر گھر کے دروازے تک چھوڑ کر خود آگے بڑھ گیا۔

"حوری! آج کچھ خاص بنالینا' صفی بھی افطاری پر ساتھ ہوگا"۔ نانی عصر کے بعد تسبیح کرتے ہوئے بولیں۔

"اچھا نانی!" وہ پکوڑے بناتے ہوئے بولی۔ تھوڑی ہی دیر میں افطاری کا وقت ہوگیا۔

"نانی! میں کچن میں ہی افطاری کرلوں گی"۔ حوریہ منمنائی۔

"ارے وہ بچہ اکیلا افطاری کرے گا کیا"۔ نانی نے اسے گھرکا۔

"آپ بھی تو باہر ہی ہوں گی ناں"۔ حورینہ پھر بولی جبکہ باہر بیٹھا صفی اس کا گریز سمجھ رہا تھا' تبھی روزہ کھلنے کا اعلان ہوا تو طوعاً کرہاً اسے باہر آنا پڑا' صفی کو سلام کرکے وہ بھی نانی کے ایک جانب ٹک گئی۔ چاروناچار افطاری کرکے وہ سب سے پہلے چٹائی سے اٹھی۔ صفی کی وقتاً فوقتاً خود پر پڑتی نگاہ اسے کنفیوژ کررہی تھی اور پھر وہ اس کے جانے کے بعد ہی باہر آئی' جہاں نانی بیٹھی تھیں۔

"کل تیار رہنا' صفی کہہ گیا ہے کہ اپنی پسند سے شاپنگ کرلینا"۔ نانی کی یہ بات سن کر اس کے چودہ طبق روشن ہوگئے۔

"نانی! میں کہیں بھی نہیں جارہی' انہیں کہیں اپنی پسند کا لے آئیں"۔ حورینہ کہہ کر اندر چل دی۔

"ارے پھر تو کہے گی کہ لال رنگ اٹھا لایا ہے"۔ نانی نے اسے گھرکا۔

"تو شادی پر لال رنگ ہی پہنتے ہیں"۔ وہ اندر ہی اندر بڑبڑائی۔

☆

نانی نے تو لگتا تھا کہ صفی کو منع ہی نہیں کیا' تبھی تو وہ آج گاڑی لے کر پہنچا ہوا تھا۔

"نانی! میں نے آپ کو منع بھی کیا تھا"۔ حورینہ دبے لہجے میں بولی تاکہ آواز صفی تک نہ پہنچ پائے' نانی نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ تھی۔

"چلو اٹھو چادر کرلو تم"۔ نانی اسے کہہ کر پھر سے صفی کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگئیں۔ وہ چادر اوڑھ کر گاڑی میں بیٹھ گئی تو صفی بھی نانی سے اجازت لے کر گاڑی کی طرف بڑھا اور گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔ شاپنگ کے دوران صفی نے صرف اس کی پسند کی چیزیں لیں' سوائے ضروری بات کے وہ خاموش ہی رہا' حورینہ حیران سی اس کا انداز دیکھ رہی تھی۔

"آپ ناراض ہیں مجھ سے؟" بالآخر حورینہ کو بولنا پڑا۔

"تم نے نانی کو کیوں منع کیا تھا کہ تم میرے ساتھ نہیں جاؤ گی؟" صفی کی سنجیدگی سے پُرآواز سنائی دی' حورینہ جہاں کی تہاں رہ گئی۔

"جہاں میں موجود ہوں تم وہاں آنا نہیں چاہتیں' میرے ساتھ جانا نہیں چاہتیں' میں کیا سمجھوں کیوں' کیا میں تمہارے قابل نہیں؟" وہ نئی نئی دفعات اس پر لگا رہا تھا۔

"یہ آپ کیسی باتیں کررہے ہیں؟" حورینہ جل تھل آنکھوں کے ساتھ بولی' ڈرائیونگ کرتے ہوئے صفی نے محتاط سے انداز میں اسے دیکھا' وہ تو اقرار سننا چاہتا تھا' گاڑی گاؤں کی حدود میں داخل ہوچکی تھی۔

"آپ نے مجھے مان دیا' آنکھیں بند کرکے میری پاکیزگی پر یقین کی مہر ثبت کی' میری نگاہوں میں آپ کی عزت پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی ہے"۔ گھر کے سامنے گاڑی رک گئی تھی۔ وہ اترنے لگی' جبکہ صفی تو ابھی مزید اسے سننا چاہتا تھا۔

"محبت کرتی ہوں آپ سے......" حورینہ دروازہ کھول کر فوراً باہر نکلی تھی جبکہ صفی کو صرف یہی بار بار سنائی دے رہا تھا جو حورینہ گاڑی سے اترتے وقت کہہ گئی تھی' وہ مسرور سے انداز میں آگے بڑھا۔

سارا سامان گاڑی میں ہی رہ گیا تھا' اپنی اپنی سوچوں میں دونوں کو ہی یاد نہ رہا' نانی شاپنگ کا پوچھتی رہ گئیں مگر حورینہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

☆

"السلام وعلیکم نانی!" وہ کافی سارے شاپرز اٹھائے گھر میں داخل ہوا۔

"وعلیکم السلام! یہ سب کیا ہے صفی؟" نانی اس کے ہاتھوں میں شاپرز دیکھتے ہوئے بولیں۔

"نانی! یہ سارا سامان کل گاڑی میں ہی رہ گیا تھا' سوچا آج دے آؤں"۔ وہ حورینہ کی تلاش میں نگاہیں دوڑاتے ہوئے بولا۔

"اچھا اچھا' میں تو حوری سے پوچھتی رہ گئی مگر اس نے کوئی جواب ہی نہ دیا۔ کل سے چپ چپ ہے' کوئی بات تو تم دونوں میں نہیں ہوئی؟" نانی نے صفی سے پوچھا۔

"نہیں نانی! ایسی تو کوئی بات نہیں"۔ اتنے میں عید کا چاند نظر آنے کی اطلاع دی جانے لگی۔

"نانی! حورینہ کہاں ہے؟" بالآخر صفی نے پوچھ ہی ڈالا۔

"وہ تو کب سے چھت پر گئی ہوئی ہے"۔ نانی اب کمرے کی طرف جارہی تھیں۔

"میں دیکھتا ہوں اسے"۔ صفی کہہ کر اوپر کی جانب بڑھا۔ جہاں وہ منڈیر کے ساتھ کھڑی آسمان پر نجانے کیا تلاش کررہی تھی۔

"کہاں گم ہو نادان لڑکی!" صفی کی آواز اسے اپنی سماعتوں کے بالکل پاس سنائی دی' وہ ایک جھٹکے سے مڑی تو اس سے ٹکرا گئی' تبھی نامحسوس انداز میں پیچھے ہٹی۔

"سوری......" حورینہ کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

"سوری...... فار واٹ؟" صفی نے اچنبھے سے پوچھا۔

"وہ مجھے پتہ نہیں چلا کہ آپ......" اس سے کوئی بات ہی نہ بن پائی تبھی صفی قہقہہ لگا کر ہنسا' وہ جھینپ گئی' صفی منڈیر سے ٹیک لگا کر بالکل اس کے سامنے آ کھڑا ہوا' اور اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے تھام لیا۔

"آج یقین ہوچلا ہے کہ تم میری ہوچکی ہو' یکدم ہی میرے مقدر کی ساری روشنیاں تمہاری ہتھیلی کی لکیروں میں سج سی گئی ہیں"۔ وہ اس کی نرم و نازک سی ہتھیلی کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"میری محبت کا ستارا جگنو بن کر تمہاری پیشانی پر چمکنے لگا ہے"۔ اب کے صفی کی نگاہیں اس کی پیشانی پر پھسلنے لگیں' جبکہ حورینہ سے اس کی محبت کے جواب میں نگاہیں اٹھانا دوبھر ہوگیا۔ صفی نے اسے اپنے مضبوط حصار میں لے لیا تھا' حورینہ نے اس کی یقین اور محبت بھری مسکراہٹ کے جواب میں اپنی محبت اور وفا اُس شخص کے نام کردی جس نے دل کی گواہی پر اسے یقین بخشا تھا۔

☆

روشنی فاطمہ

افسانہ

مہک اٹھی عید

"تمہارے کینیڈا والے بھائی کا فون نہیں آیا بہت دنوں سے؟" میں نے یہ سوال پوچھ کر روبینہ کے چہرے پر اضطراب بکھیر دیا تھا۔

"ہاں آیا تھا...... کل میں تمہیں بتانا بھول گئی تھی"۔ اس کے لہجے کی لڑکھڑاہٹ سے صاف ظاہر تھا کہ وہ سچ نہیں کہہ رہی ہے۔

"اچھا کیا کہہ رہے تھے وہ؟" میں نے اس کی گڑبڑاہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے مزید پوچھا۔

"بس حال احوال ہی لے سکی پھر...... کال ہی ڈسکنیکٹ ہوگئی"۔ برتن دھو کر ریک میں رکھتے ہوئے وہ مزید جھوٹ بولی تھی۔

"آج کیا بنانے کا اردہ ہے افطاری میں؟" مسکراہٹ کو دباتے ہوئے میں نے اسے مزید پریشان کرنے کا ارادہ ترک کر کے موضوع بدل دیا۔

"فروٹ چاٹ بنانی رہ گئی ہے بس' چھولے' دہی بڑے تو میں نے پہلے ہی بنا لیے تھے"۔

"اوہو! اتنا اہتمام؟ کیا دعوت ہے کسی کی؟" میں نے استہزائیہ انداز میں کہہ کر پھر تیر پھینکا اور قدیم زمانے کی ڈائننگ چیئر سے اٹھ کر کچن میں اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔

"آج میرے اسٹوڈنٹ کی دعوت ہے' بہت بریلینٹ اسٹوڈنٹ ہے' میٹرک بورڈ میں ٹاپ کیا ہے اس نے اور اپنی کامیابی کا سارا کریڈٹ وہ مجھے دیتا ہے"۔ تفاخر سے کہتے ہوئے اس کی گردن اکڑ گئی۔ فروٹ کی باسکٹ اور چھری اس کے ہاتھ سے لے کر میں بادل نخواستہ دوبارہ اسی پرانی کرسی پر آ بیٹھی۔ اس کی کچی خوشی مجھ سے ہضم نہ ہو رہی تھی' میں یونہی اندر ہی کڑھتی گھر کا تنقیدی جائزہ لینے لگی۔ لاؤنج میں دائیں جانب پرانا صوفہ سیٹ رکھا ہوا تھا۔ جس کا فوم جگہ جگہ سے ادھڑ رہا تھا' پرانی پھیکے رنگ کی مگر صاف چادر ڈال کر صوفے کو قدرے بہتر بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔

عیب دار چیزوں کو عمدگی سے چھپانا روبینہ کو خوب آتا تھا۔ بائیں کونے میں کسی کباڑیے سے خریدی گئی پرانی سائیڈ ٹیبل کڑھائی والے سفید کپڑے کو ڈھک کر اس پر سیکنڈ ہینڈ چودہ انچ کا چھوٹا کلر ٹی وی رکھا ہوا تھا۔ اس پر رکھے ہوئے پھولوں کے بوکے کو دیکھ کر میں یکدم ہی چونک گئی۔

"کون اس 42 سالہ چھوٹے قد کے گہرے سانولے رنگ کی عورت پر مہربان ہوسکتا ہے جس نے اسے بوکے دے ڈالا تھا۔ یقیناً نظر کمزور ہوگی یا پھر نابینا ہوگا۔ میں دل ہی دل میں جل کر راکھ ہوئی جا رہی تھی تب ہی روبینہ بنا آہٹ چلی آئی۔

"راحیلہ! آج کہاں کھوئی ہوئی ہو۔ اب تک فروٹس بھی نہیں کاٹے تم نے"۔ سارے پھل باسکٹ میں جوں کے توں دیکھ کر وہ حیرت بولی۔

"کیا آسٹریلیا والی خالہ یاد آگئی یا ڈیفنس والے چچا کی یاد ستانے لگی"۔ اس کے بظاہر سادہ سے لہجے میں چھپے طنز کو جان کر مجھے بہت غصہ آیا تھا' پر ہمیشہ کی طرح پی گئی۔

"نہیں بس یونہی اچانک ان پھولوں پر نظر پڑی تو......"

"اوہ اچھا! یہ فیضان رضا نے دیا تھا جس دن اس کا رزلٹ آؤٹ ہوا تھا۔ ٹیچر کے قدر دان اسٹوڈنٹ بھی اب کم یاب ہوگئے ہیں"۔

"ہاں یہ تو ہے"۔ اس کی پہلی بات پر میں نے تائید کی تھی۔ بہت کم ہی ایسا ہوا کرتا تھا کہ میں اس کی یا وہ میری کسی بات پر ہاں میں ہاں ملائے۔ زیادہ تر دونوں کی یہ ہی کوشش ہوتی تھی کہ ہر بات میں اختلاف کا پہلو نکال کر بات کو رد کر دیا جائے۔

"اور تم سناؤ' ڈیفنس والے چچا نے چکر نہیں لگایا؟" کیلے چھیلتے ہوئے ہلکی سی تمسخرانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے بات برائے بات پوچھا تھا ورنہ اسے بھلا میرے چچا سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی۔ اس کی بات پر میں چند لمحے کچھ بول ہی نہ سکی۔

"نہیں وہ تو...... اسلام آباد گئے ہوئے ہیں' جانے سے پہلے آئے تھے"۔ میں نے خود کو قدرے سنبھال کر



کہااور جلدی جلدی سیب کی پھانکیں کرنے لگی۔

''اچھا! تم نے ملوایا بھی نہیں، پچھلی بار بھی تم سے کہا تھا ملوانے کو''۔ وہ شکایت کرنے لگی۔ عینک کے پیچھے چھپی اس کی شاطر نگاہیں میرے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میں بھی خوب سمجھتی تھی اسے، سب دِکھاوا تھا، خوش خلقی کے ڈھونگ تھے۔

''میں آئی تھی تمہارے گھر پر، تم نہیں تھیں گھر پر''۔ میں نے فوراً جھوٹ گھڑا۔

''اچھا! مگر میں تو پچھلے ہفتے سے باہر نہیں گئی ہوں، گھر سے اسکول اور اسکول سے گھر۔ یہ ہی روٹین ہے میری پچھلے ایک ہفتے سے''۔ اس کے جواب نے مجھے تھوڑا اجز بز کر دیا تھا۔

''ایک ہفتے سے تو زیادہ ہو گیا چچا کو گئے ہوئے''۔ میں نے پھر جھٹ دوسرا عذر تراشا۔ وہ سیر تھی تو میں سوا سیر تھی۔ وہ میری چالاکی پر دانتوں تلے مسکراہٹ دبانے لگی تو میرا خون کھول کر رہ گیا اسی دوران ڈور بیل بجی۔

''فیضان آ گیا شاید......'' وہ پرجوش ہو کر پھرتی سے اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھ گئی اور میں کٹے ہوئے فروٹس مکس کر کے کچن کی سمت چل دی۔

میں نے جلدی سے کچن میں سامان رکھا اور باہر آئی تاکہ مصافحہ کر سکوں۔ خوش شکل سے 16 سالہ لڑکے کے ساتھ ایک خاتون بھی تھیں جو یقیناً اس کی والدہ تھیں۔ مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے خاتون نے روبینہ کی طرف استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔ وہ ان کے سوال کو بھانپ کر بولی۔

''یہ راحیلہ ہیں سامنے والے فلیٹ میں رہتی ہیں یہ میری پڑوسن بھی ہیں اور اتفاق سے کولیگ بھی۔ جس اسکول میں، میں ہیڈ آف اسٹاف ہوں یہ پرائمری ٹیچر ہیں''۔ مجھے بہت سبکی محسوس ہونے لگی۔ اتنے لمبے چوڑے تعارف کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ ہاں مگر اسے اپنی بڑائی جتانے اور مجھے کمتر ثابت کرنے کا اس سے بہتر موقع کہاں مل سکتا تھا۔ میں نے دکھ سے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔ مکار مسکراہٹ اس کے لبوں پر رینگ رہی تھی۔ اس سے زیادہ میں اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

میں نے جیسے تیسے خاتون سے الوداعی کلمات ادا کیے اور وہاں سے چلی آئی۔ روبینہ نے جھوٹے منہ سے مجھے روکنے کی کوشش کی، مگر وہ اس وقت میری منت بھی کرتی تو میں نہ رکتی۔

میں گھر تو آ گئی تھی مگر میرے پاس آج افطار کرنے کے لیے کھجور کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ اذان ہونے پر میں نے کھجور اور پانی سے روزہ کھولا۔ نماز کے بعد چائے بنائی اور کچن کے ساتھ بنے اس چھوٹے سے ٹی وی لاؤنج میں آ گئی جہاں ٹی وی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ یہاں ساز و سامان کا نام نہ تھا صرف ایک کارپٹ تھا جو لاؤنج کے فرش کو ڈھانپنے کے لیے بھی ناکافی تھا۔ اس چھوٹے سے کارپٹ پر دیوار کے ساتھ چار چھوٹے چھوٹے گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے۔ میں گرم گرم چائے کے سپ لیتے ہوئے خود بھی سلگ رہی تھی۔ روبینہ کے الفاظ اور جتانے والا لہجہ بار بار میرے ذہن میں گونج رہا تھا۔ غصے سے کہیں زیادہ مجھے دکھ ہوا تھا۔ حالانکہ روبینہ سے میری بہت گہری دوستی بھی تھی مگر ''دوستی؟'' بلکہ میرے اور روبینہ کے باہم ملنے جلنے کو دوستی کا نام دینا بھی درست نہیں تھا۔ وہ صرف میری پڑوسی اور بدقسمتی سے کولیگ بھی تھی۔ ہمیشہ ہی میں اسے اور وہ مجھے ایک دوسرے کو نیچا اور کمتر ثابت کرنے پر تلی رہتی تھیں۔ حسد، عناد اور بغض ناچاہتے ہوئے ہمارے درمیان ابتدا ہی سے موجود تھا۔ حقیقت کی نظر سے دیکھتی تو میں روبینہ سے کم ہی تو تھی۔ اس کے گھر میں میرے گھر کے مقابلے میں زندگی گزارنے اور آسان کرنے والی اشیاء موجود تھیں۔ ٹی وی، فرتج، واشنگ مشین اور دوسری اشیاء جنہیں میں صرف دیکھ ہی سکتی تھی۔ میں چند ہزار کی قلیل آمدنی میں اس طرح کے اضافی اخراجات کا بوجھ

اٹھانے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ ہر ماہ دو سے ڈھائی ہزار اس چھوٹے سے فلیٹ کے کرائے، بجلی، پانی اور گیس کے بل پر اٹھ جاتے تھے۔ باقی دو ہزار میں گھر کا خرچ چلانا بہت مشکل ہو جاتا تھا۔ روبینہ اسکول میں سینئر ٹیچر تھی، تجربہ کار ہونے کی بنا پر اسے پچھلے سال ہی اسکول کا انچارج بنایا گیا تھا اور شاید تب ہی سے دل میں دبا حسد اب بھڑک رہا تھا۔ مگر جو بھی تھا اسے آج اس طرح ایک انجانی خاتون کے سامنے مجھے یوں کم حیثیت ثابت کرنا اس کی گھٹیا سوچ کا ثبوت تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب میں اس سے صرف سلام دعا کی حد تک ہی بات کروں گی، کیونکہ اس سے مکمل طور پر قطع تعلق نہ کرنا میری مجبوری تھی۔ کیونکہ بدقسمتی سے وہ ناصرف میری پڑوسن تھی بلکہ میں اس کے ماتحت بھی تھی۔ اس سے بدلحاظی یا عداوت کرنے کا نتیجہ بالآخر مجھے ہی بھگتنا پڑتا۔ سو ایک چپ ہزار سکھ پر عمل کرنے کے لیے میں نے خود کو تیار کر لیا تھا۔

☆

''کیا بات ہے آج کل تم گھر پر نہیں آ رہیں؟'' افطاری کی پلیٹ لے کر وہ گھر آئی تو پوچھنے لگی۔ اس کے لہجے میں تفتیش تھی مگر تشویش نہیں۔ پتہ نہیں اسے واقعی معلوم نہیں تھا یا دانستہ طور پر وہ انجان بن رہی تھی۔

''بس آج کل کچھ مصروف تھی اس لیے''۔ میں نے بادل نخواستہ اس سے افطاری کی پلیٹ لی اور کچن میں آ گئی۔

''اچھا کیا مصروفیات ہیں؟'' اس کا تمسخرانہ لہجہ و انداز مجھے زہر لگ رہا تھا بہت مگر میں اس بار بھی ضبط کر گئی۔

''ضروری نہیں کہ ہر بات تمہیں بتا دی جائے''۔ ناچاہتے ہوئے بھی میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔

''اچھا! ویسے بھی ہر بات تم مجھے بتاتی ہی کب ہو؟'' پتہ نہیں اس نے گلہ کیا تھا یا سوال۔ بہرحال میں نے جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔ پلیٹیں دھو کر اسے واپس تھمائیں۔ وہ میرے چہرے پر کچھ کھوجتی رہی شاید کچھ کہنا چاہتی تھی مزید مگر کچھ بولے بغیر ہی پلٹ گئی۔ میں دروازہ بند کرنے اس کے پیچھے چلی آئی۔

''تمہارے چچا کب آ رہے ہیں واپس؟'' جاتے جاتے وہ پلٹی۔

''ابھی ٹھیک سے پتہ نہیں۔ جب بھی معلوم ہوگا سب سے پہلے تمہیں بتاؤں گی''۔ میں نے چڑ کر جواب دیا۔ وہ ہنسی دباتی وہاں سے چلی گئی تو میں کلس کر رہ گئی۔

☆

پھر کافی دن گزر گئے۔ 26واں روزہ تھا۔ میں نے روبینہ کے گھر آنا جانا کم کر دیا تھا مگر روبینہ اکثر افطار سے پہلے چلی آتی اور وہی اپنے رشتے داروں کی جھوٹی سچی اچھائیاں اور بڑائیاں بیان کرتی۔ اس کے لہجے و انداز میں مصنوعی پن واضح چھلکتا تھا۔ میں اس کی آنکھوں سے اس کا جھوٹ پہچان سکتی تھی اس کے لہجے کا کھوکھلا پن مجھ سے بہت کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ شاید خود فریبی کا شکار تھی۔

خود کو تو وہ فریب دے ہی رہی تھی ساتھ مجھے بھی دھوکا دے رہی تھی وہ کیا سمجھتی تھی کہ مجھے علم نہیں اس بات کا کہ جو کچھ وہ کہتی ہے سوائے قصہ کہانی کے کچھ نہیں۔ پتہ نہیں کینیڈا میں اس کے بھائی جان رہتے بھی تھے یا پھر تخلیق کردہ کردار تھے لیکن اگر ایسا تھا تو پھر روبینہ کے اتنے عیش سے دن نہ کٹ رہے ہوتے۔

بقول روبینہ کے ''اس کے بھائی جان اسے بہت چاہتے ہیں ہر ماہ اس کے لئے کینیڈا سے کچھ نہ کچھ بھیجتے رہتے تھے۔ اگر وہ اسے اتنا ہی چاہتے تھے تو اپنی چہیتی بہن کی تنہائی کا خیال کرتے ہوئے اسے ٹکٹ بھیج کر اپنے پاس نہ بلا لیتے۔ کوئی تو بات تھی جس پر روبینہ نے پردہ ڈال رکھا تھا اور مجھے اس دن کا شدت سے انتظار تھا کہ کب روبینہ کی اس حقیقت سے پردہ چاک ہوتا ہے''۔

☆

آج چاند رات تھی پوری بلڈنگ میں چہل پہل تھی مگر میرے گھر میں جیسے ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ عید کا خیال آتے ہی میری تنہائی جیسے مزید بڑھ سی جاتی تھی۔ خوشیاں بھی تو اپنوں کے وجود سے ہی ہوتی ہیں۔ تنہائی میں کیا خوشی یا غمی۔ سب ہی اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ سچ تو میں جانتی تھی نہ ہی آسٹریلیا میں میری کوئی خالہ تھیں اور نہ ہی ڈیفنس میں کوئی چچا تھے۔ یہ سب فرضی کردار تھے جو میں نے اپنے وجود کو سہارا دینے کے لئے تخلیق کر رکھے تھے۔ شاید اس جھوٹ کی وجہ بھی روبینہ ہی تھی۔ اس کا بار بار اپنے رشتے داروں اور عزیزوں کے مرتبے اور ان کے ٹھاٹ باٹھ بیان کرنا اور ان سے اپنے مضبوط تعلق کا یقین دلانا میرے دل میں حسد کے جذبے کو ابھار گیا تھا۔ میں نے ناچاہتے ہوئے بھی روبینہ کی طرح جھوٹے سچے کردار بنا لیے تھے۔

بیل بجی تو میں نے ناگواریت سے بند دروازے کو دیکھا۔ جانتی تھی یہ روبینہ ہی ہو گی۔ سو بیزاریت سے چل کر دروازہ کھولا۔ نماز کے اسٹائل میں سفید دوپٹہ اوڑھے وہ ہاتھ میں پلیٹ پکڑے کھڑی تھی۔ میں نے سائیڈ میں ہو کر اسے اندر آنے کا رستہ دیا۔

''بہت بہت مبارک ہو۔ رب کا شکر ہے کہ اس سال بھی روزے ہمیں میسر آئے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے روزے منظور و مقبول فرمائے''۔ پلیٹ آگے بڑھاتے ہوئے اس نے بہت دل سے کہا۔ میں نے پلیٹ اس کے ہاتھ سے لی اور کچن میں آ گئی۔ ڈھکی ہوئی پلیٹ کو کھول کر دیکھا' چار تازہ گلاب جامن تھے۔

''کیا ہم اس مبارکباد کے مستحق ہیں؟'' میرے اندر سے کہیں آواز آئی تھی۔

''روزہ صرف بھوک پیاس کا نام نہیں' یہ تزکیہ نفس ہے کہ ہم نے اپنے باطن کو اللہ کے احکامات کے مطابق بنایا یا نہیں۔ کیا ہم نے جھوٹ سے اپنی زبان و دل کو پاک کیا؟ حسد کو دل سے نکالا' غیبت' عیب جوئی سے خود کو دور رکھا؟ صرف کھانا' پینا چھوڑ دینا ہی کافی نہیں روزے کی اصل روح یہ ہی ہے''۔ کچھ دن پہلے میں نے یہ بات پانچویں جماعت کے بچوں کو سمجھائی تھی۔

''کیا خود کو سمجھائی تھی کبھی میں نے؟'' ضمیر نے مجھ سے سوال کیا۔ یقیناً جواب ''نہیں'' تھا۔

''ارے کہاں رہ گئیں' بھئی تم نے مبارکباد بھی نہیں دی مجھے اور نہ ہی میری دعا پر آمین کہا''۔ وہ کچن میں چلی آئی۔

''میں نے تو روزے رکھے ہی نہیں روبینہ!'' میرے بے تاثر لہجے و چہرے کو اس نے تعجب سے دیکھا۔

''کیا؟'' وہ حیرت سے چیخ ہی پڑی تھی جیسے۔

''اور میں تمہیں افطاری دیتی رہی کہ تم روزے سے ہو''۔ اسے تاسف نے آن گھیرا۔

''بھوکے کو کھانا کھلانا بھی تو ثواب ہے''۔ میں نے سپاٹ انداز میں کہا۔

''مگر روزے دار کو افطار کروانا اس سے کہیں زیادہ ثواب کا کام ہے''۔ اسے غصہ آ گیا تھا شاید اس انکشاف پر۔

''ثواب عمل کا نہیں نیتوں کا ہوتا ہے روبینہ''۔ اس نے بھنویں سکیڑے ہوئے حیران کن نظروں سے مجھے دیکھا۔ گویا اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں بھی ایسی عقل کی بات کہہ سکتی ہوں۔ بہر حال وہ کچھ مزید کہے بناء اپنی پلیٹیں لے کر واپس چلی گئی۔

☆

اس بار عید بہت سوگوار سی تھی۔ دوپہر ہونے کو تھی مگر کوئی بھی مجھ سے ملنے نہ آیا تھا پوری بلڈنگ کے لوگ حالانکہ ایک دوسرے کو جانتے تھے مگر اب کوئی دکھاوے کا اخلاق بھی نہیں نبھاتا۔ حیرت تو اس بات پر تھی کہ روبینہ بھی نہیں آئی تھی۔ میں نے الماری سے ڈھنگ کا سوٹ نکال کر استری کر کے پہنا اور ہلکی سی پرانی سوکھی لپ اسٹک کو جیسے تیسے لبوں پر لگایا اور سویاں پیالی میں

ڈال کر روبینہ کے دروازے تک آئی۔ دو تین بیل پر بھی وہ دروازہ کھولنے نہیں آئی۔ یہ بہت تعجب کی بات تھی مجھے تشویش ہونے لگی۔ روبینہ اکیلی تھی خدانخواستہ اسے کچھ ہو تو نہیں گیا...... مجھے عجیب طرح کے وسوسے ستانے لگے' پہلی بار مجھے اس سے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے اندیشوں کے ساتھ ایک بار پھر بیل پر ہاتھ رکھ دیا کچھ ہی دیر میں دروازہ کھل گیا۔ ایک دم ہی میرے دل میں طمانیت سی اتر گئی۔

''عید مبارک''۔ میں نے گرمجوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سویوں کا پیالہ آگے کر دیا۔ اس نے بےزاریت کے عالم میں مجھ سے وہ پیالہ تھاما اور اندر بڑھ گئی تو میں بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔

''کیا بات ہے روبینہ! تم آج میرے گھر نہیں آئیں۔ عید کے دن تو دشمن کو بھی گلے لگا لیا جاتا ہے''۔ میں نے خوش مزاجی سے کہا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا اس کو میرے لہجے و رویئے کا بدلاؤ حیرت و تعجب میں مبتلا کر گیا۔ اس نے کچھ نہ کہا۔ وہ بجھی بجھی سی دکھائی دے رہی تھی یقیناً کوئی بات تھی جسے آج وہ چھپا نہیں پا رہی تھی۔ اس کی صورت سے اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ کوئی غیر معمولی بات ہے جس نے اسے دکھی کر دیا ہے۔ مگر ایسی کیا بات تھی جو اس کو مضمحل کرنے کا موجب تھی۔ میں آج پتہ لگانا چاہتی تھی صرف اس لئے نہیں کہ مجھے اس کی ٹوہ میں رہنے کی عادت ہو چکی تھی بلکہ اس لئے کہ میں اب اس کا درد بانٹنا چاہتی تھی۔

''تم بیٹھو میں چائے لے کر آتی ہوں''۔ اس نے کہا اور بوجھل سے قدموں سے چلتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔ میں ٹی وی کھولنے کے لئے ریموٹ تلاش کرنے لگی۔ تبھی مجھے چھوٹی سی ٹیبل پر ایک تہہ شدہ کاغذ دکھائی دیا۔ میں نے چار تہہ والا وہ چھوٹا سا پیپر کھول لیا۔

''روبینہ آپا!'' میں نے پڑھنا شروع کیا۔

''ہم سب خیریت سے ہیں اور آئندہ بھی چاہتے ہیں کہ خیریت سے رہیں۔ دو دن پہلے مجھے آپ کا خط موصول ہوا۔ آپ کی شکایت مجھے اور اسماء کو بہت ناگوار لگی ہے۔ یہ کینیڈا ہے یہاں نہ تو کسی کو فون کرنے کی فرصت ہے نہ ہی خط لکھنے کا فالتو وقت ہے۔ ہاں اگر کمپیوٹر کی سہولت ہوتی آپ کے پاس تو ای میل کے لئے وقت نکال ہی لیتا' بہر حال آپ بھی ہماری مجبوریوں کو سمجھیں اور وقت کے تقاضوں کو بھی۔ ہم نہ تو اب وہاں آ کر پیسہ برباد کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی آپ کو یہاں بلا کر اپنی پرسکون زندگی کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں اور پلیز! اب خط لکھ کر اپنا وقت برباد مت کریں اب ہمیں آپ کی لمبی چوڑی شکایات سننے کی فرصت نہیں ہے۔ آخری بار 50 ہزار کا چیک بھیج رہے ہیں اپنی فرمائشی لسٹ کو اس چیک سے پورا کر لیجئے گا۔

آئندہ نہ تو ہمیں فون کرنے کی کوشش کیجیے گا اور نہ ہی خط میں اپنی مجبوریوں کی داستان لکھ کر ہمدردی سمیٹنے کی کوشش کیجیے گا' دنیا بہت فاسٹ ہے۔ میرا تو مشورہ ہے اب آپ اپنے جذبات و احساسات کو ہو سکے تو زمین میں فنا دیں۔ اب کسی کے پاس بھی اتنی فرصت نہیں کہ آپ کی مجبوریوں کی داستانیں سنے یا تنہائیوں کے فسانے سنے۔ ہو سکے تو مشورے پر عمل کیجیے گا۔ اللہ حافظ...... ریحان احمد''

آنسو میرے گالوں پر پھسل رہے تھے اس خط میں موجود تلخ باتیں اور کڑوا لہجہ میرے سینے میں جیسے تیر کی طرح لگا تھا۔ کیسے اپنے پرائے بن جاتے ہیں۔

شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے نصیب میں یہ دکھ نہیں لکھا تھا۔ یہ دکھ واقعی بہت بڑا تھا۔ اجنبیوں کے تلخ لہجے' کڑوی کسیلی باتیں تو انسان برداشت کر سکتا ہے مگر خون کے رشتے ایسا دکھ دیں تو سہنا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ میں سمجھ سکتی تھی روبینہ اس وقت کتنے کرب اور تکلیف میں ہے۔ روبینہ کے قدموں کی آہٹ سن کر میں نے جلدی سے پیپر تہہ کر کے واپس رکھا اور آنسو اپنے پلو سے خشک کر ڈالے۔ وہ ٹرے

میں نمکو، چپس وغیرہ بھی لے آئی تھی چائے کے ساتھ' وہ خاموش تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا بات کہاں سے شروع کروں۔

''روبینہ! میں خود کو تنہا نہیں سمجھتی تم میرے لئے بہت مضبوط سہارا ہو''۔ میں نے دھیمے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا' روبینہ نے تعجب خیز نظروں سے مجھے دیکھا۔

''میں......؟ میں خود کو سہارا دینے کے قابل نہیں ہوں''۔ وہ بہت کمزور دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے لہجے کی اکڑ نہ جانے کہاں غائب ہوگئی تھی۔

''میں اپنی تنہائی کو فراموش کر کے صرف تمہارے بارے میں سوچتی تھی مجھے اپنی فکریں بھول گئی تھیں روبینہ واقعی میں''۔ میں صاف گوئی سے کہہ رہی تھی اور وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔ اسے کیا معلوم تھا آگے جو میں کہنے جا رہی ہوں وہ اسے اور حیرت زدہ کردے گا۔

''روبینہ! تم میری پڑوسی اور کولیگ بھی ہو' اس ناتے یہ میرا معاشرتی' اخلاقی اور شرعی فرض ہے کہ میں تمہارا خیال رکھوں' تم سے محبت کروں اور عزت دوں''۔ اس کی حیرانی قابل دید تھی اور کیوں نہ ہوتی میں نے کبھی اس سے اس طرح کی بات کی ہی نہ تھی' وہ تو صرف میری حریف تھی اور میں اس کی۔ ایک دوسرے کو برتر ثابت کرنے کی کوشش کرنا اور ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنا یہ ہی ہماری زندگی کا مقصد تھا۔

''میں نے تمہارے بھائی کا خط پڑھ لیا ہے''۔ میرے اس انکشاف پر وہ غصے سے آگ بگولہ ہوگئی پر بولی کچھ نہیں۔

''اس کے لئے بہت بہت معذرت۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تم اندر سے اتنی دکھی ہو اور آج اس حقیقت سے پردہ چاک ہونے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ میں تو صرف تنہا ہوں میرا صرف یہ ہی اک دکھ ہے مگر تم تنہا نہ ہوتے ہوئے بھی بہت اکیلی ہو اور اس عید کے دن کے موقع پر ایسا سانحہ تم پر بیتا یہ بہت تکلیف کی بات ہے''۔

میں نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا وہ سر جھکائے اپنے آنسو سمیٹ رہی تھی۔ میں نے قریب بڑھ کر اسے خود سے لگا لیا۔ اس کے آنسوؤں میں روانی آگئی۔ اسے میرے کاندھے کی ضرورت تھی۔

''میرا اور تمہارا دکھ سانجھا ہے روبینہ پھر ہم ایک کیوں نہیں؟ شاید تمہیں میری ضرورت نہ ہو مگر مجھے تمہارے ساتھ کی ضرورت ہے''۔ اس کے آنسو تھم گئے تھے۔

''مجھے بھی تمہارے سہارے کی ضرورت ہے اور جس قدر تم میرے دکھ کو سمجھ سکتی ہو اتنا کوئی دوسرا نہیں''۔ وہ بھی جھوٹی اَنا کو بالائے طاق رکھ کر صاف گوئی سے کہہ رہی تھی اور میرے لئے یہ ہی بات بہت کافی تھی کہ اس نے اپنی جھوٹی اَنا کا سر قلم کردیا تھا۔

میرے ذہن میں قرآن پاک میں موجود سورہ حجرات کا وہ ترجمہ نگاہوں کے سامنے آگیا جس میں اللہ نے فرمایا:

''اے ایمان والو! نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیے کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ ان (ہنسنے والوں) سے اللہ کے نزدیک بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا ہی برا ہے اور جو اِن حرکتوں سے باز نہ آئیں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں (12) اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت لگایا کرو اور کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے (اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

سورہ الحجرات آیت 12-11-10



انعم نذیر

مکمل ناول

حصہ اول

میری عید تم ہو

گرے کلر کی پجارو ایک جھٹکے سے حویلی کے پورچ میں آ رُکی' اس نے دروازہ کھولا اور باہر آ گیا' بلند خان بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا' اس نے اشارے سے سامان نکالنے کو کہا' تبھی اس کے دونوں جگر کے ٹکڑے جولان میں کھیل رہے تھے' اسے دیکھ کر خوشی سے قلانچیں بھرتے اس کی طرف بھاگے' اس نے بے قراری سے بازو وا کیے تو دونوں اس کے سینے سے آ لگے' یک دم اس کے سینے میں ٹھنڈک اُترتی چلی گئی' ہفتے بھر کی تھکن منٹوں میں زائل ہو گئی۔ اس نے دونوں بچوں کو پیار کیا اور اپنے مضبوط بازوؤں میں نرمی سے دونوں کو اُٹھائے اندر کی طرف بڑھ گیا۔

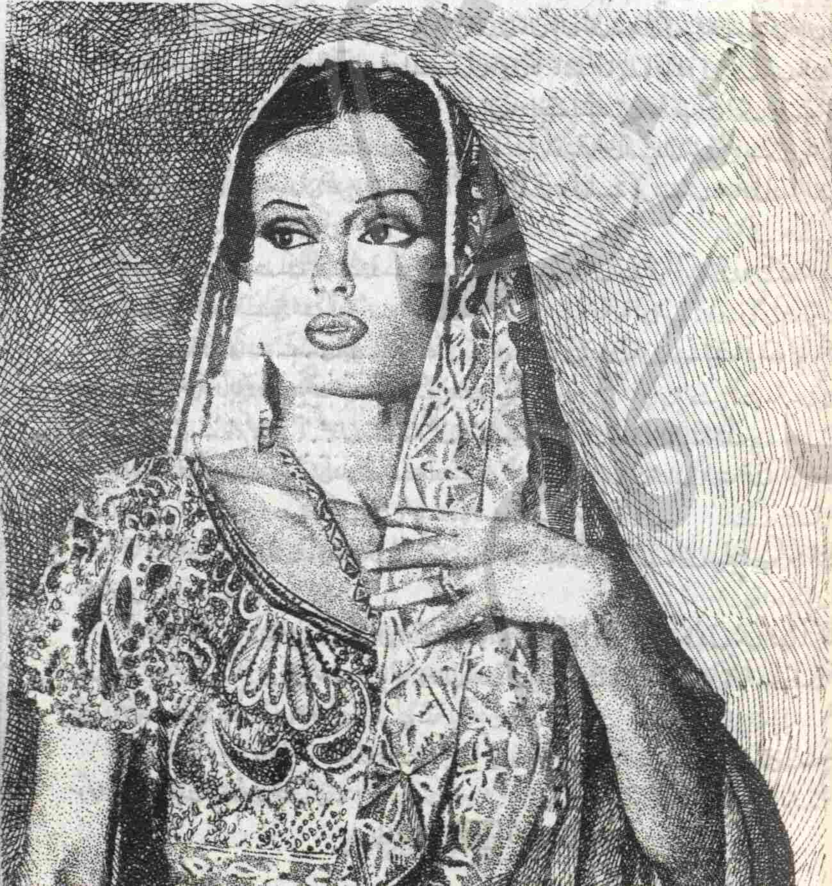
''السلام وعلیکم!'' اس نے لاؤنج میں قدم رکھتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ سنڈے تھا اس لئے سب گھر پر تھے۔

آمنہ شاہ بے قراری سے اس کی طرف بڑھیں' اس نے بچوں کو نیچے اُتارا اور ماں کے گلے لگ گیا تو انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

''کیسا ہے میرا بیٹا؟'' آمنہ شاہ نے محبت سے چُور لہجے میں پوچھا' تو وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

''ٹھیک ہوں' مجھے کیا ہونا ہے؟'' اس نے آہستگی سے کہا تو آمنہ شاہ نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔

''دادا جان اور بابا جان کدھر ہیں؟'' اس نے متلاشی نظروں سے چاروں طرف دیکھا لیکن وہ نظر نہیں آئے' اس نے آمنہ شاہ سے پوچھا۔





"ہم یہاں ہیں بیٹا!" جواب آمنہ نے نہیں حمزہ شاہ نے دیا۔ اسی وقت انوار شاہ اور حمزہ شاہ لاؤنج میں آئے تو وہ بڑے پُرتپاک انداز سے ملے۔
"ماں جی! کھانا لگوادیں' بہت بھوک لگ رہی ہے' ناشتہ بھی برائے نام ہی کیا تھا"۔ اس نے آمنہ شاہ سے کہا۔
"بیٹا! میں کھانا لگواتی ہوں' تم فریش ہوکر آجاؤ"۔ وہ اثبات میں سرہلاتا سیڑھیاں چڑھنے لگا' دونوں بچے بلند خان سے سامان لے کر حمزہ شاہ اور انوار شاہ کو دکھانے لگے' جو وہ ان کے لئے لے کر آیا تھا' اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا' خاموشی اور سناٹوں نے اس کا استقبال کیا' ایسے ہی سناٹے اس کے اندر تھے' اس نے گہری سانس لی اور سر جھٹک کر وارڈروب سے شلوار کرتا لے کر شاور لینے کے لئے واش روم میں بند ہوگیا۔



"اپیا پلیز! مان جائیں نا"۔ اس نے ملتجی ہوکر کہا' تو اس نے بے بسی سے عمان کی طرف دیکھا۔
"پلیز عمان! مجھے فورس مت کرو' جو میرے بس میں نہیں وہ میں کیسے کرلوں؟" اس نے بھرائی آواز میں کہا۔
"اپیا! آپ کوشش کرکے تو دیکھیں' عفیف آپ کو بہت خوش رکھے گا' ہر لحاظ سے وہ پرفیکٹ ہے آپ ایک دفعہ اس کے بارے میں سوچ کر تو دیکھیے"۔ اس نے لجاجت سے کہا' لیکن وہ گم صُم بیٹھی رہی۔
"پچھلے دو ہفتوں سے وہ اس کے پیچھے پڑا تھا' لیکن اس کی ناں' ہاں میں نہ بدلی تھی۔ عمان نے بھی ٹھان لی تھی ہاں کرواکے ہی دم لے گا' لیکن پچھلے دو ہفتوں سے اسے مسلسل مایوسی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا' وہ کسی طرح نہیں مان رہی تھی۔
"اپیا! عفیف بھائی بہت اچھے ہیں' آپ کو چاہتے ہیں' وہ اتنے اچھے ہیں کہ آپ بھی انہیں چاہنے لگیں گی"۔
تبھی اس نے تڑپ کر سُلگتی نظروں سے عمان کی طرف دیکھا' کیا کچھ نہ تھا ان آنکھوں میں' شکوے' حسرتیں' آنسو' دم توڑتی اُمیدیں' عمان بے اختیار ہی نظریں چرا گیا' وہ اُٹھی اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں بند ہوگئی' دروازہ بند کرکے وہ اسی کے ساتھ ٹیک لگا کر نیچے بیٹھ گئی۔
"کسی میں اتنی جرأت کے میرے ہوتے ہوئے تمہیں چاہے"۔ اس نے غرّا کر کہا تو وہ دیکھتی رہ گئی اور پھر مزے سے بولی صرف اسے چڑانے کو۔
"مجھ میں تو اتنی جرأت ہے' میں تمہارے علاوہ بھی کسی اور کو چاہ سکتی ہوں"۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا' تبھی وہ چلتا ہوا اس کے مقابل آ گیا' دونوں ہاتھ اس کے شانے پر دھر دیئے۔
"کیا کہا تم نے' پھر کہنا؟" آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اور لہجہ اتنا سرد تھا کہ وہ سُن ہوگئی۔
"ایک بات میری یاد رکھنا' جس دن میرے علاوہ تم نے کسی اور کو چاہا اُس دن میری موت ہوگی"۔ ایک ایک لفظ چبا کر کہتا اسے ساکت وصامت چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی چلی گئی۔
"آکر دیکھو آج بھی میں ویسی ہی ہوں' ذرا نہیں بدلی' میں بے وفا نہیں ہوں"۔ اس نے تڑپ کر کہنا چاہا' لیکن الفاظ لبوں پر دم توڑ گئے۔
"تم میرے ساتھ بے وفائی کیسے کرسکتی ہو"۔ ایک بار پھر اُس کی آواز اس کے کانوں میں گونج اُٹھی اور بھی جانے کیا کیا اُس کے کانوں میں گڈمڈ ہو رہا تھا' وہ ان آوازوں سے پانچ سال سے پیچھا چھڑانے میں ناکام رہی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ دونوں کانوں پر رکھ لیے۔
"نہیں ہوں میں بے وفا"۔ وہ زور زور سے دائیں بائیں سر ہلا رہی تھی' کمرے کی ایک ایک چیز اس کے غم میں سوگوار تھی' اپنی محبت پر وہ نوحہ کناں تھی۔



شاور لے کر وہ نیچے آ گیا' سب ڈائننگ ٹیبل پر اسی کا ویٹ کر رہے تھے' کھانے کے بعد وہ دادا جان اور بابا جان کے ساتھ لان میں آ گیا' انہیں اسلام آباد کی میٹنگ سے اپ ڈیٹ کرنے لگا۔
"گڈ....!" دادا جان نے مسرت آمیز لہجے میں کہا اور بابا جان بھی بہت خوش ہوئے۔
"مجھے پتہ تھا میرا بیٹا ناکام نہیں ہوسکتا"۔ انوار شاہ نے فخریہ انداز سے کہا۔
"دادا جان! آپ کا بیٹا تو جیتی ہوئی بازی ہار گیا' زندگی کی سب سے بڑی بازی میں مات کھا گیا' بُری طرح ناکام ہوگیا"۔ اس نے دل میں سوچا' کہا کچھ نہیں۔
"لاہور گئے تھے؟" انوار شاہ نے ایک اُمید سے پوچھا' شاید اس دفعہ اس کا جواب ہاں میں ہو۔
"نہیں، ہوٹل میں ہی ٹھہرا تھا دو دن"۔ اس نے آہستگی سے کہا۔
"گھر کیوں نہیں گئے؟" انہوں نے ہمیشہ والا سوال پوچھا۔
"ویسے ہی"۔ اس نے نظریں چرائیں۔
"پاپا! پاپا جان!" کائنات اور شارم دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے' ان کے پیچھے آمنہ شاہ تھیں۔
"جی پاپا کی جان!" اس نے کائنات کو اُٹھا کر گود میں بٹھا لیا جبکہ شارم دادا جان کی گود میں بیٹھ گیا تھا۔
"پاپا! آپ ماما کو کیوں نہیں لے کر آئے؟" جس سوال سے وہ بچ رہا تھا کائنات نے کردیا۔ شارم بھی آس بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا' وہ چُپ چاپ بیٹھا سوچ رہا تھا کہ کیسے ان لوگوں کو ٹالے۔
"پاپا! بولتے کیوں نہیں؟ آپ ماما کو کیوں نہیں لے کر آئے؟" اب کی بار شارم نے کہا۔
"بیٹا! نیکسٹ ٹائم جب جاؤں گا تب ماما کو لے کر آؤں گا' اس دفعہ پاپا بہت بزی رہے"۔ اس نے کائنات کے بال سنوارتے ہوئے کہا۔
"پاپا! جھوٹ بولتے ہیں"۔ ایک دم ہی وہ اس سے الگ ہوئی' وہ بُری طرح ہچکیوں سے رونے لگی اور کچھ ایسی ہی حالت شارم کی تھی۔ وہ تڑپ ہی اُٹھا تھا اپنے جگر کے ٹکڑوں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر' اس نے لپک کر دونوں کو خود میں سمو لیا' وہ کیا کرتا؟ بے بس تھا' وہ پہلے ہی اندر سے ریزہ ریزہ تھا' بچوں کے آنسو دیکھ کر اس کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ شدتِ غم سے اس کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں' بڑی مشکل سے آمنہ بیگم نے بچوں کو بہلا پھسلا کر چپ کروایا' اس وعدے کے ساتھ کہ وہ جلد ان کو ماما لوادیں گی۔
"جاؤ بیٹا! اب آپ لوگ اسٹڈی کرو' صبح اسکول بھی جانا ہے"۔ آمنہ شاہ نے پیار سے دونوں کو کہا تو وہ سر ہلاتے اندر کی طرف بڑھ گئے۔
"بیٹا! میرے خیال سے اب تمہیں کوئی فیصلہ کرلینا چاہئے"۔ آمنہ شاہ نے نرمی سے کہا' لیکن وہ تو کسی اور ہی جہان میں پہنچا ہوا تھا۔
"تمہاری ماں ٹھیک کہہ رہی ہے' بچوں کو ماں کی ضرورت ہے' اپنے لئے نہ سہی پر بچوں کا تو کچھ سوچو"۔ حمزہ شاہ نے رسان سے کہا' انوار شاہ نے بھی حمزہ شاہ کی تائید کی' تو وہ تو بدک ہی گیا۔
"نو.... بابا جان! نو... یہ ناممکن ہے"۔ وہ بے چین ہوگیا تھا' عجیب سے اضطراب میں گھر گیا تھا' بے چینی' بے قراری پورے وجود کو لپیٹ میں لے چکی تھی۔
"پلیز بیٹا! بچے ابھی بہت چھوٹے ہیں' انہیں ماں کی ضرورت ہے"۔ آمنہ شاہ نے دکھی لہجے میں کہا۔

”میں ہی اُن کا باپ ہوں اور ماں بھی‘ میں اپنے بچوں کو بہتر طریقے سے سنبھال سکتا ہوں‘ وہ ابھی بچے ہیں اس لئے اس طرح کی ضد کر رہے ہیں‘ آہستہ آہستہ وہ سب سمجھ جائیں گے‘ آپ سب لوگ تو سمجھدار ہو‘ کم از کم آپ لوگ تو مجھے فورس نہ کریں اور نہ ہی میں کسی دوسری لڑکی سے شادی کروں گا‘ بہتر ہوگا دوبارہ اس ٹاپک پر بات نہ ہی ہو“۔ اس کا لہجہ اتنا سرد تھا کہ سب ششدر رہ گئے۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا لان عبور کرنے لگا‘ اس کے اندر باہر دھواں سا بھر گیا تھا‘ زہر ہی زہر تھا‘ نفرت ہوگئی تھی اُسے عورت سے‘ لیکن وہ آج بھی اُس سے نفرت نہ کر پایا تھا‘ کیسی محبت تھی یہ جسے پا کر بھی وہ تہی داماں تھا؟

انوار شاہ نے واضح اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ دیکھی تھی‘ لاڈلے اور اکلوتے پوتے کی یہ حالت دیکھ کر اُن کا دل تڑپ اُٹھا تھا‘ احساسِ ندامت سے اُن کے کندھے اور بھی جھک گئے تھے۔

☆

”اپیا! دروازے کھولیں‘ پلیز.... اپیا! پلیز....!“ اس کا انداز التجائیہ تھا‘ چھ گھنٹے گزر گئے تھے وہ کمرے میں بند تھی‘ جب وہ کمرے سے نہ نکلی تو عمان کی تشویش بڑھ گئی تھی‘ اب وہ آدھے گھنٹے سے دروازے کے باہر کھڑا اسے دروازہ کھولنے پر اُکسا رہا تھا‘ لیکن وہ دروازہ نہیں کھول رہی تھی۔

”اپیا! پلیز.... اللہ کا واسطہ! دروازہ کھول دیں‘ مام اور ڈیڈ آنے والے ہیں‘ وہ آپ کو یوں دیکھ کر پریشان ہو جائیں گے‘ پلیز....!“ عمان نے منت بھرے لہجے میں کہا تو چند منٹوں بعد دروازہ کھل گیا‘ عمان نے جب اُسے دیکھا تو اس کا دل کٹ کر رہ گیا‘ چند گھنٹوں میں نچڑ کر رہ گئی تھی‘ رنگ سرسوں کی مانند پیلا ہو گیا تھا‘ متورم آنکھیں پپوٹے رو رو کر سوج گئے تھے‘ بال بکھرے پڑے تھے۔ عمان بڑھ کر اسے حصار میں لے چکا تھا‘ وہ اس کے گلے لگی پھوٹ پھوٹ کر پھر سے رونے لگی اور عمان کے آنسو اس کے بالوں میں گر رہے تھے۔

”چپ ہو جایئے اپیا! ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا“۔ اس کا بس چلتا تو وہ خود کو داؤ پر لگا کر اپنی بہن کی جھولی خوشیوں سے بھر دیتا۔

اس نے بہت نرمی سے اس کے آنسو صاف کیے تو وہ اور شرمندہ سی ہوگئی‘ اس کا بھائی کس قدر پیار کرتا تھا‘ مام اور ڈیڈ اس پر جان چھڑکتے تھے اور وہ اپنے پیاروں کو دکھی کر دیتی تھی۔

”سوری مانو!“ اس نے ندامت سے کہا۔

”نو.... اپیا! کوئی سوری نہیں‘ فریش ہو کر آئیں‘ ہم کہیں گھومنے چلتے ہیں“۔ اس نے فوراً پلان بنایا‘ پر اس نے انکار کرنا چاہا تو اُس نے نرمی سے ٹوک دیا۔

”نو.... اپیا! میں باہر ویٹ کر رہا ہوں‘ صرف 5 منٹ ہیں آپ کے پاس“۔ اس نے مان بھرے لہجے میں کہا‘ تو وہ اس کا مان کیسے توڑ سکتی تھی‘ نا چاہتے ہوئے بھی وہ چلنے کے لئے راضی ہوگئی‘ پھر وہ جانے کون کون سی لندن کی شاپ میں گھومتا رہا‘ وہ خالی ذہن کے ساتھ اس کے ساتھ تھی‘ حالانکہ سارا لندن اُس نے بچپن سے دیکھا ہوا تھا‘ وہ اس دل کا کیا کرتی جو ایک ہی ضد کر رہا تھا‘ آج اسے وہ شدت سے یاد آ رہا تھا‘ بار بار آنکھیں بھیگ رہی تھیں‘ بارش کی بوند اس کے چہرے پر ٹپکی تو اس نے چونک کر آسمان کی طرف دیکھا‘ جو لمحوں میں بادلوں سے بھر گیا تھا‘ ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہوگئی تھی۔

”عمان! چلو گھر چلیں‘ بارش تیز ہوگئی تو مشکل ہوگا“۔

”کچھ نہیں ہوتا اپیا! یہی تو موسم ہے انجوائے کرنے کا“۔ عمان نے سکون سے بارش میں بھیگتے ہوئے کہا۔

”اگر یہ موسم ہی انجوائے کرنا تھا تو کم از کم گاڑی ہی لے آتے“۔ اس نے زچ ہو کر کہا‘ کبھی اسے یہ بارشیں بہت پسند تھیں اور اب اس سے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

”عمان! چلو گھر“۔ بارش لحظہ بہ لحظہ تیز ہو رہی تھی اور ٹھنڈ میں بھی اضافہ ہو رہا تھا‘ سرد ہوا کے جھونکے اسے خود میں سمٹنے میں مجبور کر رہے تھے‘ لندن کا موسم اس نے کوفت سے سوچا تبھی ایک وائٹ کلر کی کار ان کے قریب سے گزری اور پھر پلٹ کر پیچھے آ کر ان کے قریب آن رُکی۔

”آپ لوگ بارش انجوائے کر رہے ہیں؟“ عفیف نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔ عمان بے ساختہ ہی خوش ہو گیا جبکہ وہ بے نیازی سے ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

”ہم لوگ تو ویسے ہی واک کرنے نکلے تھے اچانک بارش شروع ہوگئی“۔ عمان نے بتایا تو عفیف کی بے ساختہ نظر اس کی طرف اٹھی جو بے نیاز کھڑی دوسری سمت دیکھ رہی تھی۔

”ہاؤ آر یُو....؟“ عفیف نے اس سے پوچھا۔

”فائن....!“ اس نے مختصر کہا اور پھر سابقہ کام میں مشغول ہوگئی۔

”یہ پیاری لڑکی اتنی سنگدل کیوں ہے؟“ اس نے بے بسی سے سوچا۔

”عمان! میں جا رہی ہوں‘ مام اور ڈیڈ آ گئے ہوں گے“۔ اس نے بنا عفیف کی طرف دیکھے عمان سے کہا۔

”میں آپ لوگوں کو ڈراپ کر دیتا ہوں“۔ عفیف نے شائستگی سے کہا۔

”نو.... تھینکس! ہم چلے جائیں گے“۔ اس نے سنجیدگی سے کہا تو عمان پہلو بدل کر رہ گیا۔

”اپیا! بارش تیز ہو رہی ہے‘ اگر عفیف بھائی ہم کو ڈراپ کر دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں“۔ عمان نے اسے قائل کرنا چاہا تو اس نے قدم آگے بڑھا دیئے۔

”تم آ جانا ان کے ساتھ‘ میں جا رہی ہوں“۔ اس نے سرد مہری سے کہا تو مجبوراً عمان کو عفیف سے سوری کرنا پڑی اور اس کے پیچھے لپکا‘ تو وہ حسرت و یاس سے اس کی پشت دیکھتا رہ گیا۔

”جانے کیوں یہ نازک سی لڑکی اتنی پتھر دل کیوں ہے؟ اس کا دل کیوں نہیں پگھل جاتا؟“ عفیف نے لاچاری سے سوچا۔

گھر آ کر عمان اس سے اُلجھ پڑا تھا۔

”اپیا! کیا ضرورت تھی انکار کرنے کی؟ عفیف بھائی نے تو صرف ڈراپ کرنے کے لئے کہا تھا“۔

”میں نے اُسے کیا کہا ہے‘ جو تم اتنا برہم ہو رہے ہو؟“

”آپ کا رویہ کس قدر روڈ تھا‘ وہ کیا سوچتے ہوں گے“۔

”وہ کیا سوچتا ہے کیا نہیں‘ یہ میرا ہیڈک نہیں“۔ اس نے لاپرواہی سے کہا اور کپڑے چینج کرنے کے لئے اپنے کمرے میں چلی گئی‘ چینج کرنے کے بعد وہ ونڈو میں آ کھڑی ہوئی‘ ابھی بھی بارش تیز رفتاری سے ہو رہی تھی‘ اُس دن بھی بارش ٹوٹ کے برسی تھی‘ آسمان بھی ان کے غم کے ساتھ رو رہا تھا‘ وہ بے ساختہ ماضی کے دریچوں میں کھو گئی‘ اس کی باتیں شدت سے یاد آنے لگیں۔

☆

وہ ٹیرس پر کھڑا مسلسل ایک ہی بات سوچ رہا تھا‘ بچوں کی روز روز کی ایک ہی ضد سے وہ تنگ آ گیا تھا‘ ایک طرف اس کی ماں کی التجائیہ نظریں‘ وہ بے قراری سے ادھر اُدھر چکر کاٹنے لگا‘ دو عورتیں اس کی زندگی میں آئیں‘

دونوں نے ہی اس کی زندگی وحشتوں سے بھردی' وہ کمرے میں آ کر بیڈ پر گر گیا تھا' سامنے ہی وال پر لگی تصویر پر اس کی نظر پڑی تو اس نے شکوہ کرتی نگاہوں سے ہانیہ کو دیکھا جو اس کے پہلو میں کھڑی مسکرا رہی تھی' جبکہ وہ بُت بنا تصویر میں اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ ہانیہ اس کی بیوی اور اس کے بچوں کی ماں تھی' صرف ایک سال کے ساتھ نے اس کی زندگی زہر بنادی تھی' اور دوسری اس کی محبت' زندگی' عشق جنوں سب کچھ تھی' اُس نے ایک لمحے میں اسے ماردیا تھا' ہانیہ سے تو اس کو کوئی شکوہ نہ تھا' مگر زاریہ...! اُس نے ایسا کیوں کیا اس کے ساتھ.....کیوں؟ وہ کس سے شکوہ کرتا؟ زاریہ کا ساتھ چند مہینوں یا سالوں کا تو نہ تھا' بچپن کا ساتھ تھا' پھر وہ کیسے اسے چھوڑ کر چلی گئی؟ ان پانچ سالوں میں وہ لمحہ لمحہ تڑپا تھا' پل پل مرا تھا' مجال ہے جو ایک بار بھی وہ ہنسا ہو۔

''کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا؟ کیوں....؟ دیکھو! آ کر.....تم تو میری ذرا سی اُداسی پر رونے لگتی تھیں' اب کہاں ہو؟'' آنسو قطرہ قطرہ اس کی آنکھوں سے مسلسل بہہ رہے تھے' زیست کا سفر اس کا مقدر کیوں بنا تھا؟

''زاریہ! کیوں تم نے میرے ساتھ بے وفائی کی؟ کیوں....؟ کیوں میں آج بھی تم سے نفرت نہیں کرپایا' آج بھی تم سے اُتنا ہی عشق کرتا ہوں میں؟'' اس نے بے بسی سے سوچا' دل کے زخم پھر اُدھڑ رہے تھے' آنکھیں اُس کی راہ دیکھتی تھکنے لگی تھیں' لیکن وہ کونسا اسے اُمید کا جگنو تھما کر گئی تھی' اس کا دل کراہ رہا تھا' وہ بے بسی سے رو رہا تھا۔

''زاریہ....!'' اس کے ہونٹوں سے سسکاری اُبھری' اندر باہر دھواں سا بھر گیا تھا۔



''زاریہ....!'' اس کے کان میں جیسے سرگوشی ہوئی تو اس کا دل دھڑک اُٹھا' اس نے چونک کر پاگلوں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھا' لیکن وہ کہیں نہیں تھا' اس کی آواز کی بازگشت اُسے سنائی دے رہی تھی۔

''زاریہ! زاریہ!'' ایک بار پھر اُس کے کانوں میں گونج اُٹھی۔

''وہ مجھے یاد کررہا ہے' آج بھی میں اُسے یاد ہوں؟'' اس نے خود سے سوال کیا۔

''ہاں! وہ آج بھی تم سے اتنی ہی محبت کرتا ہے' بلکہ عشق کرتا ہے' اگر تم تھوڑا سا خود غرض ہوجاتیں تو جدائی تمہارا مقدر نہ ٹھہرتی''۔ اس کے اندر سے آواز آئی تو وہ گھبرا اُٹھی تھی۔

''محبت میں خود غرضی نہیں چلتی''۔ اس نے چلّا کر کہا۔

''تو پھر روتی کیوں ہو؟ بھول کیوں نہیں جاتیں اُسے؟'' ایک بار پھر اس کے اندر سے آواز آئی تو وہ تڑپ ہی اُٹھی تھی۔

''کیسے بھول جاؤں اُسے؟ وہ تو میری روح ہے' نہیں بھول سکتی میں''۔ اس نے سسکاری بھری اور اُسے یاد کرتے کرتے ماضی کی یادوں میں کھونے لگی۔



ہفتے کا دن تھا' وہ نو بجے سو کر اُٹھا' موسم بے حد خوشگوار تھا' لان میں لگے بڑے بڑے درخت اور رنگ برنگے پھول ہوا کی مستی سے جھوم رہے تھے' بائیں جانب لان کے وسط میں لگا فوارہ اپنی ہی چھب دکھلا رہا تھا' دائیں جانب لان میں بڑا سا جھولا پڑا تھا' وائٹ کلر کا بنگلہ اپنی شان وشوکت کو دور سے ہی ظاہر کررہا تھا' باہر سے ہی یہ بنگلہ اس قدر خوبصورت تھا' جو دیکھتا تو دیکھتا ہی رہ جاتا' اندر کا حصہ تو بہت کم لوگوں نے دیکھا تھا' اندر سے اس قدر خوبصورت اور جدید طریقے سے تعمیر کیا گیا تھا' اس طرح سجایا گیا تھا کہ دیکھنے والا دنگ رہ جاتا۔ اس وائٹ بنگلے کی پیشانی پر ''ذوالنون شاہ پیلس'' پوری شان وشوکت کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔

وہ نیچے آ گیا تو گلزار بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا۔

''ناشتہ لگادوں چھوٹے صاحب؟''

''ہاں!'' اس نے سر ہلایا تو اُس نے جلدی سے کچن میں جاکر اپنی بیوی سے ناشتہ لگانے کو کہا۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ باہر آ گیا۔

''گلزار چاچا! میری سائیکل صاف کرکے باہر لائیں''۔ اس نے حکم دیا۔

''لیکن چھوٹے صاحب!''

''تو.....جو کہا ہے وہ کریں''۔ گلزار نے کچھ کہنا چاہا تو اس نے ٹوک دیا' تو مجبوراً گلزار نے اس کی سائیکل صاف کرکے اس کے سامنے کھڑی کردی' وہ سائیکل پر سوار ہوا تو سائیکل سرخ روش پر دوڑنے لگی' واچ مین نے اسے دیکھ کر جلدی سے گیٹ وا کردیا۔ وہ روزانہ کی طرح مخصوص قریبی پارک میں آ گیا' آج وہ پورے ہفتے بعد آیا تھا' اس سے کچھ فاصلے پر بہت سے چھوٹے لڑکے اور لڑکیاں اپنی سائیکل اور گڑیا کے ساتھ پارک میں کھیلنے آتے تھے' تبھی اس کی نظر وہاں کھڑی ایک گڑیا پر پڑی' پنک اور پرپل کلر کی فراک پہنی ہوئی تھی اور بالوں کی دو پونیاں بنائی ہوئی تھیں' بالکل باربی ڈول لگ رہی تھی۔

''یہ اتنی بڑی باربی ڈول کس کی ہے؟'' اس نے حیرت سے سوچا۔ دور سے کچھ غیر واضح نظر آرہی تھی۔

''قریب جاکر دیکھتا ہوں''۔ جب وہ وہاں پہنچا تو وہ کوئی باربی ڈول نہیں بلکہ جیتی جاگتی لڑکی تھی' وہ حیرت زدہ اسے دیکھتا رہ گیا' بہت سارے بچے اس کے پاس جمع تھے اور اسے مبارکباد دے رہے تھے' اس نے ایک لڑکے سے پوچھا۔

''یہ کون ہے؟ تم مبارکباد کیوں دے رہے ہو؟''

''یہ لندن سے آئی ہے' آج اس نے ہمارے ساتھ سائیکل ریس لگائی' وہ جیت گئی' اس لئے اُسے سب مبارک باد دے رہے ہیں''۔ اس لڑکے نے کافی جوش سے اسے بتایا۔ اس نے بغور اُس لڑکی کو دیکھا جو بڑے شاہانہ انداز سے مبارکباد وصول کررہی تھی' جیسے K-2 فتح کرکے آئی ہو' اچانک اُس لڑکی نے اس کی طرف دیکھا تو چونک گئی' ایک ہفتہ ہوگیا تھا اسے یہاں آئے ہوئے' لیکن اس لڑکے کو نہیں دیکھا تھا' وہ بھی اسی کو دیکھ رہا تھا' پھر وہ اپنی سائیکل پر بیٹھ گئی' ایک لمحے کے لئے اس کے پاس رُکی اور اگلے لمحے ہوا کے دوش پہ سائیکل اُڑاتی لمحوں میں پارک کے گیٹ سے باہر نکل گئی' کچھ بچے تو اس کی تعریف کررہے تھے اور کچھ جیلس ہورہے تھے۔

''کس قدر مغرور ہے' کسی کو بھی لفٹ نہیں کراتی''۔ ایک لڑکی نے جل کر کہا' تو وہ سر جھٹک کر پارک کے گرد چکر کاٹنے لگا۔



آج پانچواں روز تھا جب وہ سب لوگ پارک میں جمع تھے' روزانہ وہ پارک آتی' لیکن بہت کم کسی سے بات کرتی' اپنے آپ میں مگن رہتی' اس کی یہ لاپرواہی اور بے نیازی دوسرے بچوں کو اس سے دوستی کرنے پر مجبور کررہی تھی' ایسی ہی معصوم سی خواہش اس کے دل میں بھی اُبھری' وہ بھی اس باربی ڈول سے دوستی کرنا چاہتا تھا' لیکن اس کی بے نیازی دیکھ کر پیچھے ہٹ جاتا۔ آج بھی اُس نے وائٹ اور ریڈ کلر کی فراک پہنی ہوئی تھی' ڈارک براؤن سلکی بالوں میں تھوڑا تھوڑا سرخی مائل رنگ بھی تھا' بالوں کی دو پونیاں بنائی تھیں' سُرخ وسفید رنگ اور گرے کلر کی آنکھیں اس قدر خوبصورت تھیں' جب وہ جوش کے ساتھ سائیکل چلاتی تو اس میں روشنیاں سی بھر جاتیں۔

’’یہ میری جگہ ہے‘ یہاں سائیکل میں کھڑی کروں گی‘‘۔ اس نے ضدی لہجے میں کہا تو دوسرے بچوں کو بھی غصہ آ گیا۔

’’نہیں یہ ہماری جگہ ہے‘‘۔ وہ سب آپس میں لڑنے لگے‘ وہ ان کے قریب آ گیا۔

’’کیا ہو رہا ہے یہاں؟ کیوں لڑ رہے ہو؟‘‘ اس نے ایک بچے سے پوچھا تو اس نے ساری تفصیل بتا دی۔

’’دیکھو! تم زیادتی کر رہی ہو‘ یہ سب روزانہ یہاں سائیکلیں کھڑی کرتے ہیں‘ تم اُن کی جگہ نہیں لے سکتیں‘ اتنا بڑا پارک ہے‘ کہیں اور کھڑی کر لو اپنی سائیکل‘‘۔ اس نے حق کی بات کی۔

’’تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے؟ میں یہیں سائیکل کھڑی کروں گی‘‘۔ اس نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

’’یہ انگریز ہوتے ہی اتنے چالاک ہیں‘ دوسروں سے ہمیشہ چیزیں چھین لیتے ہیں‘‘۔ ایک بچے نے کہا۔

’’اور دیکھو ہمارے ملک میں ہم سے لڑ رہی ہے‘‘۔ اس بچے نے چالاکی سے کہا۔

’’وہاٹ....! کیا کہا تم نے؟ یہ کنٹری میرے ڈیڈ کی ہے‘ اور لندن میری مام کا‘ اس طرح دونوں کنٹری میرے ہوئے‘ سمجھے تم؟ اور نیکسٹ ٹائم میرے میٹر میں انٹرفیئر مت کرنا‘ او کے....؟‘‘ ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہتی سائیکل بھگاتی لے گئی اور وہ بچہ اتنا سا منہ لے کر رہ گیا‘ تبھی وہ ہوش میں آ گیا۔

’’اُف یہ لڑکی‘‘۔ اس سے آگے وہ سوچ نہ سکا۔

☆

’’مجھ سے فرینڈ شپ کرو گی؟‘‘ اگلے دن وہ پارک میں ایک سائیڈ میں اکیلی بیٹھی تھی‘ جب اس نے اس باربی ڈول کے پاس جا کر کہا‘ اسے تو اس کا نام بھی معلوم نہیں تھا‘ اس نے خود ہی باربی ڈول کا نام دے دیا تھا۔

’’کیوں....؟‘‘ اس باربی ڈول نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔

’’ویسے ہی‘ میں آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں‘‘۔

’’لیکن میں تم سے دوستی نہیں کرنا چاہتی‘‘۔ اس نے رکھائی سے کہا تو اسے بھی غصہ آ گیا۔

’’کیوں نہیں کر سکتیں؟‘‘

’’میری مرضی‘‘۔ اس نے بے نیازی سے کہا تو وہ بھنا کر رہ گیا‘ دوسرے بچے بھی آہستہ آہستہ ان کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے۔

’’میں تم سے لڑنے نہیں آیا‘ صرف دوستی کرنے آیا ہوں‘ میرا نام ذوالنون شاہ ہے‘ کیا تم میری دوست بنو گی؟‘‘ اس نے اس کے سامنے ہاتھ بڑھایا تو اس نے ایک نظر اس کے بڑھے ہاتھ کو دیکھا اور پھر بولی۔

’’میرے ساتھ بیٹ لگاؤ‘ پارک کے دوسری سائیڈ پر جو پہلے پہنچ گیا وہ جیت گیا‘ اگر تم جیت گئے تو میں دوستی کر لوں گی اور اگر ہار گئے تو دوبارہ مجھے دوستی کرنے کے لئے نہیں کہو گے‘ رائٹ....؟‘‘

’’یس....رائٹ!‘‘ ذوالنون شاہ نے پُر جوش انداز میں کہا۔

’’لیکن پہلے اپنا نام تو بتاؤ‘‘۔

’’میرا نام زاریہ شاہ ہے‘‘۔

’’تمہارے نام کے آگے بھی شاہ لگتا ہے؟‘‘ وہ بہت خوش ہوا۔

’’کیوں تم اوپر سے لکھوا کر لائے تھے؟ صرف تمہارے نام کے ساتھ شاہ لگے گا؟‘‘ اس نے تیز لہجے میں کہا تو وہ

خفیف سا ہو گیا۔ بچوں کے شور مچانے پر وہ دونوں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے‘ ہمیشہ کی طرح جیت زاریہ کا مقدر بنی۔ جیت کر کر اس کی آنکھوں میں جو چمک تھی دیکھنے کے قابل تھی وہ مایوسی سے گھر لوٹ آیا۔ اسی شام اس کے بابا جان آئے تو وہ ان کے ساتھ کراچی آ گیا۔

☆

’’لائبہ آپی! اس وائٹ محل میں کوئی نہیں رہتا ہے کیا؟‘‘ زاریہ نے پوچھا۔

’’نہیں، رہتے ہیں‘ لیکن زیادہ تر یہ لوگ کراچی ہی رہتے ہیں‘ اس محل میں ایک چھوٹا لڑکا رہتا ہے اور ملازم ہوتے ہیں‘‘۔

’’آپی! یہ محل باہر سے کس قدر خوبصورت ہے‘ میں اسے اندر سے دیکھنا چاہتی ہوں‘‘۔ اس نے مچل کر کہا‘ لائبہ کو ہنسی آ گئی۔

’’ڈیئر! اندر کیسے جا سکتے ہیں؟ باہر جو واچ مین اتنی بڑی گن لے کر کھڑا ہے وہ ہمیں اندر نہیں جانے دے گا‘ اگر بالفرض ہم اس سے چھپ کر چلے بھی جائیں تو اندر اتنے بڑے بڑے دو عدد کتے ہیں‘ وہ تو ہمیں ویسے ہی چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے‘‘۔ تو اس نے بے ساختہ خوف سے جھرجھری لی۔ لائبہ ہنس پڑی تھی‘ زاریہ نے اوپر ہو کر نیچے دیکھنا چاہا‘ لیکن دیواریں اتنی بڑی بڑی تھیں‘ ٹیرس پر کھڑے ہو کر بھی کچھ خاص نظر نہیں آ رہا تھا‘ دو ہفتے بعد وہ لاہور واپس آیا‘ بے ساختہ ہی اس کا دل زاریہ کو دیکھنے کو چاہا۔ کراچی جا کر بھی اس نے اُسے بہت مِس کیا تھا۔ اگلے دن وہ پارک میں گیا تو وہ وہاں کہیں نہیں تھی‘ 15 منٹ بعد وہ اسے پارک کے گیٹ کے اندر داخل ہوتی ہوئی نظر آئی‘ وہ خوش ہو گیا‘ خلاف معمول آج وہ آہستہ آہستہ آ رہی تھی اور چُپ چاپ بھی تھی۔

’’ہیلو....زاریہ!‘‘ اس نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

’’ہائے....!‘‘ اس نے مختصر کہا۔

’’کیا بات ہے؟ تم کچھ سیڈ لگ رہی ہو؟‘‘ ذوالنون شاہ نے چونک کر پوچھا۔

’’ہاں! ہوں سیڈ‘‘۔ اس نے آہستگی سے کہا‘ خلافِ معمول وہ آج آرام سے بول رہی تھی۔

’’کیوں؟ کیوں سیڈ ہو؟ بتاؤ مجھے‘ شاید میں تمہاری سیڈنس ختم کر دوں‘‘۔ اس نے مخلص دوست کی طرح کہا۔

’’اچھا اگر میں بتاؤں تو میری اُداسی ختم کر دو گے؟‘‘

’’ہاں! بالکل....فوراً کر دوں گا‘‘۔

’’میرے چھوٹے بھائی مانو کی آج برتھ ڈے ہے‘ وہ لندن میں ہے اس لئے اُداس ہوں‘ اب تم مجھے ابھی لندن پہنچا کر میری اُداسی ختم کر دو گے؟‘‘ زاریہ نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ گڑبڑا گیا۔

’’بتاؤ بھی....!‘‘ ذوالنون شاہ نے نفی میں سر ہلایا۔

’’کہہ تو ایسے رہے تھے جیسے میں آنکھ بند کروں گی اور تم مجھے منٹوں میں لندن پہنچا دو گے‘‘۔

’’تم بتاؤ میں تمہاری اُداسی دور کر دوں گا‘‘۔ اس نے اُسی کے لہجے کی نقل اُتاری تو ذوالنون شاہ کو صاف لگا وہ اس کا تمسخر اُڑا رہی ہے‘ وہ جل کر رہ گیا۔

’’تم پیدل کیوں آئی ہو؟ تمہاری سائیکل کہاں ہے؟‘‘ اس نے یونہی بات بدلنے کو کہا۔

’’میری مرضی‘ میں پیدل آؤں یا سائیکل پر‘‘۔ اس نے رکھائی سے کہا‘ احساسِ توہین سے اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا‘ وہ فوراً اُٹھا سائیکل پر بیٹھ کر تیزی سے اس کے پاس سے گزر گیا۔

"پتہ نہیں خود کو کیا سمجھتی ہے' اتنی اکڑتی کیوں ہے؟" اس نے غصے سے سوچا۔

"میرا نام بھی ذوالنون شاہ ہے' کوئی عام نہیں ہوں' مر نہیں جاؤں گا اگر دوستی نہیں کرے گی تو"۔ وہ اس سوچ میں گم تھا' سامنے سے آتے پانچ لڑکوں کو دیکھ نہ پایا' جو نہایت تیز رفتاری سے آ رہے تھے' سیدھا اُن کے ساتھ ٹکرایا' سارے ایک دوسرے پر ڈھیر ہو گئے' اس کے بازو پر خراشیں آ گئیں' وہ پانچوں لڑکے غصے سے اس کی طرف بڑھے' وہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔

"تم ہم سے کیوں ٹکرائے ہو؟" وہ اس پر برہم ہوئے۔

"میں جان بوجھ کر نہیں ٹکرایا"۔ اس نے صفائی پیش کی۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو"۔ ایک لڑکے نے آگے بڑھ کر اسے زور کا جھٹکا دیا' وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا' منہ کے بل پکی اینٹوں کی روش پر گر گیا' اس کی پیشانی کی جلد اوپر سے پھٹ گئی تھی' خون نکلنے لگا۔ وہ بچے خوفزدہ ہو کر اسے دیکھنے لگے' تبھی وہ بھاگتی ہوئی اس کے قریب آئی' وہ دور سے سارا منظر دیکھ رہی تھی' بغور اس کا جائزہ لینے لگی۔ ذوالنون شاہ کو لگا وہ ضرور اس کی مدد کرے گی' لیکن وہ ایک دم کھڑی ہوئی اُن لڑکوں کی طرف بڑھ گئی۔ تکلیف کی شدت اور اس کی بے اعتنائی دیکھ کر اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آ گئے۔

"کتنی کٹھور لڑکی ہے' ایک زخمی انسان کی مدد بھی نہیں کر سکتی"۔ اس نے دکھی دل کے ساتھ سوچا' لیکن اگلے ہی پل دنگ رہ گیا۔

"کس نے دھکا دیا ہے اس کو؟" ایک نے ڈرتے ہوئے ساتھ والے لڑکے کی طرف اشارہ کر دیا' اگلے ہی پل ایک زوردار تھپڑ اُس کے منہ پر مارا تو باقی ساکت نظروں سے اس چھوٹی اور نازک سی لڑکی کی جرأت کو دیکھتے رہ گئے۔

"تم لوگ میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو' اُٹھاؤ اس کو"۔ تو وہ فوراً آگے بڑھ کر ذوالنون شاہ کو اُٹھانے لگے۔

"تم لوگ اسے آہستہ آہستہ اِدھر کی طرف لے کر آؤ' میں ابھی آئی"۔ وہ ذوالنون شاہ کی سائیکل لے کر تیر کی طرح پارک کا گیٹ پار کر گئی' چند منٹوں بعد اپنے ڈرائیور کے ساتھ کار سمیت واپس آتی ہوئی نظر آئی' ڈرائیور ذوالنون شاہ کو دیکھ کر چونک گیا' پھر جلدی سے اسے گاڑی میں بٹھایا' وہ بھی فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی' قریبی ہوسپٹل سے اس کی بینڈیج کروائی اور ڈاکٹر نے جو دوائی لکھ کر دی' ڈرائیور میڈیکل اسٹور سے وہ لینے لگا تو وہ دونوں کار میں آ کر بیٹھ گئے۔

"اب تو تمہارے پین نہیں ہو رہی؟" تو ذوالنون نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تھینکس..... تم نے میری اتنی مدد کی"۔ ذوالنون نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔

"اس میں تھینکس کی کیا بات ہے؟ تمہاری جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو میں اسی طرح اس کی مدد کرتی' ویسے بھی ایک دوسرے کی مدد کرنا مسلمان کا فرض ہے"۔ اس نے رسان سے کہا' وہ اُچھل ہی گیا۔

"تم اسلام کے بارے میں جانتی ہو' آئی مین تم لندن میں رہتی ہو؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ لندن میں مسلمان نہیں رہتے؟" زاریہ نے تیز لہجے میں کہا تو وہ بوکھلا گیا۔

"سوری..... میرا یہ مطلب نہیں تھا"۔ ذوالنون شاہ نے صفائی دی۔

"او کے..... بٹ ہمارے درمیان دوستی نہیں ہو سکتی"۔ زاریہ نے شرارت سے دیکھتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھایا تو وہ بغیر تامل کے فوراً تھام گیا۔

"فرینڈز.....؟" ذوالنون شاہ نے بے یقینی سے پوچھا' کیونکہ پل پل میں اس کا موڈ دھوپ چھاؤں جیسا ہو جاتا تھا۔

"یس..... فرینڈز!" زاریہ نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی خوش ہو گیا۔

"یہ لو بیٹا! تمہاری دوائی"۔ ڈرائیور نے چھوٹا سا شاپر ذوالنون کو تھمایا' اس نے شکریہ کے ساتھ تھام لیا۔ راستے میں وہ دونوں چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے رہے' کار زاریہ کے گھر کے سامنے رُکی تو وہ چونک گئی۔

"انکل! آپ میڈیسن کا بل بتا دیں"۔ ذوالنون شاہ نے ڈرائیور سے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں بل پے کرنے کی' یہ میرا اور ڈرائیور انکل کا ذاتی معاملہ ہے"۔

"لیکن.....!" "لیکن ویکن کچھ نہیں' دوست کا اتنا حق تو بنتا ہے"۔ تو وہ چُپ ہو گیا۔

"اور ہاں! تمہاری سائیکل میرے گھر میں ہے' جس دن پارک میں آئے اُس دن لے لینا' یہ سامنے والا میرا گھر ہے"۔ تو وہ حیران رہ گیا۔

"ڈرائیور انکل! آپ پہلے ذوالنون کو اس کے گھر چھوڑ آئیے"۔ زاریہ نے کہا تو ڈرائیور مسکرا دیا۔

"بیٹا! وہ سامنے والا گھر اس کا ہے"۔

"کیا.....؟" وہ اُچھل ہی گئی' حیران ہونے کی باری اب اس کی تھی۔

"یہ وائٹ محل تمہارا ہے؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا تو اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔ وہ کار سے باہر اُترا تو گیٹ کے باہر بیٹھا واچ مین اسے دیکھ کر بھاگ کر اس کے پاس آیا۔

"چھوٹے صاحب! یہ چوٹ کیسے لگی؟" واچ مین نے پریشانی سے پوچھا۔

"پارک میں گر گیا تھا' بس معمولی سی چوٹ ہے"۔ اس نے لاپرواہی سے کہا۔

"آپ کو نہیں پتہ' اگر بڑے صاحب کو پتہ چل گیا تو بھونچال آ جائے گا"۔ واچ مین نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں ہو گا"۔ اس نے کہا اور واچ مین کے ساتھ اندر بڑھ گیا۔

☆

"لائبہ آپی! لائبہ آپی!" وہ بھاگتی ہوئی اس کے روم میں پہنچی۔

"کیا ہوا زاری؟"

"لائبہ آپی! آج شام میں وائٹ محل جاؤں گی"۔ اس نے بہت خوش ہو کر کہا۔

"اور میرے ساتھ آپ بھی جائیں گی"۔

"وہ کیسے.....؟ کہیں تمہارے ذہن میں کوئی شرارت تو نہیں سوجھ رہی؟" لائبہ نے مشکوک انداز میں کہا' پھر اس نے سارا واقعہ لائبہ کے گوش گزار کر دیا۔

"وہ اب میرا دوست ہے' اُس کی عیادت کرنا تو ہمارا حق بنتا ہے"۔

"زاری! تم سچ کہہ رہی ہو؟ مجھے تو تمہاری بات پر یقین نہیں آ رہا' اُس محل میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے' تین سال پہلے میں نے بھی بڑی کوشش کی تھی اندر سے اس محل کی خوبصورتی دیکھنے کے لئے' لیکن ساری ناکام ہو گئی تھی' ایک دفعہ تو میں نے زید بھائی سے فرمائش کی تھی' اُس محل کو دیکھنا ہے' زید بھائی نے کسی بہانے سے واچ مین کو اِدھر اُدھر کیا' میں چپکے سے اندر گھس گئی' لیکن اگلے ہی لمحے چیختے ہوئے باہر تھی' اندر اتنے بڑے بڑے دو کتے تھے' میری تو جان ہوا ہو گئی تھی' اُس دن کے بعد میں نے اس محل کو اندر سے دیکھنے کی توبہ کر لی"۔ وہ ہنس ہنس کے بے حال ہو گئی۔

"اُف..... لائبہ آپی! آپ اتنا ڈرتی ہیں"۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

☆

پھولوں کے خوبصورت بکے کے ساتھ وہ دونوں اس وقت ''ذوالنون شاہ پیلس'' کے گیٹ کے باہر کھڑی تھیں اور واچ مین انہیں سخت تیوروں سے گھور رہا تھا۔

''وہ ہمیں ذوالنون شاہ سے ملنا ہے''۔ لائبہ نے ڈرتے ڈرتے کہا' واچ مین کے اس طرح گھورنے سے وہ سخت خائف تھی۔

''سوری بی بی! آپ چھوٹے صاحب سے نہیں مل سکتیں''۔ واچ مین نے رکھائی سے کہا۔

''کیوں نہیں مل سکتی؟'' زاریہ نے تیز لہجے میں کہا' واچ مین نے غور سے اس چھوٹی سی لڑکی کو دیکھا جس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

''کیونکہ بڑے صاحب نے سختی سے منع کیا ہے اُن کی اجازت کے بغیر کوئی بھی اندر نہیں جا سکتا''۔ واچ مین نے سنجیدگی سے کہا۔

''یہ بڑے صاحب کون ہیں؟'' اس نے غصہ ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

''بڑے صاحب یعنی انوار شاہ' ذوالنون شاہ کے دادا' اور ہاں بی بی! اب آپ یہاں سے جاؤ' میرا دماغ مت کھاؤ''۔ واچ مین نے تیز لہجے میں کہا' تو زاریہ تلملا کر رہ گئی' لائبہ کو بھی مایوسی ہوئی' اتنی دیر بعد اس محل کو دیکھنے کا ہلکا سا چانس ملا تھا' وہ بھی پورا ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا' ویسے بھی وہ تھوڑی سی ڈرپوک اور کم گو سی تھی' اس کے مقابلے میں زاریہ جو اس سے سات سال چھوٹی تھی' بے حد پُر اعتماد اور بہادر تھی۔

''ایسے کیسے چلے جائیں؟ ہم ملے بغیر نہیں جائیں گے' آپ اندر جا کر ذوالنون سے کہیے زاریہ شاہ آئی ہے''۔ تو واچ مین چونک گیا۔

''زاریہ شاہ....! کہیں یہ چھوٹے صاحب کی کوئی رشتے دار تو نہیں ہے''۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''آپ جانتے نہیں میں کون ہوں' چند منٹوں میں آپ کو نوکری سے فارغ کروا سکتی ہوں''۔ واچ مین کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر اس نے چالاکی سے کہا۔

''دیکھیئے بی بی! آپ کیوں میری نوکری کے پیچھے پڑ گئی ہیں؟'' اس نے گڑبڑا کر کہا۔

''زاری! چلو گھر چلیں''۔ لائبہ نے اس کا بازو کھینچا۔

''ایک منٹ آپی!'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''اگر نوکری چاہتے ہو تو ہمیں اندر جانے دو''۔ اس نے بے نیازی سے کہا' چار و ناچار واچ مین کو حامی بھرنا پڑی۔

''ٹھیک ہے' میں انٹر کام سے چھوٹے صاحب سے پوچھ لیتا ہوں' اگر انہوں نے کہا تو میں آپ کو اندر جانے دوں گا''۔

''ٹھیک ہے''۔ اس نے لاپرواہی سے شانے اُچکا کر کہا کیونکہ وہ جانتی تھی ذوالنون شاہ انکار نہیں کرے گا۔

''چھوٹے صاحب! کوئی زاریہ شاہ آپ سے ملنے آئی ہے' میں نے اسے بہت منع کیا لیکن وہ ضد کر رہی ہے' ملے بغیر نہیں جائے گی''۔

''کب سے آئی ہے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''جی پندرہ منٹ ہو گئے ہیں''۔ واچ مین نے کہا۔

''وہاٹ....؟ پندرہ منٹ سے تم نے اسے باہر کھڑا کر رکھا ہے' فوراً بھیج دو اندر''۔

''آیئے بی بی! آپ اندر آ جائیں''۔ واچ مین نے اس دفعہ مؤدب ہو کر کہا' وہ اپنی کامیابی پر مسرور سی اندر بڑھ گئی' لائبہ بھی خوشی اور مسرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اس کے ساتھ تھی۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئیں تو ایک ملازمہ تیزی سے ان کی طرف آ رہی تھی' وہ دونوں تو خواب کی کیفیت میں اِرد گرد دیکھ رہی تھیں۔

''آیئے میرے ساتھ' چھوٹے صاحب آپ کو اندر بلوا رہے ہیں''۔ ملازمہ کے ہمراہ وہ لاؤنج میں پہنچ گئیں' وہ لاؤنج میں انہی کا انتظار کر رہا تھا' وہ دونوں ابھی تک مسمریزم کی کیفیت میں تھیں' باہر لان اس قدر شاندار خوبصورت تھا کہ وہ دیکھتی رہ گئیں اور اندرونی حصہ باہر سے کہیں بڑھ کر شاندار لگ رہا تھا۔

''ہیلو.... زاریہ!'' ذوالنون شاہ نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہائے....!'' وہ بھی ہلکا سا مسکرائی۔

''یہ لائبہ آپی ہیں' میری کزن''۔ اس نے لائبہ کا تعارف کروایا' لائبہ نے پھول اسے پکڑائے تو اس نے شکریہ کے ساتھ ان پھولوں کو تھام لیا۔

''پلیز.... بیٹھیے!'' وہ اس کی چوٹ کے بارے میں پوچھنے لگی' چند لمحوں بعد ملازمہ جانے کیا کیا ان کے سامنے سرو کرنے لگی۔

''اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟'' لائبہ نے بوکھلا کر کہا۔

''آپ پہلی دفعہ آئی ہیں اور ہمارے چھوٹے صاحب کی مہمان ہیں' اتنا تو حق بنتا ہے''۔ ملازمہ نے مسکرا کر کہا تو وہ چُپ ہو گئی۔ ذوالنون کے اصرار پر انہوں نے صرف برائے نام چکھا تھا۔ زاریہ نے پورا گھر دیکھنے کی فرمائش کی' پھر اس نے پورا بنگلہ انہیں دکھایا تو ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں' ہر چیز ایک سے بڑھ کر ایک تھی' پھر وہ انہیں عقبی حصے کی طرف لے گیا' یہاں لان کے درمیان بہت خوبصورت سا سوئمنگ پول بنا تھا' دونوں لان کے اطراف میں دو بڑے بڑے کُتے لوہے کی موٹی موٹی زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے' ان دونوں کو دیکھ کر اونچی آواز میں غرانے لگے۔ لائبہ تو چیخ کر زاریہ سے لپٹ گئی' جبکہ وہ دونوں زور سے ہنس پڑے۔

''لائبہ آپی! وہ دونوں بندھے ہوئے ہیں' کچھ نہیں کہیں گے''۔ ذوالنون شاہ نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے کہا' پھر وہ دونوں خوبصورت سی شام انجوائے کرتیں گھر آ گئیں۔



پھر وہ روز ہی ''ذوالنون شاہ پیلس'' چلی آتی' جو ٹائم پہلے وہ لوگ پارک گزارتے تھے اب وہ ذوالنون شاہ کے لان میں کھیلتے' کبھی جھولا جھولتے تو کبھی فوارے کے پاس بیٹھ کر ڈھیروں باتیں کرتے' ہر وقت بنگلے میں شور ہنگامہ اور ہنسی کی آواز گونجتی رہتی' ملازمین بھی اس چھوٹی سی گڑیا سے بے حد خوش تھے' ہر وقت رونق لگائے رکھتی تھی' ان دونوں کی دوستی کافی حد تک مضبوط ہو گئی تھی۔

''پتہ ہے ذوالنون! جب میں نے پہلی دفعہ یہ بنگلہ دیکھا تھا باہر سے تب میں نے اسے ''وائٹ محل'' کا نام دے دیا تھا''۔

''لندن میں میرا جو گھر ہے وہ بے حد خوبصورت ہے' میں سوچتی تھی کہ دنیا میں میرے گھر سے زیادہ خوبصورت گھر کسی کا نہیں ہوگا' حقیقت میں وہ بہت خوبصورت ہے' لیکن یہ ''وائٹ محل'' اس سے بھی کہیں زیادہ خوبصورت ہے''۔ اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''زاریہ! تمہیں یہ محل بہت پسند ہے؟''

''ہاں! بہت زیادہ''۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرانے لگا۔

''ذوالنون! ایک بات تو بتاؤ! تم اکیلے کیوں رہتے ہو؟ تمہارے مام اور ڈیڈ کہاں ہیں؟ وہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں رہتے، تمہیں اکیلے ڈر نہیں لگتا؟'' اس نے ایک ہی سانس میں کئی سوال پوچھ لیے۔ تقریباً ایک ہفتہ ہو گیا تھا اسے ''وائٹ محل'' میں آتے ہوئے، لیکن وہ اپنے مام اور ڈیڈ کے بغیر رہتا تھا' وہ جاننے کے لئے بے چین تھی کہ وہ اکیلا کیوں رہتا ہے' آج موقعہ ملتے ہی اس نے ایک ساتھ ہی سوال کر ڈالے' وہ اس کی عجلت پر مسکرا دیا۔

''میرے بابا جان اور لماں جان' دادا جان کے ساتھ کراچی میں رہتے ہیں' بابا جان کا وسیع بزنس ہے جو اُن کو اکیلے ہی سنبھالنا ہوتا ہے' اس لئے بابا جان زیادہ تر کراچی میں ہی رہتے ہیں' پھر لماں جان کو بھی کراچی رہنا پڑتا ہے لیکن وہ میرے پاس بھی رہنے آجاتے ہیں' میں بھی چھٹیوں میں کراچی چلا جاتا ہوں' لیکن تھوڑے دنوں کے لئے رہی ڈرنے کی بات' تو اب تو عادت سی ہو گئی ہے' میں تو پانچ سال سے اکیلا رہ رہا ہوں''۔ اس نے اُداسی سے کہا۔

''کیا.... پانچ سال سے؟'' وہ حیرت سے چلاّ اُٹھی تھی۔

''لیکن کیوں؟ کوئی تو وجہ ہو گی اکیلے رہنے کی؟'' اس نے الجھ کر پوچھا' تو وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔

''میں ذوالنون شاہ' حمزہ شاہ کا اکلوتا بیٹا اور انوار شاہ کا اکلوتا پوتا ہوں' میرا ایک بڑا بھائی بھی تھا جو مجھ سے سات سال بڑا تھا اور سب کی جان تھا' اذان بھائی جب سات سال کے ہوئے تو ناگہانی موت کا شکار ہو گئے' یہ سب کے لئے اتنا بڑا صدمہ تھا جس نے ''شاہ وِلا'' کے مکینوں کو اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا' میرے دادا کا تعلق اندرون سندھ سے تھا' وہاں ان کی کافی زمینیں تھیں' وہاں ملکوں اور شاہوں کے درمیان زمین کا کوئی تنازع چل رہا تھا' یہ تنازع شدید لڑائی کی صورت اختیار کر گیا' دونوں طرف خوب لڑائی ہوئی اور خوب گولیاں چلیں' بدقسمتی سے شاہوں کی طرف سے چلنے والی گولی' ملکوں کے بیٹے کا سینہ چیرتی ہوئی گزر گئی اور وہ موقعے پر ہی دم توڑ گیا' اس طرح یہ دشمنی اور بڑھ گئی' پھر پتہ نہیں کس طرح دونوں اطراف میں صلح ہو گئی' اس بات کو کافی عرصہ بیت گیا' ایک دن معمول کے مطابق اذان بھائی اسکول گئے' واپسی پر ان کی کار پر شدید فائرنگ ہوئی' ڈرائیور اور اذان بھائی موقعے پر ہی دم توڑ گئے' ملکوں نے اتنے سالوں بعد ننھے سے اذان بھائی سے بدلہ لیا جو گھر سے علم کی روشنی حاصل کرنے نکلے تھے''۔ اذان کے ذکر پر آنسو قطرہ قطرہ ذوالنون کے سفید رخساروں سے لڑھکتے اس کی شرٹ کے گریبان میں جذب ہو رہے تھے۔

''میرے دادا جان اور بابا جان اندر سے بالکل ڈھے گئے تھے' اور میری ماں یہ صدمہ برداشت نہ کر سکیں' انہیں ہارٹ اٹیک ہو گیا' موت کو شکست دے کر دوبارہ زندگی کی طرف لوٹ آئیں' پھر میں نے ''شاہ وِلا'' میں آنکھ کھولی ''شاہ وِلا'' میں خوشی کی لہر دوڑ گئی' دادا جان میرے لئے بے حد حساس ہو گئے' انہوں نے پھر یہ محل تعمیر کروایا اور میری پہلی برتھ ڈے پر مجھے گفٹ کیا' میں ایک سال کا بچہ تھا' مجھے کچھ نہیں پتہ تھا کیا ہو رہا ہے؟ اس کے بعد اماں جان اور بابا جان مجھے لے کر اس بنگلے میں شفٹ ہو گئے' آہستہ آہستہ حالات سیٹ ہونے لگے' بابا جان نے اذان بھائی کے قاتلوں کو معاف کر دیا' ایک دفعہ پھر ان کے درمیان صلح ہو گئی' لیکن دادا جان کے دل میں خوف بیٹھ گیا' جب میرا کوئی اور بہن بھائی نہ ہوا تو دادا جان میرے لئے اور بھی حساس ہو گئے' میرے منہ سے نکلنے والی ہر بات منٹوں میں پوری ہوتی' زندگی کی ہر چیز بہتر سے بہترین میرے پاس موجود تھی' جب میں پانچ سال کا ہوا تو میں نے ون کلاس پاس کر لی تھی''۔ وہ بلاشبہ بے حد ذہین تھا۔

''دادا جان تو کراچی میں ہی رہتے اور بابا جان کبھی کراچی تو کبھی لاہور' جب میں پانچ سال کا ہو گیا تو بابا جان مکمل طور پر کراچی شفٹ ہو گئے' مجبوراً اماں جان کو بھی کراچی جانا پڑا' اماں نے بہت کوشش کی کہ میں بھی اُن کے ساتھ جاؤں' لیکن دادا جان کا حکم تھا کہ میں ''ذوالنون شاہ پیلس'' میں ہی رہوں' بہت سارے نوکر میری دیکھ بھال میں لگے رہتے' دادا جان اکثر چکر لگاتے رہتے وہ مجھ سے بہت پیار کرتے' وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا' میرے پاس زندگی کی ہر نعمت تھی' لیکن آزادی نہیں تھی' میں اس محل میں جیسے قید ہو کر رہ گیا' سپارہ پڑھانے کے لئے قاری صاحب گھر آتے' ٹیوشن پڑھانے کے لئے ٹیوٹر گھر آتا' صرف گھر سے اُس وقت نکلتا جب اسکول جاتا وہ بھی کالے شیشے والی گاڑی میں' آگے پیچھے میرے گارڈز ہوتے' اسکول میں بھی ہر وقت ایک گارڈ میرے ساتھ موجود ہوتا' میرا کوئی دوست نہ بنا' باقی کا وقت گھر میں گزرتا' پھر میں اس ماحول میں ایڈجسٹ ہو گیا' بہت کم بولتا اور ہنستا' اس طرح میری زندگی کے گیارہ برس گزر گئے' نہ کسی کو اس محل میں آنے کی اجازت تھی اور نہ مجھے باہر جانے کی اجازت تھی' میرا سارا بچپن اس محل میں گزرا' اس کے علاوہ اب مجھے کہیں نیند نہیں آتی' اب میں اکثر بابا جان کے ساتھ کراچی چلا جاتا ہوں' لیکن دن بھی وہاں رُکنا محال ہو جاتا ہے' فوراً واپسی کے لئے پر تولنے لگتا ہوں' لماں جان زبردستی چند دن کے لئے رکھ لیتی ہیں' گیارہ سال کے بعد میرا دل بھی مچلنے لگا' میں بھی عام لڑکوں کی طرح باہر کھیلوں' دوست بناؤں' اپنی مرضی سے خود جا کر شاپنگ کروں' لیکن ان سب کی مجھے اجازت نہ تھی' اب میں بارہ برس کا ہو گیا ہوں' 8th اسٹینڈرڈ میں ہوں' سائیکلنگ کا مجھے بے حد شوق تھا' میں صبح تھوڑی دیر کے لئے پارک میں چلا جاتا ہوں' اس بات کا ''شاہ وِلا'' میں کسی کو نہیں پتہ' اور سب ملازمین کو میں نے سختی سے منع کیا ہے کسی کو نہ بتانے کا' اُس دن میں نے تمہیں دیکھا تو بے ساختہ میرے منہ سے باربی ڈول نکل گیا تھا' پھر میں تمہیں باربی ڈول کہنے لگا' میرا دل کر رہا تھا کہ تم میری دوست بن جاؤ' لیکن تھوڑی مشکل کے بعد اللہ کو مجھ پر رحم آ گیا اور میری تنہا زندگی میں تمہیں میری دوست بنا کر بھیج دیا' یہ ہے میری بارہ سالہ زندگی کی کہانی' پہلے اس محل میں مجھے اپنی زندگی قید تنہائی لگتی تھی' اب اس محل سے بہت پیار ہے' اس کی ایک ایک چیز میری دوست ہے اور سب سے بڑھ کر اس محل نے تمہیں اور بھی میرے قریب کر دیا''۔ وہ اسے بتا چکی تھی کہ وہ کس قدر بے چین تھی یہ محل دیکھنے کے لئے' ان دونوں کی دوستی اور بھی مضبوط ہو چکی تھی۔

''اب چاہوں بھی تو اس محل کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا' کیونکہ اس محل کی وجہ سے ہم دوستی کے خاص رشتے میں بندھ گئے ہیں''۔ وہ ایک گہری سانس لے کر چپ ہو گیا' جبکہ وہ ساکت بیٹھی دَم سادھے شاک کے عالم میں اسے سُن رہی تھی۔

''آئی ایم سوری.... میری وجہ سے تم پھر اس تلخ ماضی سے گزرے' اذان بھائی کی ڈیتھ کا سُن کر بے حد افسوس ہوا''۔ اس نے افسردگی سے کہا۔

''اِٹس اوکے''۔ وہ صرف یہی کہہ سکا۔

''کس قدر ظالم لوگ ہیں' ایک بچے سے بدلہ لیا''۔ اس نے بے حد دکھی لہجے میں کہا۔

''تم نہیں جانتیں زاریہ! یہاں لوگ معمولی معمولی بات پر ایک دوسرے کی جان لے لیتے ہیں' دشمنی کی آگ میں سالوں جلتے رہتے ہیں' ایک دوسرے کو قبروں میں اُتار کر بھی انہیں ٹھنڈک نہیں ملتی''۔ ذوالنون شاہ نے افسردگی سے کہا۔

''تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟'' زاریہ نے اُلجھ کر پوچھا۔

''میرے دادا اور بابا کا تعلق اندرون سندھ سے ہے' اس دشمنی نے اذان بھائی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا' اُن کا کیا قصور تھا' اور میں ساری زندگی کھل کر آزادی کے ساتھ باہر گھوم نہ سکا' میرے دادا جان کو یہ ڈر ہے کہ کوئی مجھے نقصان نہ پہنچا دے''۔ اس کا لہجہ دکھی تھا' وہ سُن سی ہو گئی۔

''چھوڑو ان باتوں کو، میرا سارا انٹرویو لے لیا، اپنے بارے میں کچھ بتایا ہی نہیں، سوائے اس کے کہ تمہارا نا
زاریہ شاہ ہے، اور لندن سے آئی ہو''۔ ذوالنون نے اس کے فق ہوتے چہرے پر نظر ڈالی اور بات بدلنے کو شوخ لہ
میں کہا تاکہ اس کا دھیان بٹ جائے۔

''سوری.... میں نے واقعی تمہیں اپنے بارے میں نہیں بتایا''۔ اس نے ہلکی سی شرمندگی سے کہا۔

''تو اب بتا دو''۔ اس نے ہنس کر کہا، وہ بھی ہنس پڑی۔

''میرا نام زاریہ شاہ ہے، میرے ڈیڈ کا نام نبیل شاہ ہے، میری مام کا نام علینا شاہ ہے، میرا ایک بھائی ہے جو مجھ سے چھوٹا ہے، عمان نام ہے اُس کا، میں اُسے مانو کہتی ہوں، میری مام اکلوتی ہیں، میرے ڈیڈ کی ایک بہن ہے، تمہارے محل کے سامنے والا بنگلہ میری **پھپھو** کا ہے، میرے مام اور ڈیڈ کا اپنا بزنس ہے، دونوں مل کر بزنس چلا رہے ہیں، میرا ایج نو سال ہے اور میں 5th اسٹینڈرڈ کے ایگزام دے کر آئی ہوں، مانو مجھ سے تین سال چھوٹا ہے، میں پاکستان پھپھو کے گھر آئی ہوں، لائبہ آپی اور زید بھائی میرے کزن ہیں، لائبہ آپی میٹرک اور زید بھائی FSC کر رہے ہیں''۔ وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ بتاتی چلی گئی۔

''مائی گاڈ.... زاریہ! کس قدر تیز بولتی ہو''۔ ذوالنون نے بُری طرح ہنستے ہوئے کہا، وہ بھی ہنس پڑی۔

✩

یوں ہی ہنستے کھیلتے انجوائے کرتے ہوئے آخر کار وہ دن آ گیا جس دن اسے واپس لندن جانا تھا۔

''زاریہ! تم واقعی شام کو چلی جاؤ گی؟'' اس نے اُداس لہجے میں پوچھا، اس نے ''ہاں'' میں سر ہلا دیا۔

''میرے ڈیڈ رات کے آئے ہوئے ہیں، تم ملنے بھی نہیں آئے''۔ اس نے شکوہ کیا تو وہ بے چین ہو گیا۔

''زاریہ! تم جانتی ہو، میں پارک تک تو چلا جاتا ہوں، لیکن کبھی کسی کے گھر نہیں گیا، عجیب سا لگ رہا ہے''۔ ذوالنون نے سر جھکا کر آہستگی سے کہا۔

''کوئی بات نہیں''۔ وہ اس کی کیفیت سمجھ گئی تھی، تبھی مسکراتے ہوئے بولی۔

''تم پھر کب آؤ گی پاکستان؟'' اس نے اُداسی سے پوچھا۔

''میں نیکسٹ ایئر آؤں گی، جیسے ہی اسکول سے چھٹیاں ہوں گی''۔

''وعدہ....؟'' ذوالنون نے اس کے سامنے ہاتھ پھیلایا، اس نے مسکرا کر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا، پھر وہ لندن واپس چلی گئی، وہ سارا دن بولایا بولایا پھرتا، یا پھر کراچی چلا جاتا۔

''پتہ نہیں باربی ڈول مجھے یاد بھی کرتی ہے یا نہیں؟'' وہ اکثر سوچتا، پھر ایک دن وہ لوٹ آئی، اپنے وعدے کے مطابق، ذوالنون شاہ کو یقین نہیں آ رہا تھا، وہ صرف ایک ماہ کے لئے آئی، دونوں نے خوب انجوائے کیا، پھر یہ معمول بن گیا، وہ ہر سال ایک ماہ کے لئے پاکستان آتی، دونوں مل کر خوب انجوائے کرتے، اب وہ FSC پارٹ کا اسٹوڈنٹ تھا جبکہ وہ 9th کی اسٹوڈنٹ تھی، اس دفعہ وہ اپنے کزن زید کی شادی میں اپنی فیملی سمیت آئی تھی، وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت اور شرارتی ہو گئی تھی، اس نے ذوالنون شاہ کو پوری فیملی سمیت انوائٹ کیا، ان دنوں اس کی امّاں آمنہ شاہ بھی لاہور آئی ہوئی تھیں، ان سے جب وہ ملی تو آمنہ شاہ حیران رہ گئیں، پھر ذوالنون نے اُنہیں ساری بات بتائی تو وہ ورطۂ حیرت میں ڈوب گئیں، بہر حال انہیں یہ نازک سی لڑکی بہت اچھی لگی، جس نے ان کے بیٹے کی زندگی بدل کر رکھ دی تھی۔

''زاریہ! میٹرک کے بعد تمہارا آگے کیا ارادہ ہے؟'' ذوالنون شاہ نے پوچھا۔

''ظاہر ہے میٹرک کے بعد میں آگے ایڈمیشن لوں گی، کسی اچھی یونیورسٹی میں''۔ اس نے لاپرواہی سے کہا۔

''زاریہ! کیا تم میٹرک کے بعد پاکستان میں ایڈمیشن نہیں لے سکتیں؟'' ذوالنون نے ہچکچا کر کہا تو وہ فرطِ حیرت سے اُسے دیکھتی رہ گئی۔

''بتاؤ ناں! کیا تم پاکستان میں ایڈمیشن لو گی؟'' اس نے اُمید سے اس کی طرف دیکھا۔

''نو.... اینڈ نیور''۔ زاریہ نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

''لیکن کیوں؟'' اس نے بے چین ہو کر پوچھا۔

''ذوالنون! پاکستان سے لوگ لندن جاتے ہیں، تعلیم حاصل کرنے، اور تم مجھے پاکستان تعلیم حاصل کرنے کے لئے کہہ رہے ہو؟'' اس نے جھنجھلا کر کہا۔

''تمہارا FSC مکمل ہونے والا ہے، تمہیں چاہیئے کہ تم ہائر اسٹڈی کے لئے لندن آ جاؤ''۔ اس نے ہی اسے مشورے سے نوازا۔

''شکریہ مشورے کا''۔ ذوالنون نے چڑ کر کہا۔

''میں پہلے ہی دادا جان اور بابا جان سے بات کر چکا ہوں، انہوں نے صاف منع کر دیا ہے، کسی صورت مجھے لندن یا امریکہ بھیجنے کے لئے راضی نہیں ہیں''۔ اس نے بے بسی سے کہا۔

''کیوں.... انہیں کیا پرابلم ہے؟'' اس نے بے حد ناگواری سے کہا۔

''زاریہ! تم جانتی ہو''۔ اس نے چڑ کر کہا تو وہ چُپ ہو گئی۔

''فی الوقت کچھ نہیں کہہ سکتی، ابھی ایک سال پڑا ہے، مام اور ڈیڈ سے مشورہ کروں گی، جو مناسب لگا وہی کروں گی''۔ اس نے صاف گوئی سے کہا، وہ پھر کچھ نہ بولا۔

✩

وقت پَر لگا کر اُڑ رہا تھا، وہ BSC کر رہی تھی، جبکہ وہ تعلیم مکمل کر کے اپنے بابا کے ساتھ بزنس کی دنیا میں قدم رکھ چکا تھا، آج کل وہ لاہور والی برانچ کو مزید ترقی دے رہا تھا، دونوں میں دوستی سے بڑھ کر محبت کا رشتہ بن گیا تھا، محبت اوس کے قطروں کی طرح ہے، جو دل کی سرزمین پر گرتی ہے تو زمین کو سیراب کرتی چلی جاتی ہے، مگر اس کے ساتھ ہی پیاس بھی بڑھتی جاتی ہے، ان دونوں کا حال بھی کچھ ایسا تھا، دونوں ایک دوسرے سے بے حد محبت کرتے تھے، ان سالوں میں وہ صرف ایک بار پاکستان آئی تھی، وہ بھی لائبہ آپی کی شادی پر چند دنوں کے لئے، اس کے بعد وہ اتنی بزی رہی کہ پاکستان کا چکر نہ لگا سکی۔ ذوالنون شاہ کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا، وہ اپنا پرپوزل بھیجنا چاہتا تھا، لیکن وہ ابھی انکاری تھی، اس نے صاف منع کیا تھا جب تک اس کی تعلیم مکمل نہیں ہو جاتی شادی یا منگنی کا سوچے بھی نہیں۔ وہ غصے سے ناراض ہو جاتا، لیکن صرف چند لمحوں کے لئے، اس سے زیادہ ناراض رہنا اس کے بس میں نہیں تھا، وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ انٹرنیٹ اور فون پر ڈھیروں باتیں کرتے۔

''پتہ ہے ذوالنون! ٹام بہت خوبصورت ہے، اتنا کہ میں بتا نہیں سکتی''۔ اس نے کھنکتے لہجے میں کہا تو وہ چونک گیا۔

''یہ ٹام کون ہے؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ٹام میرا فرینڈ ہے''۔ اس نے مزے سے کہا۔

''یہ کب بنا تمہارا فرینڈ؟'' اس نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔

"جیلس ہو رہے ہو؟" وہ بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

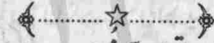
"زاریہ! میں کچھ پوچھ رہا ہوں"۔ اس نے درشت لہجے میں کہا، وہ ہنس ہنس کے بے حال ہو گئی، ایک لمحے کے لئے وہ اس کی ہنسی میں کھو گیا۔

"مائی گاڈ! ذوالنون! تم میرے بلّے سے جیلس ہو رہے ہو"۔ اس نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا.....ٹام بلاّ ہے؟" وہ چیخا۔

"آف کورس جناب! کیا تم مجھے ایسا سمجھتے ہو؟" اب کی بار اس نے کچھ خفگی سے کہا۔

"کیا کروں میں بے بس ہوں؟ محبت میں انسان ایسے ہی پوزیسیو ہو جاتا ہے، میں تم سے بہت بہت پیار کرتا ہوں، بہت زیادہ"۔ اس کے لہجے کی آنچ بے ساختہ اس کا دل دھڑکا گئی تھی۔



پھر وہ اکثر ہی اسے ٹام کے حوالے سے چڑاتی، وہ سچ مچ میں چڑ جاتا۔

"زاریہ! کسی دن میں نے لندن آ کر اس فساد کی جڑ "ٹام" کا گلا دبا دینا ہے"۔ اس نے سپاٹ انداز میں کہا۔

"چلو اس بہانے تم لندن تو آؤ گے"۔ اس کی بات سن کر وہ کافی محظوظ ہوئی، کبھی کبھی جب زیادہ شرارت کے موڈ میں ہوتی، ٹام کی اس انداز سے تعریف کرتی جیسے وہ بلاّ نہ ہو سچ میں لڑکا ہو، کبھی کبھی تو ذوالنون بھی ٹھٹھک جاتا، اُسے بھی یہی گمان گزرتا جیسے ٹام کوئی لڑکا ہو، پھر اس کا BSc مکمل ہو گیا، ذوالنون کے بے حد اصرار پر اور کچھ اس کا اپنا دل بھی پاکستان جانے کو چاہ رہا تھا، مام اور ڈیڈ کی رضامندی لے کر اس نے پاکستان میں ایڈمیشن لینے کا سوچا، پھر اس نے پنجاب یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا۔ ذوالنون کی خوشی کی انتہا نہ تھی، جب زاریہ نے بتایا کہ وہ پاکستان آ رہی ہے۔ پہلی دفعہ وہ زاریہ کی پھپھو کے ساتھ ایئرپورٹ اُسے ریسیو کرنے آیا تھا، وہ کتنے ہی لمحے پلک جھپکے بغیر یک ٹک اسے دیکھتا رہا، یہاں تک وہ پھپھو سے مل کر الگ ہوئی، خوشی سے چمکتی آنکھوں سے نروس ہو رہی تھی، حالانکہ وہ ہمیشہ ہی پُراعتماد نظر آتی تھی۔ زاریہ اس کی نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے سر جھکا گئی تو وہ بھی ہوش میں آ گیا۔

"کیسی ہو.....زرا!" اس نے بے حد محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ٹھیک ہوں، تم کیسے ہو؟" اس نے بڑی دقت سے پوچھا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں اب، لیکن تم کافی بدل گئی ہو، اور پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت ہو گئی ہو"۔ ذوالنون کی تعریف پر اس کے رخسار دہک اُٹھے تھے، وہ بھی اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی، کہاں وہ چھوٹا سا لڑکا ہوا کرتا تھا، اب وہ ایک مکمل مرد تھا، پہلے سے بڑھ کر حسین اور شاندار لگ رہا تھا، وہ سارے رستے اس کا جائزہ لیتی رہی۔ عید آئی پہلی دفعہ اس نے پاکستان میں عید منائی تھی، لندن میں اور پاکستان کی عید میں بہت فرق تھا، لائبہ آپی بھی اپنے چھوٹے سے بیٹے کے ساتھ آئی ہوئی تھیں، اور زید بھائی کے بھی دو بچے تھے، نمرہ بھابی بھی بہت اچھی تھیں، ان سب کے ساتھ اس نے بے حد انجوائے کیا، لیکن وہ ذوالنون کو بے حد مس کر رہی تھی، جو عید کے روز صبح کراچی چلا گیا تھا، اور شام کو لوٹ آیا۔ رات کو اس نے "وائٹ محل" میں ایک چھوٹی سی پارٹی رکھی، جس میں زاریہ کی پھپھو کی فیملی اور چند دوسرے فرینڈز شامل تھے اس کے دوست تھے ہی بہت کم۔ پارٹی بے حد زبردست رہی، اس نے بہت انجوائے کیا، زندگی میں پہلی دفعہ اس کی عید یادگار عید بن گئی تھی۔ ذوالنون شاہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ، خوشیاں اور اطمینان دیکھ کر سرشار ہو گیا تھا، یہ نازک سی لڑکی اس کے لئے کتنی اہم تھی، کوئی اس سے پوچھتا۔



اگلے دن وہ بے حد اُداس تھی، اسے عمان، مام اور ڈیڈ بے حد یاد آ رہے تھے، وہ ٹام کو بھی بے حد مس کر رہی تھی، اور ذوالنون شاہ کو بھی، وہ اپنی سوچوں میں گھری لان میں اِدھر سے اُدھر چکر کاٹ رہی تھی، جب وہ ان کے گھر چلا آیا، اب وہ اکثر آ جاتا تھا۔

"تم مجھے یاد کر رہی تھیں.....؟ لو میں آ گیا"۔ ذوالنون شاہ نے شوخی سے کہا، تو اسے ہنسی آ گئی، لیکن ضبط کر گئی۔

"جی نہیں، میں تمہیں یاد نہیں کر رہی تھی"۔ اس نے بے نیازی سے کہا۔

"اچھا.....تو پھر کس کو یاد کر رہی تھیں؟" ذوالنون شاہ کے استفسار پر ایک لمحے میں اس کے ذہن میں شرارت سوجھی۔

"میں ٹام کو یاد کر رہی تھی"۔ اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"اُس بلّے کو تم مجھ سے زیادہ فوقیت دے رہی ہو؟" اس نے تلملا کر کہا۔

"کیوں.....؟ میں اُسے نہیں سوچ سکتی کیا؟ اُسے نہیں چاہ سکتی کیا؟" اس نے عام سے انداز میں کہا۔

"نہیں تم صرف ذوالنون شاہ کو چاہ سکتی ہو، اُسے سوچ سکتی ہو"۔ اس نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا فرض کرو، اگر ٹام لڑکا ہوا تو.....؟"

"نہیں، میری زاریہ! مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتی"۔ ذوالنون شاہ نے بے حد مضبوط لہجے میں کہا تو وہ اسے دیکھتی رہ گئی، اندر سے اس کے سرشاری ہی سرشاری پھوٹ رہی تھی، وہ اس پر کس قدر اعتماد کرتا ہے۔

"اور اگر کسی نے مجھے چاہا تو.....؟" جانے وہ آج کیوں اس کے ضبط کا امتحان لینے پر تُلی ہوئی تھی۔

"کسی میں اتنی جرأت کے میرے ہوتے ہوئے تمہیں چاہے"۔ اس نے غرّا کر کہا تو وہ دیکھتی رہ گئی، اور پھر مزے سے بولی، صرف اسے چڑانے کو۔

"مجھ میں تو اتنی جرأت ہے، میں تمہارے علاوہ بھی کسی اور کو چاہ سکتی ہوں"۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا، تبھی وہ چلتا ہوا اس کے مقابل آ گیا، دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر دھر دیئے۔

"کیا کہا تم نے؟ پھر کہنا"۔ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اور لہجہ اتنا سرد تھا کہ وہ سن ہو گئی۔

"ایک بات میری یاد رکھنا، جس دن میرے علاوہ تم نے کسی اور کو چاہا اُس دن میری موت ہو گی"۔ ایک ایک لفظ چبا کر کہتا اسے ساکت وصامت چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ وہ کتنی ہی دیر اسی حالت میں کھڑی رہی، جب معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا تو ڈھیروں ندامت نے اسے گھیر لیا، وہ بھلا کب اس شخص سے جُدا رہ کر خوش ہو سکتی تھی، یہ شخص تو اسے خود سے بھی زیادہ عزیز تھا۔

"وہ مجھ سے ناراض ہو کر چلا گیا"۔ یہی سوچ سوچ کر اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھر گئیں۔ وہ ذوالنون شاہ کو ہرٹ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی، وہ ذرا سا اُداس ہوتا تو وہ بے چین ہو جاتی تھی۔ دوپہر سے شام اور شام سے رات ہو گئی، نہ وہ خود آیا نہ اُس کی کوئی کال یا SMS آیا، زاریہ نے نجانے کتنے ہی "سوری" کے میسجز کئے، لیکن کسی ایک کا بھی ریپلائے نہیں آیا۔ اس نے کال کی ذوالنون شاہ کا نمبر ہی سوئچ آف جا رہا تھا، وہ پریشان ہو گئی، وہ جتنا مرضی خفا ہو جائے، تھوڑی دیر میں خود ہی مان جاتا تھا، عجیب سی بے چینی، بے قراری اس کی رگ رگ میں سرائیت کر گئی۔ اس نے لیپ ٹاپ آن کیا، ذوالنون شاہ کو ای میل بھیج دی، جواب ندارد، ساری رات وہ سوتی جاگتی کیفیت میں رہی، بار بار اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں، وہ اس کی ذرا سی بے اعتنائی برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ صبح اس نے

ناشتہ بھی نہیں کیا' وہ ''ذوالنون شاہ پیلس'' آ گئی کیونکہ وہ اس کے آفس نکلنے سے پہلے اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔

''ذوالنون شاہ کہاں ہے؟'' اس نے ملازمہ سے پوچھا۔

''جی وہ تو کل شام سے کراچی گئے ہوئے ہیں' ابھی تک نہیں آئے۔''

''کیا.... وہ کراچی گیا ہے؟'' وہ تو بھونچکا کر رہ گئی۔



سارا دن گزر گیا اس کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا' وہ سارا دن سیل ہاتھ میں پکڑے اس کے فون کا ویٹ کرتی رہی۔ پہلی دفعہ ایسا ہوا تھا کہ ذوالنون شاہ اسے اِگنور کر رہا تھا' وہ بے بسی سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ نمرہ بھابی اور پھپھو اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گئیں کہ کیا ہوا ہے' اس نے عمان' مام اور ڈیڈ کے یاد آنے کا بہانہ کر دیا' شام کو وہ ٹیرس پر کھڑی تھی جب ذوالنون شاہ کی گاڑی آتی دکھائی دی' یہاں تک کہ وہ ''وائٹ محل'' کا گیٹ کراس کر گئی' اسے شدت سے ایک بار پھر رونا آ گیا۔

''چھوٹی سی بات کی کتنی بڑی سزا دے رہا ہے' میں بھی اب ''وائٹ محل'' نہیں جاؤں گی''۔ اس نے غصے سے سوچا لیکن اس پر عمل نہ کر سکی' آدھے گھنٹے بعد وہ اس کے کمرے میں تھی۔ وہ ٹیرس پر کھڑا چائے کا مگ ہاتھ میں پکڑے چائے کے چھوٹے چھوٹے سِپ لے رہا تھا' جب دھاڑ کی آواز سے ٹیرس کا دروازہ کھلا' وہ دہل ہی گیا' وہ تیزی سے اس کے پاس آئی اور سخت تیوروں سے اسے گھور رہی تھی' گہرے آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں' ذوالنون شاہ کے دل کو کچھ ہوا۔

''کیا ہوا' زاریہ؟'' اس نے بے حد فکر مندی سے پوچھا' اس کے آنسو ایک بار پھر ٹپ ٹپ گرنے لگے' وہ تڑپ ہی گیا' اس نے اس کے آنسو صاف کرنے کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا' تو اس نے غصے سے ہاتھ جھٹک دیا۔ وہ منٹوں میں معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔

''سوری.... زر! بابا جان کا اچانک ہی بی۔ پی شوٹ کر گیا تھا' ان کی طبیعت بے حد بگڑ گئی تھی' اس لئے میں بغیر بتائے فوراً چلا گیا' باوجود کوشش کے میں نہ کال کر سکا' نہ میسجز کا جواب دے سکا''۔ ذوالنون شاہ نے بے حد آہستگی سے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

''اب کیسی طبیعت ہے بابا جان کی؟'' وہ اپنا غم بھول کر اس کی پریشانی میں پریشان ہو گئی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے' پہلے سے بہتر ہے' تم بتاؤ! تم کیوں رو رہی تھیں؟'' ذوالنون شاہ نے بے حد فکر مندی سے پوچھا تو اس نے شکوہ کرتی نظروں سے اُسے دیکھا۔

''میں سمجھی تم مجھ سے ناراض ہو گئے ہو' ایک دفعہ بھی مجھے کال نہ کی''۔

''زر! تم جانتی ہو' میں تم سے ناراض نہیں ہو سکتا' وقتی طور پر مجھے بے حد غصہ آیا تھا' لیکن تم سے ناراض نہیں ہوں''۔ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''سوری! میں نے مذاق کیا تھا''۔ زاریہ نے افسردگی سے کہا۔

''زر! پلیز.... بار بار سوری کر کے مجھے شرمندہ مت کرو' یہ حقیقت ہے کہ تم کوئی ایسی بات مذاق سے بھی کرو گی تو مجھے برا لگے گا' اسے میری چاہت کی انتہا کہہ لو یا پھر خود غرضی کہہ لو''۔ اس نے سنجیدہ ٹھوس لہجے میں کہا۔



اس کا آخری سمسٹر بھی مکمل ہو گیا تو اس نے سکون کی سانس لی' ذوالنون شاہ کو اس دن کا شدت سے انتظار تھا۔

آمنہ شاہ لاہور آئیں تو زاریہ کو دیکھ کر حیران بھی ہوئیں اور خوش بھی۔

''زاریہ بیٹی! اتنی بڑی ہو گئی''۔ آمنہ شاہ نے محبت بھرے لہجے میں کہا تو وہ مسکرا دی' وہ اب فارغ تھی اور آمنہ شاہ بھی کچھ دنوں کے لئے لاہور رہنے آئی تھیں' زاریہ کا زیادہ تر وقت آمنہ شاہ کے ساتھ گزرتا' ڈھیروں باتیں کرتیں' آمنہ شاہ کو زاریہ بے حد اچھی لگتی۔

''امّاں جان! میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں''۔ ذوالنون شاہ نے کہا۔

''کہو میری جان!'' آمنہ شاہ نے شفقت بھرے لہجے میں کہا۔

''امّاں جان! وہ میں زاریہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں''۔ اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

''میں زاریہ سے بہت پیار کرتا ہوں' زاریہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے' اب اس کی تعلیم مکمل ہو گئی ہے' میں چاہتا ہوں کہ آپ بابا جان اور دادا جان سے بات کریں''۔ آمنہ شاہ خاموش رہیں۔

''امّاں جان! آپ کچھ بولتی کیوں نہیں؟'' ذوالنون شاہ نے بے چینی سے کہا۔

''ذوالنون بیٹا! ہمیں تمہاری خوشی سے بڑھ کر کچھ نہیں چاہئے' زاریہ بہت اچھی نیچر کی ہے' مجھے بھی بے حد پسند ہے' لیکن.....!'' آمنہ شاہ ایک دم چپ ہو گئیں۔

''لیکن کیا امّاں جان؟'' اس کی بے تابی عروج پر تھی۔

''کیا وہ ہمارے ماحول میں ایڈجسٹ کر پائے گی؟ وہ لندن میں پلی بڑھی ہے' کیا وہ ہماری روایات کو اپنا پائے گی؟'' آمنہ شاہ نے ہچکچا کر کہا تو ذوالنون شاہ نے سکون کا سانس لیا۔

''امّاں جان! اس بات کی آپ فکر نہ کریں' وہ سب کچھ جانتی ہے' وہ آسانی کے ساتھ ایڈجسٹ ہو جائے گی''۔ ذوالنون شاہ نے پُرسکون لہجے میں کہا' آمنہ شاہ بھی مسکرا دیں' پھر آمنہ شاہ نے فون پر حمزہ شاہ سے بات کی تو ایک لمحے کے لئے وہ بھی چپ ہو گئے' بہرحال انہیں اپنے اکلوتے بیٹے کی خوشی سب سے زیادہ عزیز تھی' انہوں نے انوار شاہ سے بات کی وہ ششدر رہ گئے۔

''ٹھیک ہے میں لاہور جا کر دیکھتا ہوں''۔ انہوں نے فوراً اپنی حالت پر قابو پایا تو حمزہ شاہ اثبات میں سر ہلا کر باہر آ گئے۔ انوار شاہ اگلے دن لاہور آ گئے' زاریہ سے مل کر انہیں بے حد حیرانی ہوئی' اُن کے خیال میں ایک برٹش لڑکی ٹائٹ جینز اور ٹی شرٹ میں ہو گی' لیکن وہ سینے سے دوپٹہ شانوں پر پھیلائے لانگ شرٹ اور ٹراؤزر پہنے ہوئے تھی' وہ ہر لحاظ سے انہیں پرفیکٹ لگی' لیکن ایک سوچ نے تیزی سے ان کے دل میں خوف پیدا کر دیا۔

''اگر زاریہ شادی کے بعد ذوالنون شاہ کو لندن لے گئی تو....؟'' وہ کسی طرح بھی اپنے اکلوتے پوتے کو کھونا نہیں چاہتے تھے۔

''پتہ ہے ذوالنون شاہ! تم ہمیں کتنے عزیز ہو؟ سمجھ لو کہ تمہاری زندگی کی وجہ سے میری سانس چل رہی ہے' میں نے تمہاری بات ہانیہ سے طے کر دی تھی' لیکن تمہاری خوشی کی خاطر ہمیں زاریہ کا رشتہ منظور ہے''۔ انوار شاہ نے رسانیت سے کہا' ذوالنون شاہ کے ساتھ ساتھ آمنہ شاہ بھی ٹھٹھک گئیں۔

''یہ ہانیہ کون ہے؟'' آمنہ شاہ نے حیرت پر قابو پا کر عام سے لہجے میں پوچھا۔

''ہانیہ زوہیب میرے دوست کی پوتی ہے' میں اپنے دوست سے معذرت کر لوں گا' مجھے اپنے پوتے کی خوشی سب سے زیادہ عزیز ہے''۔ انوار شاہ نے بشاش لہجے میں کہا۔

''تھینک یو سو مچ.... دادا جان!'' وہ بے ساختہ ہی ان سے لپٹ گیا تو انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی' پھر دونوں

خاندان والوں نے بچوں کی خوشی میں رضامندی دے دی اور اگلے ماہ کی دس تاریخ منگنی کے لئے فکس کردی گئی دونوں بے حد خوش تھے‘ خوشی سے ذوالنون شاہ کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔

”زاریہ! میری پوری فیملی تمہیں بہت چاہتی ہے‘ پوری عزت واحترام کے ساتھ اور مان کے ساتھ تمہیں اپنی بنانا چاہتی ہے‘ پلیز....زاری! کبھی اُن کی محبتوں پر شک نہ کرنا‘ کبھی کچھ ایسا نہ کرنا جس سے اُن کو تکلیف ہو“ ذوالنون شاہ نے جانے کس خدشے کے تحت یہ سب کہا۔

”ذوالنون! کیا تمہیں اپنی زاری پر اعتبار نہیں ہے؟ تم سے جڑی ہر چیز میرے لئے بھی اتنی ہی اہمیت رکھتی جتنی تمہارے لئے‘ وہ بھی میرے اپنے ہیں‘ میں کیسے اُن سب کی محبتوں پر شک کرسکتی ہوں؟“ اس نے اُلٹا اس سے سوال کرڈالا‘ تو وہ لاجواب ہوگیا۔

”تم پریشان نہ ہو ذوالنون! انشاءاللہ سب ٹھیک ہی ہوگا“۔

”انشاءاللہ!“ ذوالنون شاہ نے بھی صدقِ دل سے کہا۔



”داداجان! آپ نے مجھے بلوایا؟“ زاریہ نے مؤدب لہجے میں کہا‘ وہ اس وقت ذوالنون شاہ کی اسٹڈی میں تھی ذوالنون شاہ‘ آمنہ شاہ کے ساتھ کل کراچی گیا تھا‘ جبکہ داداجان ابھی تک یہیں تھے‘ انہوں نے ملازمہ کے ذریعے زاریہ کو بلوایا تھا۔

”ہاں! میں نے بلوایا ہے‘ بیٹھ جاؤ“۔ تو وہ چُپ چاپ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ انوارشاہ نے چیک بک سے ایک چیک پھاڑا اور اس پر سائن کر کے زاریہ شاہ کو دے دیا‘ وہ اُلجھ کر رہ گئی۔

”داداجان! یہ کیا ہے؟“ اس نے اُلجھ کر پوچھا۔

”تم پڑھی لکھی ہو‘ باخوبی جانتی ہو یہ چیک ہے“۔

”داداجان! مجھے پتہ ہے یہ چیک ہے‘ لیکن آپ مجھے کیوں دے رہے ہیں؟“ اس کی بے چینی عروج پر تھی۔

”میں نے اس پر سائن کردیئے ہیں‘ رقم تم اپنی مرضی سے لکھ لو“۔ انوارشاہ نے سکون سے کہا۔

”لیکن کیوں....داداجان؟“ اس نے حیرت سے کہا۔

”ذوالنون شاہ کی زندگی سے دور جانے کے لئے“۔ انہوں نے پُرسکون لہجے میں کہا‘ وہ ہکا بکا انوارشاہ کو دیکھتی رہ گئی۔

”یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ داداجان!“ اس نے مری ہوئی آواز سے پوچھا‘ اسے لگا شاید اسے سُننے میں غلطی ہوگئی ہو۔

”یہ چیک لو‘ اپنی مرضی سے کیش کروالو اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ذوالنون شاہ کی زندگی سے دور چلی جاؤ“۔ انوار شاہ نے درشت لہجے میں کہا۔

”داداجان! بہت عزت کرتی ہوں میں آپ کی‘ میں نے ذوالنون شاہ سے محبت کی ہے‘ کوئی بزنس ڈیل نہیں جو آپ مجھے پیسوں سے خرید لیں‘ یہ رہا آپ کا دیا ہوا چیک“۔ اس نے چیک کے کئی ٹکڑے کر کے ہوا میں اُچھال دیئے۔

”کیا سمجھ رکھا ہے آپ نے مجھے؟ میں کوئی لالچی لڑکی ہوں‘ آپ چیک دیں گے اور میں خوشی خوشی چیک لے کر دفعان ہوجاؤں گی؟ یہ آپ کی بھول ہے‘ زاریہ شاہ کوئی عام لڑکی نہیں جو آپ کے اشاروں پر چلے گی“۔ اس نے

حدنا گواری سے کہا۔

”لگتا ہے تمہیں پیار کی زبان سمجھ نہیں آئے گی“۔ انہوں نے پُراسرار انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا کرلیں گے آپ؟ ذوالنون شاہ میرا ہے‘ آپ اُسے مجھ سے چھین نہیں سکتے“۔ اس نے چلاّ کر کہا۔

”میں کیا کرسکتا ہوں؟ اس کا تمہیں اندازہ بھی نہیں‘ وہ تمہارے کزن کا نام کیا ہے؟ ہاں....زید! اور تمہارے بھائی کا نام عمان ہے‘ فرض کرو اگر یہ دونوں اس دنیا میں نہ رہیں تو کیا کرو گی؟“ انوارشاہ نے عجیب سے انداز میں کہا۔

”آپ ایسا کچھ نہیں کرسکتے“۔ اس کے اندر خوف کی لہر دوڑ گئی تھی۔

”میں سب کچھ ذوالنون کو بتادوں گی‘ جب آپ کا لاڈلہ پوتا آپ سے نفرت کرے گا‘ پھر میں دیکھتی ہوں آپ کیا کرسکتے ہیں؟“ اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔

”ذوالنون تمہاری بات کا یقین کرلے گا‘ کبھی نہیں“۔ انوارشاہ نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

”دیکھو لڑکی! تمہارے پاس صرف پانچ دن ہیں‘ سوچ سمجھ کر مجھے جواب دے دینا‘ ذوالنون شاہ چاہیئے یا اپنا بھائی؟ اسے میری دھمکی نہ سمجھنا‘ میں اس پر عمل بھی کرنا جانتا ہوں‘ اور ایک بات اور ذہن میں اچھی طرح بٹھا لو‘ اگر ذوالنون یا کسی اور کو اس بارے میں کچھ پتہ چلا تو پھر جو تمہارا انجام ہوگا اس کا تم نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا“۔ انوار شاہ نے غرّاتے لہجے میں کہا‘ وہ بھاگتی ہوئی اپنے گھر آگئی‘ سیدھا کمرے میں جا کر بند ہوگئی۔ ذوالنون شاہ کو چھوڑنے کا تصور ہی اس کی جان نکال رہا تھا‘ حقیقت میں اس پر عمل کرنا کتنا تکلیف دہ تھا‘ سارا دن وہ کمرے میں بند رہی‘ رو رو کر اس کا بُرا حال ہوگیا‘ پھپھو کئی بار دروازہ پیٹ کر جاچکی تھیں‘ وہ طبیعت خراب ہونے کا بہانہ کر کے کمرے سے نہ نکلی‘ سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہوگیا تھا۔ ذوالنون شاہ کی بار بار کال آرہی تھی‘ اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ کال پک کرتی‘ اگر وہ ذوالنون سے بات کرتی تو صبر کا دامن چھوٹ جانا تھا‘ فِل وقت وہ کوئی رِسک نہیں لینا چاہتی تھی۔

”زاریہ! باہر آؤ....صائم ابھی تک اسکول سے نہیں آیا“۔ بھابی نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا‘ وہ آنسو صاف کرتی باہر آگئی۔

”بھابی! آپ پریشان نہ ہوں‘ ڈرائیور لینے گیا ہے‘ آجائے گا‘ ڈونٹ وری“۔ اس نے بوجھل لہجے میں کہا۔

”زاری! تمہاری طبیعت ابھی ٹھیک نہیں ہوئی‘ آواز بھی کافی بھاری محسوس ہورہی ہے‘ ڈرائیور آجائے تو پھر ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں“۔ بھابی نے فکرمندی سے کہا۔

”ہلکا سا گلا خراب ہے‘ خود ہی ٹھیک ہوجائے گا“۔ اس نے لاپرواہی سے کہا‘ کلاک کی سوئیاں دھیرے دھیرے بڑھ رہی تھیں‘ اب تو زاریہ بھی تشویش میں پڑ گئی تھی‘ اس وقت تک تو صائم گھر آجاتا تھا۔

”بھابی! میں ڈرائیور انکل کو فون کرتی ہوں‘ آپ پریشان نہ ہوں“۔ اس نے بھابی کو تسلی دی اور خود فون کی طرف بڑھ گئی‘ وہ فون کے پاس پہنچی تو فون بجنے لگا‘ اس نے لپک کر فون اُٹھایا۔

”ہیلو....زاریہ بیٹی!“ ڈرائیور نے بے حد گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”جی میں زاریہ ہوں‘ آپ کہاں ہیں؟ صائم کو لے کر گھر کیوں نہیں پہنچے ابھی تک؟“ اس نے پریشانی سے پوچھا۔

”وہ صائم اسکول کے باہر کہیں بھی نہیں ہے‘ اسکول میں بھی نہیں ہے“۔ ڈرائیور کی گھبرائی ہوئی آواز نے اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی تھی۔

(جاری ہے)

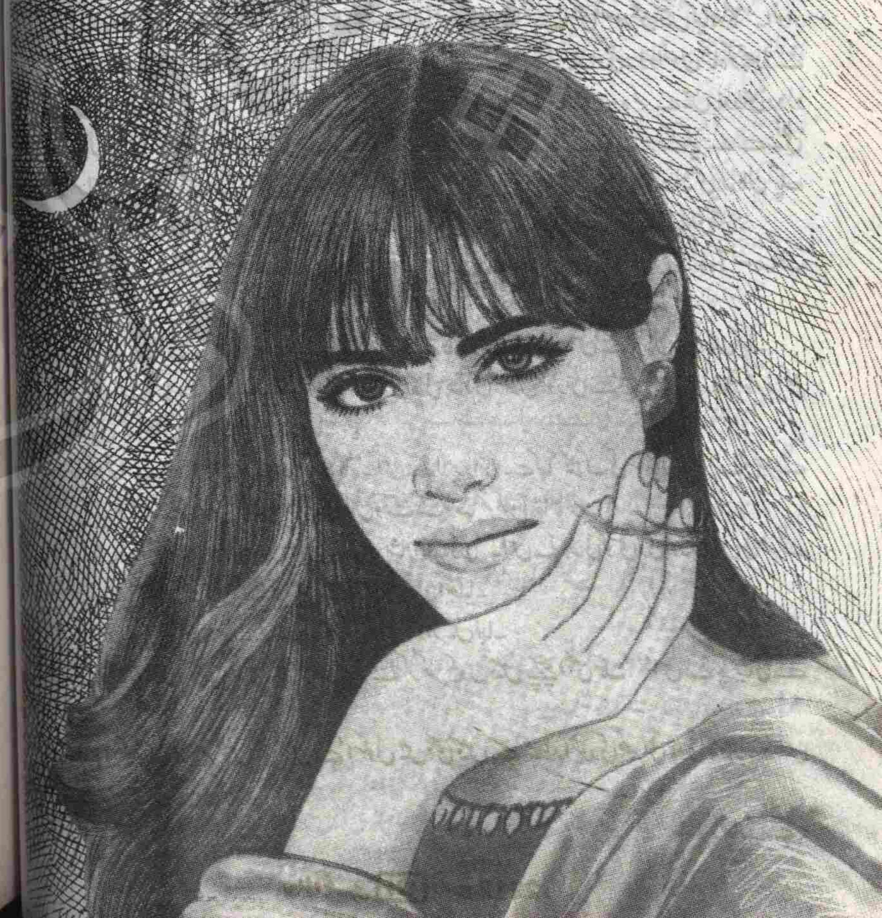
ثنا خان صنعا

افسانہ

چاند رات میں تم اور میں

''لو جی....! یہ نیا کھڑاک پال لیا بریگیڈیئر انکل نے''۔ کیلے کا چھلکا اُتار کے دو بائٹ میں ہی حلق سے نیچے اُتارتے ہوئے عائبہ گیلانی نے منہ بسور کے سامنے والے انکل کو دیکھا جو اپنے نئے چوکیدار ''جیکی'' کے سر کو سہلا رہے تھے۔

''کھڑاک تو تمہارے لئے ہے ناں؟ ان کی نظر میں سب سے بڑی سیفٹی ہے' ورنہ ان کے ننھے منّے سے پھلوں کے باغات.... اوسوری! میرا مطلب باغ کی جو تم دُرگت بناتی ہوناں' وہ ان کے لئے کسی ناگہانی آفت سے کم تھوڑی ہے''۔ شجر گیلانی نے انار کے دانے پھانکتے ہوئے حق کا ساتھ دیا تو عائبہ گیلانی کیلے کی کافی مقدار منہ میں ہونے کے سبب صرف صبر کے گھونٹ بھر کے رہ گئی۔ داؤد انکل ان کے گھر کے سامنے رہتے تھے' بیٹیوں کی شادی ہوچکی تھی' بیٹا کوئی تھا نہیں' وہ یہاں کافی عرصے سے مقیم تھے' اب گھر میں ان کے علاوہ تو کوئی تھا نہیں' سو یہ سبزیوں' پھولوں اور پھلوں کے پودے لگاتے' پھر سارا دن ان کی دیکھ بھال کرتے' مگر اللہ بچائے! عائبہ کی رگِ شرارت پھڑکتی ہی رہتی تھی' وہ اکثر گھر کے باہر دیوار پہ چڑھ کے پھل اکٹھے کرتی' بچوں میں بانٹتی' جتنے سمیٹے جاتے سمیٹ کے وہیں درخت سے کود کر گھر میں چلی جاتی' شجر گیلانی کے فری میں مزے ہوجاتے' موسم کے لحاظ کا ہر پھل' وہ بھی تازہ۔ اکثر وہ ٹوکتی' مجال ہے جو عائبہ دھیان دے' اس کان سے سُن کر دوسرے سے نکال دیتی۔





''عابی.....! عائبہ.....! زندہ ہو یا اناللہ ہو گئیں''۔ شجر کا بڑا بھائی مہروز اپنے پورشن میں کھڑا عائبہ کو آوازیں دے رہا تھا' جو اس وقت سر پہ مہندی لگائے ''رِدا ڈائجسٹ'' ہاتھ میں لئے شجر کی نئی شائع ہونے والی کہانی پڑھنے میں مگن تھی۔

''اُف خدایا! یعنی کے مما پپا نے مجھے ایویں فری میں بدنام کر رکھا ہے کہ مہروز کا واٹس والیم اتنا بلند ہے کہ مردے تک جاگ جائیں' بٹ تم تو مُردوں سے بھی گہری نیند میں ہو' وہ بھی جاگتے ہوئے''۔ مہروز گیلانی نے اس کے سر پہ پہنچ کے زور سے کہا۔

''کیا ہے.....عائبہ نے آہستہ سے سر اوپر اٹھا کر بے نیازی سے پوچھا' تو مہروز اس بے نیازی پر تلملا گیا۔

''صدقے جاؤں.....آج کے بعد تمہارے کام کبھی نہ آؤں''۔ مہروز نے سُلگ کر کہتے ہوئے وہی ڈائجسٹ اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا جو رات اُسے لاکر دیا تھا۔

''واٹ ہیپن.....مہر.....! پلیز! واپس کرو''۔ وہ ڈائجسٹ چھیننے لگی تو مہروز نے اس کے پاس پٹخ کے رکھ دیا۔

''ملکہ عالیہ! بدتمیز' نکھٹو.....مما جی آپ کو دل سے پکار رہی ہیں' کل جو تم بڑی زبیدہ آپا بنی پھرتی تھیں کہ فلاں کا فلاں توڑ' فلاں کا فلاں جوڑ' چلو نا ذرا آج دیکھیں کتنے پانی میں ہو''۔ مہروز کی بات سن کر عائبہ سینے پہ ہاتھ رکھے بے ہوش ہونے کی ناممکن سی کوشش کرنے لگی' مگر بلا کے پھرتیلے مہروز نے اسے کندھوں سے تھام لیا اور رُخ اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف موڑا' تو عائبہ مرے مرے قدموں سے اوپر جانے لگی کیونکہ اس نے کل جسٹ جوک میں کہا تھا سب۔

☆

''کمبخت ذرا نہیں ڈری کہ اگر بازار میں چوری کرتے پکڑی گئی تو.....؟ اُف خدایا.....! پتہ نہیں یہ آج کل کے ینگسٹرز کو کیا ہو گیا ہے' حالانکہ بہت کم عمر ہے''۔ شجر اور عائبہ قریبی مارکیٹ تک آئی تھیں کہ اچانک شجر کی نظر اس لڑکی پہ پڑی جو ایک جیولری شاپ سے جیولری چیک کر کے پرس میں چھپا رہی تھی' عائبہ نے گردن موڑے اسے دیکھا۔

''میں بتاتی ہوں شاپ کیپر کو''۔ عائبہ جانے لگی تو شجر نے اس کی کلائی تھام لی۔

''نہیں عائبہ! تم مت جاؤ' اگر وہ مُکر گئی تو.....؟ اور یہ بھی تو دیکھو کہ کیا پتہ اس نے خریدا ہو' مجھے مغالطہ ہوا ہو' چھوڑو تم یہ دیکھو''۔ شجر نے عائبہ کا دھیان بٹایا' کیونکہ عائبہ کو اپنے ارادوں سے روکنا بہت مشکل تھا اور پھر بلاوجہ کا شور اور رَش ہوتا' سب ان کی طرف متوجہ ہوتے' اسی لئے وہ اسے کیچر اور ایئر رِنگ دکھانے لگی' ابھی وہ دکاندار سے ریٹ معلوم کرنے ہی لگیں کہ ایک شور سا پیدا ہوا' دونوں نے اس سمت دیکھا تو وہی لڑکی رو رو کر معافی مانگ رہی تھی' جبکہ دکاندار بضد تھا کہ اسے پولیس کے حوالے کرے گا' شجر رَش کے پاس گئی اور جگہ بنا کے دکاندار کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

''سُنیئے بھیّا پلیز! آپ اسے جانے دیں' دیکھیں پہلی غلطی تو ہر کوئی معاف کر دیتا ہے اور آپ لوگوں کو بھی چاہیئے کہ اگر کوئی متوسط یا غریب طبقے کی لڑکی خریداری کرنے آتی ہے تو آپ اسے اتنے ریٹ بتائیں کہ وہ خرید سکے' جی ہاں! اور اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشوں سے مجبور ہو کر ایسی ڈکیتیاں نہ کریں' جبکہ یہ تو چہرے سے بالکل بھی ایسی نہیں لگ رہی' پلیز نیکسٹ ٹائم آپ اس کے ساتھ جو مرضی کرنا' مگر ابھی اسے جانے دیں''۔ شجر کی بات پہ عائبہ نے بھی تائید کی تو دکاندار راضی ہو گیا' وجہ یہ تھی کہ عائبہ اور شجر اس کی پرانی کسٹمر تھیں جن کی حمایت پہ وہ مان گیا۔

''بی بی جی! صرف آپ کی وجہ سے چھوڑ رہا ہوں ورنہ.....!''

''تھینکس.....!'' دکاندار کا شکریہ ادا کرتیں وہ لڑکی کو جانے کا رستہ دے کر خود بھی شاپ سے باہر آ گئیں۔

☆

''شٹ اپ.....! بند کرو یہ کھی کھی' پتہ ہے یہ ایڈونچر مجھے کتنا مہنگا پڑا؟ اوہ.....گاڈ! اگر بھیّا کو پتہ چل گیا ناں تو وہ مجھے ایک پل میں دنیا سے رخصت کر دیں گے''۔ آبگینہ طیش کے عالم میں آفرین کو دیکھنے لگی جو اسے دیکھ کر کھی کھی کر رہی تھی۔

''وہ تو بھلا ہو ان لڑکیوں کا جنہوں نے ٹائم پہ آ کر میری جان بخشی کروائی' بس فائنل ہو گیا آئندہ کبھی تمہارے ساتھ ایڈونچر میں حصہ نہیں لوں گی' بالخصوص اس قسم کے' خود تو لگتا ہے ایکسپرٹ ہو مجھے ذلیل کرواتیں تم''۔ پینٹ فلیپر اور کُرتے میں ملبوس پریشان اور گنگ سی آبگینہ کمرے میں ٹہل رہی تھی' تکیے پہ نیم دراز آفرین اب سنجیدہ ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

''اگر وہ لڑکیاں درمیان میں نہ آتیں تو میں اس وقت جیل میں.....اُف.....اینف.....!'' جھرجھری لے کر وہ پاس رکھا پانی اُٹھا کے پینے لگی تو آفرین اُٹھ کر اس کے پاس آ گئی۔

''سوری یار! واقعی اگر بات بگڑ جاتی تو.....خیر! تم مزید ٹینس مت ہو' میرا ابھی پہلا ایڈونچر تھا' اب تو پکی توبہ' ایسا سوچنا بھی نہیں' دفع مارو''۔ آفرین خود بھی گھبرا گئی تھی مگر آبگینہ کے سامنے ذرا مضبوط بن رہی تھی۔

☆

یکے بعد دیگرے اس کی گردن اور کمر پہ برسنے والے ہوائی حملے نے اُسے مڑ کے دیکھنے پہ مجبور کر دیا' مگر یہ کیا؟ ابھی وہ پوری طرح سیدھا بھی نہ ہوا کہ اس کی گدّی پہ بڑے جارحانہ انداز میں ایک بے حد نرم کیلے سے وار کر کے حملہ آور نے اسے ہراساں کرنا چاہا' کالر تک ہاتھ لے جاتے ہی اسے چپچپاہٹ کا احساس ہوا' مارے غصّے اور کوفت کے وہ باغیچے میں چوکنا ہو کر گول گھومنے لگا کہ پھر اس کی نظر ایک درخت پہ پڑی جہاں اسے شک گزرا کہ کوئی ذی روح ہے' وہ پلک جھپکتے اس ذی روح کے مقابل آ گیا' جہاں عائبہ گیلانی آدھا کیلا منہ میں ڈالے اسے فق چہرے سے دیکھ رہی تھی' جو اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا' وہ بھاگنے لگی جب ہریرہ نے اس کی کلائی پکڑ لی' عائبہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' ہاتھ میں پکڑا بقیہ ماندہ کیلا ہریرہ کے منہ میں ٹھونسا اور اس کے ہاتھ پہ دانت گاڑھ دیئے' ہریرہ نے بلبلا کر اس کا ہاتھ چھوڑا' وہ پھر سے اِترا کر اسے بائے بائے کرتی گھر کی کھڑکی بند کر گئی' ہریرہ کبھی اپنے ہاتھ کو دیکھتا جہاں سرخ نشان تھا' کبھی اس بند کھڑکی کو جہاں وہ چھلاوا غائب ہوئی تھی۔

''کون ہے درخت پہ.....؟ نیچے اُترو''۔ داؤد انکل کی بھاری آواز پہ ہریرہ ایک جست میں نیچے کودا۔

''ارے ہریرہ بیٹا! تم یہاں اس حالت میں''۔ آف وائٹ شرٹ اور بلیو جینز میں ہریرہ کی شرٹ پہ بنے جابجا نقش و نگار اس پہ مستزاد چہرے پہ پھیلی خفگی انہوں نے بغور اس کا جائزہ لیا اور کچھ کچھ سمجھ بھی گئے کہ اس کی اس حالت کا ذمہ دار کون ہے' مگر خاموش ہی رہے۔

''جی سر! پپا نے بھیجا تھا کہ آپ اور آنٹی رات کا ڈنر ہماری طرف کریں' مگر راستے میں کسی جنگلی بندریا نے میرا ویلکم کیا اور یہ دیکھیں جب میں نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑا وہ کاٹ گئی مجھے''۔

ہریرہ نے اپنا ہاتھ ان کے سامنے کیا جہاں سرخ نشان اب نیلا ہو رہا تھا۔

''یہ ضرور عائبہ کی شرارت ہے' وہ مجھے سارا دن چین نہیں لینے دیتی' انہی درختوں پہ بسیرا رہتا ہے اس کا' بہت ہی شریر ہے' خیر میں اس کی اچھی طرح خبر لوں گا' تم اندر آؤ کوئی میری شرٹ پہن لو' کم آن.....بی گول یار.....!'' انکل اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے اندر لے آئے۔

☆

''سوری.....سو سوری.....! میں لیٹ ہو رہی ہوں اس لئے''۔

''اِٹس اوکے''۔ شجر گیلانی کی ادھوری ایکسکیوز کو وہ

جلدی سے او کے کر گیا' تو شجر جلدی سے بکس جمع کرنے لگی پھر جیسے ہی سیدھی ہوئی وہ شخص وہیں کھڑا تھا' وہ سائیڈ سے بڑبڑاتے ہوئے گزرنے لگی۔

''عابی کی بچی کو چھوڑوں گی نہیں' مطلب پرست''۔

''سُنیں.....! کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ اس وقت سیکنڈ ایئر کی اسٹوڈنٹس کہاں ملیں گی؟ اصل میں میری سسٹر یہاں پڑھتی ہیں اور اس کا سیل بھی گھر پہ ہے' میں یہاں فرسٹ ٹائم آیا ہوں سو.....''۔

شجر نے سادگی سے اسے دیکھا جیسے وہ سمجھی نہ ہو تو وہ اسے وضاحت دیتے اُلجھ گیا۔

''ایسا ہے کہ آپ رائٹ سائیڈ سے ادھر ٹرن کریں' واقعی ایسا لگتا ہے کہ آپ فرسٹ ٹائم آئے ہیں' کیونکہ چلتے چلتے آپ یونیورسٹی ایریا میں آ گئے ہیں''۔ شجر نے ہاتھ کے اشارے سے رستہ سمجھایا تو وہ خجل سا ہو گیا۔

☆

''تھینکس گاڈ! ہاہاہا....اوہ خدایا''۔ عائبہ کی ہنسی تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی' شجر صرف مسکرانے پہ اکتفا کر رہی تھی' بات ہی ایسی تھی' جس لڑکے کو سیکنڈ ایئر کا غلط رستہ بتا کے یونیورسٹی پہنچایا' اس لڑکے کو شجر نے ٹھیک رستہ بتا کے کالج بھیجا' صبح کا لیکچر کافی امپورٹنٹ تھا تو جلدی کلاس اٹینڈ کرنے کے چکر میں وہ اس لڑکے سے شرارت کر گئی جو کہ بعد میں شجر کے گلے پڑ گیا اور تھوڑی لیٹ ہونے والی شجر پورے 10 منٹ لیٹ ہو گئی' اب عائبہ ہنسی کا فوارہ بنی سُرخ ٹماٹر ہو رہی تھی' جبکہ شجر مسکراتے ہوئے کچن صاف کرنے لگی۔

''اگر آپ کی کھی کھی بند ہونے کے لئے راضی ہے تو پلیز.....یہ چائنیز رائس جا کے داؤد انکل کے گھر دے آؤ''۔ ہاٹ پاٹ میں چاولوں کے اوپر شامی کباب رکھتے ہوئے شجر نے عائبہ سے کہا تو وہ اُچھل پڑی۔

''واہ بھئی واہ' کیا کہنے ہیں مس شجر کے' یعنی آپ جو صبح لیٹ ہوئیں میری وجہ سے اس کے بدلے تم مجھے داؤد انکل کی ڈانٹ پڑوا کے خوش ہونا چاہتی ہو''۔ سلاد میں سے کھیرا اُٹھا کے کھاتے ہوئے عائبہ نے طنزیہ لہجے میں شجر سے کہا' جو منہ موڑے مسکراہٹ دبانے لگی۔

''ٹھیک ہے' نہیں تو نہ سہی' داؤد انکل گھر سے باہر ہیں' صرف آنٹی گھر میں ہیں اور تم نے اچاری بینگن کی ترکیب بھی پوچھنی تھی' اسی لئے کہا تم لے جاؤ''۔ شجر شیلف پہ کپڑا مار کے دھلے برتن سیٹ کرنے لگی۔

''ایسا ہے کہ تم بھی چلو کیونکہ ان کا جو نیا نکور چوکی اممی جیسے منہ والا چوکیدار مطلب کے جیکی صاحب ہے ناں میری ابھی اس سے واقفیت نہیں ہوئی''۔ ہاٹ پاٹ اُٹھاتے ہوئے وہ شجر سے بولی تو شجر ''چلو'' کہتی اس کے پیچھے آ گئی۔

☆

''ہاں ٹھیک ہے' یہ والے اس باسکٹ میں رکھو اور یہ والے اس طرف' اب ٹھیک ہے''۔ انکل' آنٹی لان میں بیٹھے فروٹ چھانٹی کروا رہے تھے کہ جیکی کی چنگھاڑ پہ آنٹی اس طرف آئیں' نظر عائبہ اور شجر پہ پڑی تو جیکی کو چُپ کروا دیا' وہ مسلسل دُم ہلاتا عائبہ کو دیکھ رہا تھا' جو عجیب سے منہ بنا کر اسے منہ چڑا رہی تھی پھر آنٹی سے سلام دعا کے بعد لان میں آئیں تو انکل کو دیکھ کر عائبہ واپسی کے لئے پر تولنے لگی۔

''آؤ بھئی بچیو! کیا لائی ہو؟'' انکل نے خوشدلی سے ویلکم کیا تو عائبہ ریلیکس ہوئی پھر چہک کے بولی۔

''چائنیز پلاؤ ہے' شجر نے بنایا ہے انکل!''

''ہم م م م م..... اور گڑیا رانی.....! آپ سوائے شرارتوں اور انسانوں کے دماغ پکانے کے علاوہ کیا پکاتی ہیں؟'' انکل کے معنی خیز جملوں نے عائبہ کی چہک غائب کی' اس کے ہنسی سے پھیلے لب سکڑنے لگے۔

''بس انکل جی! یہ چیزیں مع زبردست تڑکے کے ساتھ میرے سوا کوئی بنا ہی نہیں سکتا' تو دوسری کوکنگ کی طرف جان کے دھیان نہیں دیتی' اگر سب کچھ میں نے سیکھ لیا تو شجر بے چاری کیا کرے گی؟''

''ویلڈن' ویلڈن.....! بہن ہو تو ہماری عائبہ بیٹا جیسی''۔ عائبہ کی بات کے دوران انکل نے تالی بجائی تو وہ منہ پھلا کے دوسری طرف دیکھتے ہوئے فُل ناراضی کے فارم میں آ چکی تھی۔

''اوف ہو.....ایک تو آپ میری بچی کے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑ جاتے ہیں' ہُم خالی ہاتھ دھو کے ہی نہیں' بلکہ پورے نہا کے''۔ آنٹی کی بات کو رد کر کے شکایتی نظروں سے دیکھا۔

''السلام وعلیکم!'' کورس میں کیے پُرجوش سے سلام پہ عائبہ' شجر نے مُڑ کے دیکھا تو ورطۂ حیرت میں غوطہ زن ہوئیں' سامنے والوں کا بھی یہی حال تھا۔

''ارے واہ.....! آج تو ہمارے گھر اکٹھی رونقیں اُتر آئی ہیں''۔ آنٹی نے مسرت بھرے انداز میں کہا تو سب بیٹھ گئے۔

''آپ.....!'' ہریرہ نے تیکھے چتونوں سے عائبہ کو گھورا۔

''جی میں.....کوئی اعتراض.....؟'' بے خوف ہو کر عائبہ نے کہا۔

''شجر بیٹا! یہ عصیب علی ہیں میرے بیسٹ فرینڈ عاصم علی کے بیٹے اور یہ ہریرہ علی ہیں' ان کے چچازاد' یہ ہماری لعل اینجل آبگینہ عصیب کی سسٹر' اور بچّوں! یہ ہیں شجر گیلانی اور عائبہ گیلانی' ہمارے گھر کے سامنے رہتی ہیں' بہت پیار کرنے والی بچیاں ہیں' اکثر ہمارے سُونے گھر میں چہکاریں بکھیرنے آ جاتی ہیں' چند ماہ پہلے یہ لوگ یہاں شفٹ ہوئے ہیں''۔

انکل نے تعارف مکمل کروایا تو کچھ بھی ظاہر کیے بغیر وہ ہیلو ہائے کرنے لگے' آبگینہ نے ہلکے اشارے سے انہیں منع کیا کہ بازار والا واقعہ ابھی نہ پوچھیں' تو وہ سر ہلا گئیں۔

''عابی! یہ لڑکی وہی تھی جو بازار میں پکڑی گئی تھی' اور اس کا بھائی جو بیوقوف بنا تھا''۔

''یار.....جو تیرے میرے ہاتھوں درگت بنوا چکا ہے''۔ رات کو سوتے ہوئے وہ ان کے متعلق باتیں کرنے لگیں۔

☆

''مما جی..... پلیز! صرف یہ قسط دیکھنے دیں اس کے بعد ریموٹ کو دیکھوں گی بھی نہیں''۔ صوفے پہ لیٹی ڈرامہ دیکھتی عائبہ اس وقت اسپرنگ کی طرح اُچھلی جب مما نے ٹی وی آف کر دیا۔

''یہ ہر روز کا ڈائیلاگ ہے تمہارا' چلو اُٹھو ڈِنر کی تیاری کرواؤ' آخری سال ہے پڑھائی کا اس کے بعد تمہاری شادی کرنی ہے' ساری عمر ان ڈراموں' شرارتوں سے نہیں گزرتی' بس ٹی وی دکھوا لو یا اُچھل کود کروا لو' چلو جلدی آؤ''۔ آج مما بڑے خراب موڈ میں تھیں وہ خاموشی سے ان کے پیچھے ہو لی۔

''واہ.....! آج تو کمال ہو گیا' بلکہ افضال اور بلال ہو گیا مگر یاد رکھو عائبہ گیلانی! میں ڈنر باہر کروں گا اور گھر والوں کے لئے دعا کروں گا کہ وہ.....''۔

''شٹ اپ.....!'' دانت پہ دانت جمائے وہ چاول چننے لگی' مہروز نے اسے سُلگایا اور وہ سُلگ بھی گئی۔

''چھوٹی مما! خیر تو ہے کچن کا موسم ابر آلود ہے''۔ مہروز مما کے پاس جا کے نمکو کھاتے ہوئے کہنے لگا تو انہوں نے اشارے سے چُپ رہنے کو کہا۔ وہ ہنسی دباتا کچن سے باہر نکل گیا' تو مما عائبہ کے قریب آئیں۔

''چلو اب ادھر آؤ' بریانی کا مصالحہ تیار کرو' میں تمہیں ترکیب بتاتی ہوں''۔ مما کے سپاٹ سے انداز کو دیکھ کر وہ ہونٹ بھینچتی چولہے کے قریب آئی اور پٹخنے کے انداز میں پتیلی چولہے پہ رکھی۔

☆

''آئیں.....میں آپ کو گھر چھوڑ دوں' مجھے بھی داؤد انکل کی طرف کام سے جانا ہے''۔ گاڑی کا ڈور کھولے عصیب نے شجر سے کہا جو کہ آج اکیلی آئی تھی عائبہ طبیعت خرابی کا بہانہ بنا کر لیٹی رہی' شجر غصے میں اکیلی آ گئی تھی۔

''جی نہیں میں چلی جاؤں گی' تھینکس.....!''

"پلیز بیٹھ جائیں، اس طرح اچھا نہیں لگ رہا کہ آپ کھڑی رہیں، جبکہ میں اسی طرف جا رہا ہوں"۔ کچھ سوچ کر شجر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"کون سے ایئر میں ہیں آپ؟" گاڑی کا موڑ کاٹتے ہوئے عصیب نے پوچھا۔

"فائنل ایئر"۔ شجر نے مختصر سا جواب دیا۔

"اس کے بعد کیا ارادہ ہے؟"

"جاب"۔ نہایت ہی مختصر جواب کے بعد وہ فائل چیک کرنے لگی۔

"کیا پتہ آپ کے نصیب میں جاب نہ لکھی ہو"۔ عصیب کی بات پہ جو کہ شجر کو بہت عجیب لگی اس نے عصیب کی طرف دیکھا، نجانے کیوں اس کا دل زور سے دھڑکا، مگر اس مرتبہ وہ بالکل چپ رہی اور گاڑی کے رُکتے ہی تھینکس کرتی چلی گئی، عصیب کے لبوں پہ بڑی میٹھی مسکان اُبھری، گاڑی کو ریورس کرتا وہ چلا گیا اور گیٹ کے پیچھے کھڑی شجر کسی خیال سے چونکی "مگر انہوں نے تو داؤد انکل کے گھر" خود سے کہتی وہ کسی بھی انکشاف سے کنی کترا ہو کر اندر بڑھ گئی۔

☆

"جناب! اب اور دیر مت کریں اور جلدی سے شجر کے گھر لے چلیں مجھے، میری بیٹی نے میرا گھر میں بیٹھنا محال کر دیا ہے کہ جائیں بیگم امی اور رشتہ طے کر کے آئیں"۔ افشاں بیگم نے داؤد سے کہا تو وہ بھی بے حد خوش ہوئیں۔

"ارے کیوں نہیں بھابی! ابھی چلیئے"۔ چائے کی پیالی میز پہ رکھ کر وہ تینوں کھڑی ہو گئیں۔

"آج تو بس ہو گئی پپا جی! مما نے مجھ سے شامی کباب کا مصالحہ سِل پہ پسوایا ہے یہ دیکھیں میرے ہاتھ"۔ وہ آنکھوں میں آنسو لئے دونوں ہتھیلیاں پپا کے سامنے کیے سراپا احتجاج تھی۔

"السلام و علیکم..... احسن بھائی!" بیگم داؤد نے سلام کیا تو عائبہ نے جھٹ آنسو صاف کیے۔

"کیسی ہیں بہن آپ؟ بیٹھیں پلیز.....!" وہ ان کی خیریت پوچھنے لگے، افشاں بیگم کی نگاہیں عائبہ کے کول سراپے میں اٹک گئیں۔

"کیسی ہو بیٹا؟" پیار سے عائبہ کو اپنے پاس بٹھائے وہ کہنے لگیں۔

"فائن آنٹی! آپ آبگینہ کی مدر ہیں ناں؟" اس نے تصدیق چاہی تو وہ سر اثبات میں ہلانے لگیں۔

"میں مما اور بڑی مما کو بلا لاؤں.....ایک منٹ"۔ تھوڑی دیر تک کرن اور رمشا آ گئیں اور ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگیں، جب شجر چائے لئے آئی۔

"آؤ بیٹا! کہاں تھیں آپ؟" بیگم داؤد نے پیار کیا اور اپنے پاس بلایا۔

"میں سو رہی تھی آنٹی! آپ کیسی ہیں؟" شجر نے آبگینہ اور افشاں سے بھی حال دریافت کیا، شجر کو دیکھ کر وہ خود پہ زیادہ کنٹرول نہ کر سکی۔

"بھائی صاحب! ہم آپ کی طرف کسی مقصد سے آئے ہیں اور بہت اُمید لے کر آئے ہیں، وہ کہا جاتا ہے ناں کہ جہاں بیری ہو وہاں پتھر ضرور آتے ہیں، میری اس تمہید سے آپ نے اندازہ تو لگا لیا ہو گا کہ ہم کیا کہنا چاہتے ہیں"۔ انہوں نے بات چھیڑی۔

"ہمیں شجر بیٹی بہت اچھی لگی، اگر اس کی کہیں بات وغیرہ طے نہ ہوئی ہو تو پلیز ہمارے پرپوزل پہ غور ضرور کریں، رہی بات یہ کہ ہم پہلی مرتبہ ملے ہیں تو بیگم داؤد سے آپ ہماری فیملی اور بیٹے کے متعلق اچھی طرح پوچھ گچھ کر لیں، یہ شروع سے ہمیں جانتی ہیں"۔ افشاں بیگم نے بات کھل کے بیان کی جبکہ کرن تو حیرت زدہ رہ گئیں۔

"ٹھیک ہے بہن جی! ہم آپ کو سوچ کے جواب دیں گے"۔ احسن گیلانی نے بات کو سمیٹا پھر انہیں کھانے کی ٹیبل پہ لے گئے، جہاں عائبہ کھانا لگا چکی تھی۔

☆

"سچ حسان! میرا دل تو عائبہ پہ ہے، اتنی معصوم ہے کہ دل کرتا ہے دیکھے جاؤ بس"۔ حسان علی کو کوٹ پکڑاتے افشاں بیگم کل کی روداد سنانے لگیں، ان کی شدید خواہش تھی کہ عائبہ بھی اسی گھر میں آئے ہریرہ کی والدہ اور والد کا 3 سال پہلے سعودی عرب میں انتقال ہو گیا تھا تو وہ پاکستان آ گیا تھا، عصیب سے اس کی بہت گہری دوستی تھی، کزن ہونے کے علاوہ بھی ہریرہ کی عادت بہت نائس تھی، کہ حسان اور افشاں کی اس میں جان تھی، اب ان کی بھی خواہش تھی کہ دونوں بیٹوں کا بیاہ اکٹھے کریں۔

"ہماری بیگم ایک تیر سے دو شکار کر آئیں، واہ بھئی.....! چلو ٹھیک ہے میں داؤد سے کہتا ہوں جلد جواب دے، ہماری بیگم اُتاؤلی ہو رہی ہیں"۔ سلائس پہ جیم لگاتے وہ ہنس کے گویا ہوئے۔

"گڈ مارننگ ایوری ون"۔ عصیب اور آبگینہ دونوں ٹیبل تک آئے۔

"ہریرہ کہاں ہے؟" حسان صاحب نے اخبار کے اوپر سے عصیب کے پیچھے دیکھا مگر ہریرہ ندارد۔

"وہ آج جلدی نکل گیا پپا! بس مما! جوس لوں گا، میں لیٹ ہو رہا ہوں"۔ انہیں جواب دے کر وہ مما سے کہنے لگا جو بوائل انڈہ پلیٹ میں رکھ چکی تھیں۔

"پہلے انڈہ لو پھر جوس"۔ تو نہ چاہتے ہوئے بھی انڈہ کھایا، جوس کا گلاس اُٹھا کے لاؤنج کراس کرتے ہوئے خالی کیا اور پاس کھڑی ممتاز کو پکڑا کر وہیں سے خدا حافظ کی آواز لگاتا چلا گیا۔

"توبہ ہے.....! یہ لڑکا جو کبھی ڈھنگ سے ناشتہ کر لے، اب تو اور جلدی شادی کرنی پڑے گی اس کی"۔ بنا کسی کو مخاطب کیے افشاں بیگم نے کہا تو حسان صاحب اور آبگینہ مسکرا اُٹھے۔

☆

"آؤچ.....!" کتابوں کی دکان سے نکلتی عائبہ کا سیڑھیوں سے پاؤں پھسلا، توازن خراب ہونے کی وجہ سے وہ سیدھی سیڑھیاں چڑھتے ہریرہ کے قدموں میں جا گری، وہ تو شکر تھا کہ زیادہ رَش نہیں تھا، ہریرہ نے جلدی سے اُسے اٹھایا جب نگاہیں عائبہ کے چہرے سے ٹکرائیں، اس کی بلیک آنکھوں میں محبت کی قندیلیں روشن ہوئیں، ساتھ ہی رگِ ظرافت پھڑکی۔

"دیکھیں مِس! میں نے اسی دن آپ کو معاف کر دیا تھا، پلیز اس طرح بھرے بازار میں معافی مانگنا وہ بھی پاؤں پکڑ کے، مجھے اچھا نہیں لگا، پلیز اُٹھیں"۔ چہرے پہ سنجیدگی، آنکھوں میں شریری چمک لئے اس نے عائبہ کو کندھوں سے پکڑ کر دوبارہ کھڑا کرنا چاہا جو کہ پاؤں میں درد کی وجہ سے دوبارہ بیٹھ گئی، عائبہ اس کی بات سن کر تلملا اُٹھی۔

"معافی اور آپ سے..... مائی فٹ.....!"

"اتنا غصہ حُسن اور صحت دونوں کے لئے نقصان دہ ہے، اور اگر معافی مانگ ہی لی تو جسٹ کُول..... اپنی غلطی پہ معافی مانگنا اچھی بات ہے اور پھر شکر کریں خدا کا، آپ کو میرے قدموں میں سجدہ ریز ہوتے کسی نے دیکھا نہیں، بی کُول.....!" ہلکی سی ہنسی ہریرہ کے چہرے پہ تھی، عائبہ کے تو سر پہ لگی تلووں پہ بجھی، بنا کوئی جواب دیئے وہ پلٹنے لگی مگر تیز درد کی لہر نے اس کے نین کٹوروں میں نمی دوڑا دی اور اب کی بار ہریرہ سیریس ہو گیا۔

"میری گاڑی پاس ہی کھڑی ہے آئیں میں.....!"

"گیٹ لاسٹ"۔ عائبہ گیلانی اس کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی اس کے اس طرح چلانے پہ ہریرہ شاکڈ رہ گیا، مگر گیا نہیں۔ عائبہ خود میں ہمت مجتمع کرتی روڈ تک گئی اور ایک آٹو میں بیٹھ کر چلی گئی۔ ہریرہ ڈسٹرب سا ہو گیا۔

☆

"مبارک ہو"۔ کمرے میں مبارک باد کا شور برپا ہوا، وجہ یہ تھی کہ شجر گیلانی کا عصیب علی سے رشتہ طے ہو گیا ساتھ ہی ڈیٹ فکس کر دی گئی تھی۔

"ارے مبارک ہو لڑکی والو! اس خوشی کے موقع پہ کوئی مٹھائی وغیرہ یا کوئی اپنے ہاتھوں سے بنی سوئیٹ

ڈِش ہی کھلا دو''۔ پھولوں کی چند پتیاں عائبہ پہ اُچھال کر ہریرہ نے کہا تو عائبہ نے مٹھائی کے ٹوکرے سے لڈو اُٹھا کر پورا کا پورا ہریرہ کے منہ میں ڈال دیا' پھر دوسرا بھی ٹھونسا' ہریرہ' عائبہ کی اس حرکت کے لئے خود کو قطعاً تیار نہ کرسکا' عائبہ کے ہاتھ میں تیسرا مٹھائی کا ٹکڑا دیکھ کر ذرا سا پیچھے ہونے لگا' بُرا ہو سینڈل کا جو ہریرہ کے بُوٹ سے لگا' ہریرہ قریب پڑے صوفے پہ گرا' مگر یہ کیا گلاب جامن ہاتھ میں لئے عائبہ گیلانی ہریرہ کے سینے پہ جا گری' ہریرہ کو لگا یہ کوئی خواب ہے اس نے اپنے بازو عائبہ کے گرد کرنے چاہے مگر وہ جھٹکے سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور گلاب جامن کو توڑ کے ہریرہ پہ پھینک دیا۔

''سر سے پاؤں تک کھلا دی مٹھائی' خوش...!'' ہریرہ کے بالوں اور چہرے پہ گلاب جامن بکھرا تھا جب آ بگینہ کی آواز آئی۔

''عائبہ! آپ کو اندر بُلا رہے ہیں''۔ وہ اندر چلی گئی جب عصیب نے ہریرہ کو دیکھا تو حیران ہو کر ہنسنے لگا۔

''یہ کس طرح مٹھائی کھائی ہے؟ مانا کہ تجھے بہت خوشی ہے مگر.....''۔

''ہنسو' ہنسو..... تم بھی گیلانی ہاؤس کے ممبر بن گئے' یہ سب تمہاری سالی کا کیا دھرا ہے' دیکھنا اب کیسے بدلہ لوں گا''۔ ہریرہ سر اور کپڑے جھاڑتا منہ بسور کے بولا' تو عصیب سر نفی میں ہلا کر مسکرانے لگا۔

☆

''ٹھیک ہے' ٹھیک ہے میں لے آؤں گی مگر میری اِک شرط ہے''۔ شجر کو دیکھ کر اس نے گردن اکڑائی۔

''مجھے ہر شرط منظور ہے وعدہ.....! کہو کیا شرط ہے؟'' عصیب نے فوراً کہا۔

''مہندی کی ڈریسنگ مجھے آپ خرید کے دینا''۔ عائبہ کی بات پہ شجر نے تکیہ اُٹھا کر اسے مارا' مگر وہ پھرتی سے پیچھے ہٹی اور شجر سے ملنے آتے ہریرہ کے چہرے پہ جا لگا' ہریرہ ہراساں ہو گیا۔ شجر پزل سی ہو کر زبان دانتوں تلے دبا گئی' جبکہ عائبہ قِل قِل کرتی ہنستی چلی گئی پھر موبائل سے ہاتھ ہٹا کر وہ عصیب سے بات کرتی ٹیرس پہ آ گئی۔

''سوری ہریرہ! وہ میں عابی کو مار رہی تھی''۔ شجر نے شرمندہ ہو کر وضاحت دی۔

''نو پرابلم بھابی! خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ بدلتا ہے' اب تو ہمارے گھر بھی ایسے تکیوں کی گولہ باری اور اچانک سینڈلوں کے ایٹمی دھماکے ہوا کریں گے' سو اچھا ہوا میں نے ٹریلر دیکھ لیا اور پکچر ابھی باقی ہے میرے دوست''۔ وہی تکیہ بازوؤں میں بھینچے وہ شجر کے قریب آ کے بیٹھ گیا تو شجر مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

''اچھا جناب! اگر مستقبل کے نقشے سے فری ہو گئے ہیں' تو جلدی سے بتائیں ٹھنڈا چلے گا یا گرم؟''

''ہممممم.....دونوں''۔

''شجر! ایسا کرو ایک گلاس ٹھنڈا پانی فریج سے لا دو انہیں اور ایک گلاس گرم پانی گیزر سے''۔ نیچے اترتی عائبہ نے شجر کو مشورہ دیا' ہریرہ تپ گیا' شجر ہنسی چھپاتی ہریرہ سے ایکسکیوز کرنے لگی' مگر وہ رُکا نہیں اور گھر کا گیٹ کراس کر گیا۔

☆

''واؤ.....!'' پیچ کلر کے لہنگا چولی کو دیکھ کر عائبہ دنگ رہ گئی' انتہائی نفیس و نازک سا کام تھا۔

''چلیں یہ فائنل ہے اور اس کے ساتھ یہ جیولری سینڈل اور چوڑیاں بھی پیک کر دیں''۔ تمام چیزیں سیلز مین کو پکڑا کر وہ کپڑے دیکھنے لگی پھر شجر کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

''کہاں ہو یار! میں نے تمام خریداری کر لی اور اب بھوک زوروں پہ ہے' پلیز جلدی آؤ... بائے''۔ اپنی سنا کر فون بند کر دیا اور میسج چیک کرنے لگی' اسی اثناء میں شجر اور عصیب مال میں داخل ہوئے۔

''جی جُو! میں نے لہنگا پسند کر لیا ہے آپ پے منٹ کر دیں''۔ شجر کے ہاتھ سے برگر اور پیپسی لیتے ہوئے اس نے عصیب کو کہا پھر برگر کے بڑے بڑے بائٹ لینے لگی۔

''عابی! تسلی سے..... یہ تمہارا ہی ہے''۔ شجر کے ٹوکنے کو وہ حسبِ معمول اَن سنا کر گئی۔

''جلدی سے فائنل کرو' گھر چلیں بہت دیر ہو گئی''۔ شجر اور عصیب ساڑھی پسند کرنے لگے وہ قریب رکھی کرسی پہ بیٹھی برگر کھانے لگی۔

☆

آج لڑکے والوں کی طرف مہندی لے کر جانی تھی' عائبہ بہت پیاری لگ رہی تھی پھر جلد ہی یہ سب ''علی وِلا'' کے لان میں داخل ہوئے جہاں ان کا بھرپور طریقے سے استقبال ہوا پھر عصیب کو مہندی لگا کر وہ اسے چھیڑنے لگی اس کی برجستگی پہ ڈیسنٹ سا عصیب سر کھجا کے رہ گیا۔

''عائبہ! پلیز بخش دو''۔ بالآخر اس نے دونوں ہاتھ جوڑے تو وہ ہوٹنگ کرتی آ بگینہ کے پاس آ گئی پھر کھانا کھاتے ہی واپسی کی راہ لی' لہنگا سنبھالتی لاؤنج میں آ کر مہروز کو اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''میں یہاں ہوں' یہاں ہوں''۔ ایک دم ہریرہ اس کے سامنے آ کر گنگنانے لگا تو عائبہ اس پہ افسوس کرتی گہرے سانس لینے لگی۔

''آپ کے دماغ کے اسکرو ہلے ہوئے ہیں یا سرے سے فارغ الدماغ ہیں؟'' روکھے انداز میں کہتے ہوئے وہ گھورنے لگی۔

''واہ خدا کی قدرت..... یعنی آپ بضد ہیں مجھے اپنا جوڑ بنانے پہ' لوگ یہی بات آپ کے متعلق کہتے ہیں اور آپ مجھے......ویری فنی''۔ انگلی سے اپنی طرف اشارہ کرتے ہریرہ نے حیران ہونے کے ریکارڈ توڑ دیئے۔

''شٹ اپ!''۔ نخوت سے کہتی وہ پلٹ گئی' اگلے دن شادی بڑے دھوم دھام سے ہوئی رخصتی کے وقت عائبہ بہت روئی تو ہریرہ نے دیکھا یہ چہرہ روتا ہوا اسے تکلیف دے رہا تھا' وہ خود پہ قابو کرتا سب سے پہلے گاڑی میں آ بیٹھا۔

☆

''مما پلیز یار! آج نہیں کل کا ڈِنر رکھ لیں' سچی بہت تھک گئے ہیں' کل تو گھر کی سیٹنگ چینج کروائی ہے اب مہمان نوازی کی ہمت نہیں مجھ میں''۔ صوفے پہ نیم دراز ہو کر عائبہ نے بال سمیٹتے کہا۔

''عابی! ٹھیک کہہ رہی ہے رِمشا! تم کیا کہتی ہو؟'' کرن بیگم نے عائبہ کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے ان کی رائے جاننا چاہی۔

''نہیں بھابی! آج کا ڈنر ہی ٹھیک رہے گا پھر بالکل ایزی فیل کریں گے اور رسم کے مطابق شادی کے آٹھویں روز ہی بیٹی کے سُسرال کو ڈِنر پہ مدعو کرتے ہیں' پھر کل کیا آج کیا.... عابی تو ہے ہی صدا کی کام چور' میں خود کر لوں گی نوری کے ساتھ مل کے''۔ رمشا بیگم نے سبزی ٹوکری میں رکھتے کہا۔

''چلو میں بھی مدد کروا دوں گی مگر تم میری بیٹی کو کام چور مت کہو''۔ رمشا کی بات سن کے عائبہ غصے سے اٹھی مگر کرن نے پیار سے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔

''بس بڑی مما! ایک آپ کو میری فکر ہے ورنہ مما تو کسی ظالم ساس سے کم نہیں''۔ لاڈ سے کہتی وہ ان کے رخسار پہ بوسہ دینے لگیں۔ رمشا نے ایک ترچھی نظر اس پہ ڈالی اور اس کے بچپنے پہ سر ہلا کر رہ گئیں۔

☆

رات کو ڈنر کرنے کے دوران افشاں بیگم نے مہروز کے متعلق پوچھا وہ کیا کرتا ہے اس کی منگنی کے بارے میں اور بھی چھوٹے چھوٹے سوال۔

''عائبہ! میرے مہروز کی منگیتر ہے' چونکہ وہ ابھی اپنی جاب اسٹارٹ نہیں کر رہا بلکہ شوروم کھولنے کا ارادہ رکھتا ہے سو جیسے ہی وہ اپنے کام میں کچھ سیٹل ہو گا' ہم منگنی کا فنکشن کر دیں گے بس ابھی یہ بات بچوں میں یا باہر رشتہ داروں میں لیک آؤٹ نہیں''۔ کرن بیگم کے جواب پہ ڈنر کے لئے آتا ہریرہ ٹھٹھک کے رُک گیا' ایک پل کو افشاں بیگم بھی بیٹھی کی بیٹھی رہ گئیں' انہیں عائبہ پہلی نظر

میں پسند آئی تھی، پھر ہریرہ بھی اشارے کنائیوں میں بہت مرتبہ کہہ چکا تھا' ہریرہ کو لگا اس کا دل ایک دم چپ ہوگیا ہو حتیٰ کہ دھڑکن بھی جامد ہوگئی ہو وہ انہی پیروں لوٹ گیا' گاڑی میں بیٹھ کر اس نے عصیب کو کال کی۔

''یار! تم لوگ ڈنر اسٹارٹ کرو میری طبیعت ٹھیک نہیں میں ریسٹ کروں گا''۔ عصیب نے اس کی آواز میں واضح لڑکھڑاہٹ محسوس کی تو بے چین سا ہوگیا۔

''ہریرہ! تُو کہاں ہے اس وقت؟ تُو ٹھیک تو ہے ناں؟'' عصیب نے تیزی سے سوال کیے کہ کہیں وہ سیل بند نہ کردے۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں اپنے روم میں ہوں' سر میں درد ہے صبح فریش ملوں گا' ڈونٹ وری.... اوکے''۔ اچھی طرح تسلی دے کر اس نے فون بند کیا مگر عصیب پھر بھی مطمئن نہ ہوا۔

''ہریرہ آیا نہیں ابھی تک' کہاں ہے؟'' شجر نے عصیب سے پوچھا جو کچھ ڈسٹرب لگا۔

''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں' تم جلدی سے جاکے کھانا لگواؤ' وہ گھر میں اکیلا ہے' کچھ کھایا بھی نہیں ہوگا''۔ شجر نے کھانا لگوایا' ہلکی پھلکی گفتگو میں کھانا ختم ہوا' عائبہ چائے بنانے اُٹھی تو حسان انکل نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

''سوری بیٹا! ہریرہ کی طبیعت ٹھیک نہیں' چائے اُدھار ہے' ضرور پئیں گے' ویسے بھی وہ تھوڑا سا لاپرواہ ہے اپنی ذات کے لئے' انشاء اللہ پھر کبھی''۔ عائبہ کے سر پہ ہاتھ رکھے وہ دھیمے لہجے میں بولے تو سب نے انہیں جانے کی اجازت دے دی۔

''شجر! تم رُکو.... ناں آج''۔ عائبہ شجر سے سرگوشی میں کہنے لگی مگر برابر کھڑے عصیب نے وہ سرگوشی سن لی۔

''سوری سسٹر! مجھے اس کے بنا نیند نہیں آتی' دن بھر رکھو اپنے پاس' مگر رات نہیں''۔ عصیب نے اسی سرگوشی میں بے باک ہوکے جواب دیا' شجر جھینپ گئی

عائبہ کی تو بولتی بند ہوگئی۔

☆

''نیور.... وہ کھلنڈری عابی.... نو.... وے مما! آپ نے یہ سوچا بھی کیسے' وہ مجھے شجر کی طرح عزیز ہے' جہاں مرضی میری شادی کردیں' مگر پلیز مما! عابی نہیں' میری بہنوں جیسی ہے' عابی .... نو.... نیور.... نیور''۔ بیڈ کے کونے پہ بیٹھ کے بوٹ اُتارتے ہوئے مہروز نے اٹل لہجے میں کہا تو کرن بیگم مزید کوئی بات کرنے کا خود میں حوصلہ نہ کرپائیں۔ مہروز کو کپڑے دے کر رمشا کے پاس آگئیں اور پوری بات من و عن انہیں بتادی' انہیں بھی ایک دم شاک لگا' وہ خود بھی ذہن بنائے بیٹھی تھیں' مگر کرن کو روتے دیکھ کر وہ انہیں حوصلہ دینے لگیں' کرن کی تو شدت سے خواہش تھی مگر اوپر والے کی خواہش کچھ اور ہی تھی۔

☆

شام کو وہ تھکا ہارا گھر آیا تو سامنے ہی وہ دشمنِ جاں چہکتی ہوئی نظر آگئی' تو ہریرہ نے خود میں پھر سے کمزوری محسوس کی' اس دن کے بخار نے اسے نڈھال کردیا تھا' وہ بولنا بھی ترک کرچکا تھا' سب بہت پریشان تھے مگر اک افشاں بیگم تھیں جو واقف تھیں' اس نے انہیں بتا تھا کہ وہ عائبہ کی انگیج منٹ کے متعلق جان چکا ہے اور افشاں سے وعدہ لیا وہ کسی کو کبھی نہ بتائیں گی' سو وہ چپ تھیں' آج پھر اسے دیکھ کر وہ بے بس ہوگیا تھا۔

''رئیلی شجر! آئی مِس یو آلاٹ.... کل میں نے کیریاں توڑیں کچھ کھائیں کچھ بچوں میں بانٹ دیں''۔ چائے میں بسکٹ ڈبوتے ہوئے وہ مزے سے کل کی روداد سُنا رہی تھی' شجر نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''تم کبھی نہیں سدھرو گی' تمہارا شوہر سر پہ ہاتھ رکھ کر روئے گا ساری عمر''۔ مہروز نے اسے چڑایا اور اس کے ہاتھ سے چوتھا بسکٹ چھینا۔

''تمہیں جیلسی کیوں' میرا شوہر مجھے سر آنکھوں پہ بٹھائے گا' میرے لئے خود درخت پہ چڑھ کے کیریاں توڑ کر لائے گا' ہم مزے سے کھائیں گے''۔ شاہانہ انداز سے کہتی وہ پھر سے بسکٹ کھانے لگی' مزید سننے دیکھنے کی ہریرہ میں سکت نہ تھی' وہ وہیں سے پلٹ گیا' مگر شجر اسے دیکھ چکی تھی۔

''ہریرہ! کہاں جارہے ہو' اِدھر آؤ ممی لوگ آئے ہیں''۔ وہ مجبوراً پلٹا اور سلام دعا کرنے لگا' مہروز بڑی خوشدلی سے ملا' ہریرہ بڑی دقتوں سے ملا۔

''اتنے ویک کیوں ہوگئے یار! یہ بخار تم سے زیادہ طاقتور تو نہیں''۔ مہروز نے تفصیلی نظر اس پہ ڈال کر اپنے برابر بٹھایا تو چائے پیتی عائبہ نے بھی غور کیا' واقعی اس کا چہرہ اُترا اُترا لگا' وہ شوخی کہیں بھی دیکھنے کو نہ ملی جو ہمیشہ اس کے چہرے پہ ہوتی تھی۔ عائبہ اُداس سے ہریرہ کو دیکھ کر خود بھی اُداس ہونے لگی' پھر اپنی اندرونی حالت سے گھبرا گئی' ہریرہ نے ایک نظر بھی اس پہ نہ ڈالی ورنہ وہ اس کی نظروں اور شوخ حرکتوں سے عاجز آجاتی تھی' وہ ایک دم بیزار سی ہوکر لان میں چلی آئی۔

☆

''مہر! تم کتنے میسنے ہو' بظاہر بھولے بدھو اور اندر سے پورے 420 ہائے ہائے.... توبہ توبہ....!'' عائبہ نے جب سے سنا کہ مہروز آبگینہ کو پسند کرتا ہے تب سے وہ بوڑھی عورتوں کی طرح گال پیٹتے مہروز کو شرم دلا رہی تھی جو سینے پہ ہاتھ رکھے سرخم کررہا تھا' شجر بھی آگئی جب اسے پتہ چلا وہ بہت خوش ہوئی' وہ چھوٹی ممی سے عائبہ کے متعلق بات کرنے آئی تھی' کیونکہ اسے مہروز کے انکار کا پتہ چل گیا تھا اور افشاں بیگم نے اسے سب بتادیا تھا کہ ہریرہ کیوں گم صم رہتا ہے' اس نے سوچا ممی سے ہاں کروا کے ٹلے گی' مگر مہروز کی بات سن کر وہ بے حد خوش ہوئی' دوسری طرف مہروز نے کہہ دیا۔

''مجھے آبگینہ اچھی لگتی ہے اگر سب کے دل مطمئن ہوں تو شادی کردیں وہاں' ورنہ میں کنوارا ہرگز نہیں مروں گا' کہیں اور شادی کرلوں گا''۔ مما اس کی چالاکی پہ ہنس دیں' مہروز کو آفس سے کال آئی وہ چلا گیا' عائبہ' شجر کے لئے چائے بنانے لگی۔

''ٹھیک ہے شجر! تمہیں میں خالی ہاتھ نہیں لوٹا سکتی' بس بیٹا وہ لاابالی سی ہے' تم خیال رکھنا مجھے ڈر ہے وہ ذمہ داری کیسے نبھائے گی' سوچا تھا ساری عمر یہیں آنکھوں کے سامنے رہے گی مگر....''۔ ممتا سے چُور لہجے میں انہوں نے ڈر بتایا۔

''ارے ممی! میں اس کے ساتھ ہوں' افشاں آنٹی آپ جیسی ہیں' رہا سوال ہریرہ کا وہ بہت جلد اسے اپنے رنگ میں رنگ لے گا''۔ پھر اس نے پوری بات انہیں بتادی تو رمشا نے تشکر سے خدا کے حضور آنکھیں بند کرلیں۔

''شکر ہے خدا کا! ان کی شرارتوں سے بھری تجوری کو کوئی اتنا چاہتا ہے''۔ انہوں نے فائنل ہاں کردی' مگر عائبہ سے سب سیکریٹ رکھا گیا۔

☆

''واقعی! خدا جب نوازے تو بے حد نوازتا ہے''۔ افشاں بیگم نے عصیب اور ہریرہ کے منہ میں مٹھائی ڈالی تو وہ حیران رہ گئے۔

''کس خوشی میں؟''

''مہروز اور عائبہ کی ڈیٹ فائنل کردی جناب!'' شجر کے الفاظ نے ہریرہ کی ہنسی منٹ میں غائب کی۔

''ہریرہ! آر یو اوکے؟'' شجر نے انجان بن کے پوچھا' افشاں بیگم بھی اس کی حالت سے حظ اٹھا رہی تھیں۔

''جی بھابی!''

''مجھ سے زیادہ خود کو یقین دلاؤ کہ رئیلی.... آر یو اوکے.... ہریرہ!'' شجر کی بات پہ عصیب نے دونوں کو دیکھا۔

''یہاں بیٹھو مہروز کے لئے آبگینہ کی بات فائنل

ہوئی ہے اور عائبہ کے لئے.....!'' شجر نے جان بوجھ کے بات ادھوری چھوڑی' عصیب کو خوشگوار حیرت ہوئی' مہروز ہر لحاظ سے پرفیکٹ تھا' مگر عائبہ پہ خاموشی.....وہ بھی ہمہ تن گوش ہوا' ہریرہ کی طرح۔

''اور جناب عائبہ گیلانی کا رشتہ اُداس' سرپھرے دیوانے مسٹر ہریرہ افنان علی سے طے ہونا قرار پایا ہے''۔ نہایت ڈرامائی انداز میں ٹوئسٹ پیدا کرتے شجر نے بات مکمل کی' ہریرہ کی بے یقین سی نظریں شجر اور ممی پہ پڑیں' عصیب بھی بہت خوش ہوا۔

''کہیں جی! کیسا لگا سرپرائز؟'' شجر نے دیکھا' وہ متعجب سا انہیں دیکھ رہا تھا۔

''مگر بھابی! مہروز اور عائبہ یہ.....یہ سب کیسے ہوا؟'' وہ جلد تفصیل جاننا چاہتا تھا' جو کہ شجر نے دے دی۔

''گدھے! مجھے ہوا بھی نہیں لگنے دی' خبیث.....! اتنے دنوں سے فرہاد بنا پھرتا ہے' چل مجھے بات نہیں کرنی تجھ سے''۔ عصیب نے اس کے کان کھینچ کر نروٹھے پن سے کہا تو ہریرہ نے زبردستی اسے خود میں بھینچ لیا اور سوری کہا' عصیب نے اسے کافی ٹائم بعد ہنستے دیکھا تھا سو جلدی مان گیا۔

☆

''ارے واہ! اس مرتبہ ہم لڑکے والے.....ممی! میں مہروز کی مہندی پہ ساڑھی باندھوں گی پلیز.....!'' رمشا کی ٹانگوں پہ سر رکھے وہ منت سے بولی۔

''ٹھیک ہے باندھ لینا' اچھا یہ سوٹ ادھر رکھو' شجر کی پہلی عید ہے' کل باقی سامان بھی لانا ہے پھر رمضان میں مشکل ہوجاتی ہے خریداری''۔ رمشا کے جواب پہ عائبہ نے ان کے تاثرات ٹٹولے' کہیں وہ مذاق تو نہیں کررہیں' مگر وہ نارمل سی مصروف تھیں۔

''ریئلی.....! تھینک یو سو مچ..... مائے سوئیٹ مام!'' ان کے تائیدی جواب پہ وہ ان سے لپٹ گئی۔

''ہریرہ کی مہندی عید کے دوسرے روز ہے

نا؟'' رمشا نے کرن سے پوچھا جو کپڑے الگ تہہ کرکے رکھ رہی تھیں' ہریرہ کی مہندی کا سن کر عائبہ کا دل زور سے دھڑکا' وہ ڈر گئی کہ اس کی دھڑکن باہر نہ سنائی دے' شرارتی آنکھوں والا ہریرہ اسے اچھا لگنے لگا تھا' مگر لاسٹ ٹائم وہ اسے نظرانداز کرگیا تھا' وہ پھر کچھ سوچ کر کپڑے دیکھنے لگی۔

''ہاں آبگینہ نے کہا ہے ہفتہ پہلے بھابی لاؤں گی پھر جاؤں گی' بہت پیاری بچی ہے خدا خوش رکھے''۔ کرن نے محبت سے اس کا ذکر کیا۔

''چلو پھر دونوں کے لہنگے ساڑھیاں ایک جیسے خریدتے ہیں' شجر نے کہا تھا کہ عابی کا ناپ لے لینا' لڑکی بزی ہے تم چلو عابی گڑیا!'' رمشا نے شجر کے پلان کے مطابق اسے لاعلم رکھا' جس کے چہرے پہ کہیں تفکر کہیں سوال مگر لب چُپ تھے۔

''میرا تو قطعاً جانے کا موڈ نہیں' پلیز ہریرہ علی کی منگیتر کو بلوالیں' جب چیزیں اس کی تو وہی جائے ناں' کیوں ممی! آئی ایم رائیٹ.....؟'' عائبہ نے کرن بیگم سے رائے مانگی تو وہ مزید ڈرامہ نہ کرسکیں۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو میری جان! جبھی میں ہریرہ کی منگیتر کو ساتھ لے جارہی ہوں''۔ عائبہ ناسمجھی سے تکنے لگی' کرن نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھاما۔

''کیونکہ ہریرہ کی منگیتر میری عابی ہے' بڑا نصیبوں والا ہے ہریرہ''۔ وہ ان کے ہاتھوں پہ ہاتھ رکھے ششدر رہ گئی' مگر خاموش' اس کی اتنی طویل خاموشی سے وہ دونوں گھبرا گئیں۔

''عائبہ چندا! کیا ہوا؟'' کرن نے اس کا کندھا ہلایا تو وہ اُٹھ کے رُخ موڑ گئی۔

''میری شادی طے کردی' آپ نے مجھے بتایا تک نہیں اور شجر کو وہ اسٹوپڈ ہریرہ ملا' میرے لئے ہونہہ.....!'' عائبہ کی بات سن کے کمرے میں آتی شجر' آبگینہ دونوں ایک جھٹکے سے وہیں رُکیں' ممی اس نئی

صورتحال سے پریشان ہوگئیں۔

''عائبہ یہ تم.....!''

''پلیز ممی! بس کریں' بوجھ سمجھتی ہیں مجھے؟ میری رائے کی کوئی اہمیت نہیں' پپا بھی امریکہ ہیں وہ ضرور سپورٹ کرتے مجھے.....اور تم..... تمہیں تو پتہ ہے تمہارا دیور کسی میں انوالو تھا' تم ہی نے مجھے بتایا' پھر کیوں میری.....!'' ممی کو ٹوکتی وہ شجر پہ چڑھ گئی جو آبگینہ کے سامنے اس طرح کے بی ہیو پر ندامت محسوس کرنے لگی۔

''اسٹاپ اِٹ! بیٹھو یہاں اور میری بات سنو''۔ پھر اس نے اسے پوری بات بتادی' وہ ہونٹ کچلتی انگلیاں مروڑنے لگی۔

''کس چیز کی کمی ہے ہریرہ میں؟ لاکھوں لڑکیاں مرتی ہیں اس پہ' ایک تم ہو کٹھور.....ارے لڑکی تو فوراً پہچان لیتی ہے اپنی طرف اُٹھتی محبت کی نگاہ' کیونکہ محبت خود بتاتی ہے' اس کا ایک الگ طریقہ ہے' اس کا ایک خاص انداز ہے' مگر تم.....!'' شجر بولتی بولتی خاموش ہوگئی اور عابی ٹیرس پہ آگئی۔

☆

رمضان کا مہینہ اس مرتبہ بڑا گرما گرمی دکھاتا گزرا اور پتہ بھی نہ چلا جب چاندرات آگئی عائبہ نارمل ہوگئی تھی' مگر ہریرہ سے سامنا کرنے سے کتراتی تھی وہ بہت پریشان تھا کچھ سوچ کر وہ گیلانی ہاؤس آگیا' سلام دعا کے بعد وہ شجر سے پوچھ کے عائبہ کے روم میں آیا مگر وہ وہاں نہیں تھی' اس نے سامنے دیکھا تو وہ اپنے خیالوں میں مگن فالسے کھانے میں مصروف تھی' اسے پتہ ہی نہ چلا ہریرہ اس کے سامنے آکے بیٹھ گیا اور اس کی پلیٹ سے فالسے اُٹھا کے کھانے لگا' جب عائبہ نے فالسے کھانے کے لئے نظریں دوڑائیں تو ہریرہ کو دیکھ کر چونک گئی۔

''آپ..... یہاں کیسے.......؟''

''سب لوگ شاپنگ پہ گئے ہیں بٹ بھابی کی رپورٹ کے مطابق تم گھر ہو' خیر تو ہے ناں.....؟ تمہیں ڈھونڈنے کو گھر چھان مارا مگر عائبہ بی بی ندارد۔ بس میں

سیدھا یہیں آگیا کہ میرے دل کی ملکہ تو آپ ہیں ہی ساتھ ہی داؤد انکل کے درختوں کی راجدھانی بھی آپ نے سنبھالی ہوئی ہے''۔ اس کے ہاتھ سے فالسے لے کر کھاتے ہوئے ہریرہ نے درخت کے تنے سے ٹیک لگائی تو عائبہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا' کیونکہ تنا کمزور تھا ہریرہ سیدھا داؤد انکل کے لان میں چت لیٹ گیا' عائبہ نے درخت سے چھلانگ لگائی اور ہریرہ کے پاس بیٹھ گئی۔

''ہریرہ! اُٹھیں پلیز..... کیا ہوا؟'' وہ اس کے سر اور جسم کو چھونے لگی' کہیں چوٹ تو نہیں لگی' مگر ہریرہ صاحب خاموش۔ اس سے پہلے کہ عائبہ روتی' ہریرہ نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

''کتنا پیار کرتی ہو مجھ سے؟'' اچانک اس طرح کے سوال پہ وہ پزل سی ہوگئی تو ہریرہ نے دونوں ہاتھ تھام کر اسے جھٹکا دیا مگر وہ ہریرہ کے اوپر گرنے سے خود کو بچا گئی اور ہاتھ چھڑا کے جانے لگی مگر۔

''نو..... پہلے آنسر دو' پھر چلیں گے عید کی شاپنگ کرنے''۔ ہریرہ کے قریب گھٹنے ٹیکے وہ گھاس پہ بیٹھی تھی۔

''جتنا آپ کرتے ہیں اس سے کم مگر جلد آپ کے برابر پہنچ جاؤں گی''۔ کسی رٹے ہوئے سبق کی طرح بول کر اظہار کرتی وہ ہریرہ کو گستاخی پر مجبور کرگئی۔

''پلیز مجھے جانے دیں''۔ وہ روہانسی ہوگئی۔

''اچھا عید مبارک' اور چاندرات مبارک تو کہہ دو''۔ ہریرہ کو پزل سی عائبہ اُس نٹ کھٹ بولڈ عائبہ سے بہت مختلف لگی' اس نے پھر شرارت کرنا چاہی مگر عائبہ اس کی کمزور گرفت کا فائدہ اٹھا کر بھاگی۔

''چاندرات بہت مبارک اینڈ ایڈوانس عید مبارک''۔ جاتے ہوئے وہ ہونٹوں کے گرد ہاتھ رکھے زور سے بولی تو ہریرہ جواباً اس کی شرارت پر ہنس دیا۔

☆

نائلہ طارق

افسانہ

بس اک رنگ محبت

نیم وا آنکھوں سے ایک ٹک بند کھڑکی کو دیکھتے ہوئے جانے کتنا وقت گزر گیا تھا' کمرے میں پھیلی گمبھیر خاموشی اور تاریکی میں گھڑی کی ٹک ٹک کے علاوہ کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا' اس کی زندگی بھی تو ملگجے اندھیرے سے بھرے خاموش کمرے میں جیسی تھی' جس کی تمام کھڑکیاں بند تھیں' کمرے میں حبس بڑھتا جا رہا تھا' دم گھٹنے سے پہلے وہ کھڑکی کھول دینا چاہتی تھی مگر......



یکدم کسی ٹرانس سے باہر آتے ہوئے اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی تھی' اسے احساس ہوا تھا کہ کمرے سے باہر کی دنیا جاگ اٹھی ہے' سحری کی رونقیں آہستہ آہستہ بڑھنے لگی تھیں۔ اس کا اضطراب معدوم ہونے لگا تھا۔ رمضان المبارک کی یہ پُرنور ساعتیں ایمان کو تازہ کرتیں نئی روح پھونک دیتی تھیں۔

خالقِ کائنات کی عبادتوں میں مشغول رہ کر رحمتوں سے بھرپور ان ایام کو اپنے لیے سمیٹنا اس کے لیے بھی سعادت حاصل کرنے جیسا تھا' بے چین دل کو جیسے قرار مل رہا تھا' یہی آرزو تھی کہ کہیں کوئی کمی نہ رہ جائے رب کو راضی کرنے کی چاہت میں۔ ہر بار رمضان کے اس مقدس مہینے کی آمد پر اس کے دل و دماغ میں یہی دھن ہوتی تھی کہ اس بار تو عبادت گزار' شکر گزار بندوں میں وہ بھی شامل ہو جائے' زندگی میں بہت کچھ بدل جانے کے باوجود آج بھی اس کی کیفیات وہی تھیں' سب کچھ بدل سکتا ہے مگر آسمانوں پر اس عظیم الشان ہستی سے اس کے فرمانبردار بندے کا تعلق اور محبت نہیں۔

ایک نئے عزم کے ساتھ وہ کلمہ پڑھتی اٹھ بیٹھی تھی اور پھر چونک کر سائیڈ ٹیبل پر سیل فون کی روشن اسکرین کو دیکھا تھا۔ چند لمحوں تک اسکرین پر جگمگاتے نمبرز کو وہ دیکھتی رہی تھی نہ کال ریسیو کی تھی نہ ڈسکنیکٹ کی تھی' بس خاموشی سے سیل کو تکیے کے نیچے سرکا دیا تھا' وہ کسی خوش گمانی میں مبتلا آج بھی نہیں ہوئی تھی' وہ اس شخص کی آواز بھی نہیں سننا چاہتی تھی جو اس کے لیے انجان نہیں تھا' پورے دو ماہ وہ اس کی سنگت میں گزار کر آئی تھی' کیا کچھ نہیں ملا تھا اس شخص سے ذلت' تضحیک' نفرت' حقارت...... دونوں ہاتھوں سے یہ سب وہ اس پر لٹاتا رہا تھا' وہ ڈسنے کا ہنر خوب جانتا تھا' اس کے زہر کا کوئی تریاق نہیں تھا۔



بلند غصیلی پکار پر وہ لرزتے دل کے ساتھ تیزی سے کمرے تک پہنچی تھی' جہاں وہ خونخوار نظروں سے اس کا استقبال کر رہا تھا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ اس شرٹ کا ایک بٹن ٹوٹ گیا ہے' وہ لگا دو...... کہاں لگایا ہے وہ بٹن؟" ہلکے سبز رنگ کی شرٹ سامنے پھیلائے وہ پوچھ رہا تھا' اس کے حلق سے معمول کی طرح کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی' مگر اس نے سہمے انداز میں گریبان کے تیسرے بٹن کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔

"یہ سرخ رنگ کا بٹن ہے' اس شرٹ پر سرخ رنگ کا بٹن؟" وہ دھاڑ اٹھا تھا۔

"یہ شرٹ پہن کر باہر جاؤں......؟ تماشہ بنواؤ گی' جوکر نظر آتا ہوں تمہیں؟ ساری دنیا کو بتانا چاہتی ہو کہ تم کلر بلائنڈ ہو' بٹن کا رنگ مجھے دکھا کر پہلے کنفرم نہیں کر سکتی تھیں مجھ سے؟ شان گھٹ رہی تھی تمہاری' صرف رنگوں کی نہیں عقل کی بھی اندھی ہو تم"۔ رُکے بغیر اس پر برستے ہوئے وہ یہ بھول گیا تھا کہ وہ تو اس کی آواز سن کر ہی بھڑک جاتا ہے' پھر کس طرح وہ اسے مخاطب کرنے کی ہمت بار بار کر سکتی تھی۔

دوسری شرٹ وارڈروب سے نکال کر اس کی جانب پھینکتے ہوئے وہ مستقل بے نقط اسے سنا رہا تھا' جو آنسو پیتی کانپتے ہاتھوں سے شرٹ پریس کر رہی تھی۔ یہ تو واضح اس کے لئے نئی ہرگز نہیں تھی' ایک لفظ بھی کہنے کی جسارت وہ نہیں کر سکتی تھی کہ قصوروار وہی تو تھی' رنگوں کے اندھے پن' ان کی پہچان کی حس نہ رکھتے ہوئے وہ پیدا ہوئی تھی' قصوروار تو اس کے گھر والے تھے جنہوں نے اس کی اِس خامی کو معمولی جان کر کسی پر اس کمی یا خامی کو واضح نہیں کیا تھا۔

حمیصہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے بھائی کی ملیحہ سے پہلی ملاقات کہاں ہوئی مگر وہ جانتی تھی کہ ان دونوں کے درمیان تعلق کافی سنجیدہ نوعیت کا ہے' پسندیدگی کا یہ بڑھتا سلسلہ دونوں گھروں کے بڑوں تک پہنچا اور مہذب

طریقے سے ہی مزید آگے بڑھتا چلا گیا تھا' سب کی طرح وہ بھی خوش اور مطمئن تھی کہ اگر ملیحہ اچھی تھی تو اس کا بھائی بھی ہر لحاظ سے اچھا تھا اور واقعی ملیحہ کے گھر والوں کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں اٹھایا گیا تھا' مگر فائنل جواب دینے کے لیے انہیں ملیحہ کے ایک بھائی کا انتظار تھا' جو جاب کے سلسلے میں دوسرے شہر میں مقیم تھا۔

محتشم کی آمد اس کے گھر جس دن ہوئی اُس دن محتشم کے جانے کے بعد ہی حمیصہ کی ساری خوشی فکر میں بدل گئی تھی' اس کے گھر میں سب ہی سر جوڑ کر بیٹھ گئے تھے' معاملے کی بھنک پڑتے ہی اس کے پیروں کے نیچے سے زمین کھسک گئی تھی' ملیحہ کے گھر والوں کی طرف سے مثبت جواب فوری طور پر مل گیا تھا مگر اس کے گھر والے تو کچھ اور ہی سوچ کر بیٹھے تھے' اس کی مرضی پوچھے بغیر اس کے گھر کے بڑوں نے ملیحہ کے گھر والوں تک اپنی ڈیمانڈ پہنچا دی تھی۔ ملیحہ کے گھر والوں کا ردعمل کیا تھا وہ نہیں جانتی تھی مگر وہ یہ جانتی تھی کہ اس قسم کے رشتے کتنے مسائل کھڑے کر دیتے ہیں' لیکن اس کے گھر والے ناامید نہیں تھے' اس کے گھر والوں نے کچھ زیادہ ہی روشن خیال ہونے کا ثبوت دے کر اسے شرمندہ کر دیا تھا' وہ دلیر نہیں تھی' شروع سے ہی کسی بات پر احتجاج کے لیے ہمت پکڑتے پکڑتے اس کے سر سے پانی اونچا ہو جایا کرتا تھا' وہ ایسا بالکل نہیں چاہتی تھی' جو اس کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ ملیحہ کے گھر والے انکار نہیں کریں گے' ملیحہ کے لیے اتنا اچھا رشتہ دوبارہ ملنا ناممکن تو نہیں تھا مگر اس کا اندیشہ سچ ثابت ہوا تھا۔

محتشم نے اپنی بہن کی خاطر قربانی دی تھی یا پھر اپنے گھر والوں کے دباؤ میں آ گیا تھا۔ بہرحال پھر کسی معاملے میں دیر نہیں ہوئی تھی' ملیحہ رخصت ہو کر گھر آئی اور اسے محتشم کے ساتھ اپنے شہر کو چھوڑنا پڑا تھا۔

محتشم کے حوالے سے اس کے سارے اندیشے درست ثابت ہوئے تھے' پہلا اہم ثبوت تو یہی تھا کہ فوری طور پر وہ حمیصہ کو قبول نہیں کر سکا تھا' اسے کوئی شکایت بھی نہیں تھی' یہ بیزاری اور بےگانگی وہ ڈیز روکرتی تھی۔

ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے جہاں دن بدن اس کی ندامت بڑھتی گئی تھی وہیں اس کے جوہر بھی محتشم پر کھلتے چلے گئے تھے۔ حمیصہ کے لیے اس کی اکتاہٹ اور بیزاری کا آسمان تک پہنچنا حیران کن نہیں تھا' حمیصہ کا چہرہ ہی اس کو غصے میں بھڑکانے کے لیے بہت ہوتا تھا' گھر میں وہ بہت کم وقت گزارتا تھا اور جتنا بھی وقت گزارتا اس میں حمیصہ کی ذرا ذرا سی بات کو پکڑ کر وہ اس کے ساتھ اِس کے پورے خاندان کو لپیٹ میں لے لیتا تھا' خاموشی سے سر جھکائے سب کچھ سنتے رہنے کے علاوہ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی' وہ یقین کر چکی تھی کہ وہ اس کی دنیا کی نہیں ہے' وہ اس کو حق بجانب سمجھتی تھی' روز بروز یہ یقین بھی پختہ ہو گیا تھا کہ اس کا بوجھ اتارنے کے لیے اس کے گھر والوں کو ایک کندھا چاہیے تھا جو محتشم کی صورت میں انہیں مل گیا تھا۔

''تمہاری وجہ سے میری زندگی بےرنگ اور برباد ہو چکی ہے' مگر ایسا کوئی لفظ زبان سے مت نکالنا جو میری بہن کی زندگی بھی درہم برہم کر دے' ورنہ دوسری سانس تک نہیں لینے دوں گا تمہیں''۔ ہر بار اس کے پرخچے ہوا میں اڑانے کے بعد وہ یہ تاکید کرنا نہیں بھولتا تھا' حالانکہ اس تاکید کی ضرورت نہیں تھی' وہ کس طرح اپنی وجہ سے اپنے بھائی اور ملیحہ کی خوش باش زندگی کو دھچکا پہنچا سکتی تھی' وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھی مگر محتشم پتہ نہیں کیوں اس کی طرف سے مشکوک رہتا تھا' یہاں آنے کے بعد حمیصہ کے پاس سیل فون جیسی کوئی چیز محتشم نے نہیں رہنے دی تھی' گھر میں لینڈ لائن کا دردِ سر بھی اس نے نہیں پالا تھا' اپنے اور محتشم کے گھر والوں سے اس کا رابطہ محتشم کے سیل فون پر ہی ہوتا تھا' جب وہ بات کر رہی ہوتی وہ اس کے سر پر ہی کھڑا رہتا' ایسے میں حلق سے آواز بھی نہیں نکلتی تھی۔

یہ سچ تھا کہ اس کا کرخت اور ہتک آمیز رویہ حمیصہ کو اس کے ڈر و خوف میں مبتلا کیے رکھتا تھا' گھر میں اس

کی موجودگی حمیصہ کے لئے قیامت ہوتی تھی' مگر ہر شام وہ اچھے لباس میں بال اور چہرہ سنوارے اس کا استقبال کرتی تھی' یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اس پر ایک نگاہِ غلط تک نہیں ڈالے گا' لاتعلقی اور بےگانگی کے باوجود جانے کیوں وہ اس کے لیے سنورنا چاہتی تھی' محتشم کے سامنے اسے اپنا آپ بہت پستی میں محسوس ہوتا تھا' وہ اس سچ سے بھی سامنا نہیں کر سکتی تھی کہ وہ اپنے دل میں اس کی محبت رکھتی ہے' یہ سچ وہ اس سے بھی چھپائے رکھنا چاہتی تھی مگر اپنے عمل سے اس محبت کو نہیں چھپا سکتی تھی۔ اس کے لباس سے لے کر جوتوں تک' سونے' جاگنے' کھانے پینے ہر چیز کا وہ خیال رکھتی تھی' اس کے گھر میں داخل ہوتے ہی وہ مستعد ہو جاتی تھی مگر پھر بھی کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں اسے محتشم کی طرف سے جھڑکیاں سننے کو نہ ملتیں' دل کی اذیت آنسوؤں کے ذریعے بھی کم کرنے کی اجازت نہیں تھی' ایک بار اسے روتے دیکھ کر وہ پورا گھر الٹ پلٹ کر گیا تھا' گھر کی ایک ایک چیز اٹھا کر پٹخ چکا تھا' پتھر کا بت بنی وہ اس کے جلال کو دیکھتی اور سہتی رہی تھی' اس کے بعد حمیصہ تنہائی میں بھی روتے ہوئے پہلے ہزار بار یقین کرتی کہ وہ اردگرد موجود تو نہیں۔

حمیصہ کو معلوم تھا کہ احتیاط کے باوجود وہ غلطیاں کر جاتی ہے مگر یہ بھی یقین تھا کہ محتشم جان بوجھ کر اسے اس کی خامیوں کا احساس دلاتا ہے' اس پر برسنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے' کبھی وہ خود وارڈروب سے کپڑے نکال کر بیڈ پر ڈال دیتا' حمیصہ کپڑے پریس کر دیتی تھی اور کبھی وہ حکم دیتا کہ فلاں رنگ کی شرٹ یا سوٹ نکال کر پریس کر دو' ایسے میں حمیصہ کی ہوائیاں اڑ جاتی تھیں' بتائے گئے رنگ کو پہچاننے میں ہی وہ اس کے خوف سے پسینے میں شرابور ہو جاتی تھی' یہ کام اس کے لیے آسان نہیں ہوتا تھا' سب سے زیادہ اسے سرخ اور سبز رنگ پہچاننے میں دشواری ہوتی تھی' مگر وہ پہچان بھی کیسے سکتی تھی' یہ دونوں رنگ اسے نظر نہیں آتے تھے' اس کی یہ کمزوری محتشم سے بھی چھپی نہیں تھی' مگر وہ پھر بھی ہتھے سے اکھڑتے ہوئے اس پر رحم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا تھا۔

کھانے کا وقت قریب آتا تو حقیقتاً اس کی جان سولی پر اٹکی رہتی تھی۔ ہلدی' مرچ اور دیگر رنگ دار مصالحوں کی مقدار سالن میں گڑبڑ کر کے چند بار کھری کھری وہ اس سے سن چکی تھی' اپنے گھر میں اس کی یہ خامی کبھی مسئلہ نہیں بنی تھی' کیونکہ وہاں اس کا اعتماد اس کی خامی پر حاوی ہو کر اسے کامیاب رکھتا تھا' مگر یہاں تو اعتماد کیا اپنی ذات کا اعتبار تک ختم ہو چکا تھا۔ ڈبوں پر مصالحوں کے نام لکھ کر وہ مزید ندامت سمیٹنے کے قابل نہیں تھی' اسے لگتا تھا کہ یہ چیز مزید محتشم کی حقارت میں اضافہ کرے گی' سونگھ سونگھ کر مصالحے استعمال کرتے ہوئے اسے لگ رہا تھا کہ اس کے سونگھنے کی حس بھی کمزور ہوتی جا رہی ہے۔

جو سچ وہ پہلے سے جانتی تھی محتشم اب کھلے لفظوں میں وہ سچ اسے باور کرواجایا کرتا تھا کہ وہ اپنی بہن کی وجہ سے اس سے شادی کے لیے تیار ہوا تھا' وہ جب جب یہ کہتا حمیصہ کو اپنے دل میں اس کے لیے ہمدردی بھی محسوس ہوتی تھی۔ اس کا بھائی محتشم کا ہم عمر ہی تھا' اپنی شادی کو مزید یادگار بنانے کے لیے وہ ملیحہ کے ساتھ ہنی مون ٹرپ پر روانہ ہو چکا تھا اور محتشم کس طرح اس کے ساتھ بےرنگ اور جلتی کڑھتی زندگی گزارنے پر مجبور تھا' وہ مستحق تھی اس سلوک کی جو محتشم نے اس کے ساتھ روا رکھا ہوا تھا۔ سب کچھ' سب سچ اپنی جگہ مگر اب وہ سوچنے لگی تھی کہ کب تک اس طرح زندگی گزرے گی؟ اس کے گرد خوف کا ہالہ بڑھتا جا رہا تھا' تنہائی سہتے اور زبان بند رکھتے ہوئے زبان میں زنگ لگ رہا تھا' اسے پتہ تھا عنقریب وہ ذہنی مریضہ بننے والی ہے' رنگوں کے اندھے پن کی اذیت کا شدید احساس اسے محتشم کے گھر میں آ کر ہوا تھا' مگر اسے معلوم تھا کہ یہ کمی تو صرف ایک بہانہ ہے' وہ مکمل ہوتی تو بھی محتشم کے دل میں کوئی جگہ نہیں بنا سکتی تھی'

ایک چیز حمیصہ کو حیران رکھتی تھی کہ وہ اس بات سے بے خبر نہیں رہتا تھا کہ گھر میں کس چیز کی ضرورت ہے یا کچن میں کیا چیز ختم ہوگئی ہے حمیصہ کے اندر ہمت ہوتی تو بھی اسے کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، ہر ہفتے وہ خود ہی کچن کا سامان لے آتا تھا، پھل، سبزیاں اور دیگر کھانے پینے کی اشیاء فریج میں موجود رہتی تھیں، حالانکہ وہ گھر میں صرف ایک وقت کا کھانا ہی کھاتا تھا، اس کے بعد وہ کوئی اضافی چیز چائے یا کافی کے علاوہ نہیں لیتا تھا، رہ گئی حمیصہ تو زندہ رہنے کے لیے اسے بھی اناج کی ضرورت تھی، اس کے علاوہ کسی چیز کی طرف نظر ڈالنا اس کے لیے ممکن ہی نہیں تھا، مگر محتشم کو اس کا یہ احتراز بھی بھڑکا دیتا تھا۔

"ہوا پر گزارا کرتے ہوئے تمہارا قصہ ختم ہونے والا ہوتا تو اب تک ختم ہو چکا ہوتا، یقین کرلو کہ اس گھر میں آنے والا رزق حلال ہے، سب کچھ ایسے ہی پڑے پڑے سڑ رہا ہے، تمہاری حالت دیکھ کر تمہارے گھر والے تو یہی سمجھیں گے کہ یہاں فاقے کر رہی ہو تم"۔ اسے چڑیوں کی طرح پلیٹ میں سے کھانا چگتے دیکھ کر وہ اپنا کھانا بھول کر گر جاتا تھا، نوالے نگلتے ہوئے وہ اسے بتانے کی جرات نہیں کر سکتی تھی کہ اس کی لائی گئی کوئی چیز حلق سے اترتی ہی نہیں ہے، اسے بھوک نہیں لگتی تھی، جتنی ذلت اسے مل رہی تھی وہ کبھی اس کا معدہ خالی نہیں ہونے دیتی تھی، مگر حکم کی تعمیل میں حمیصہ کو کھانے میں اس کا ساتھ دینا ہوتا تھا، وہ اس سے نفرت نہیں کرنا چاہتی تھی، نہ وہ اس کے سامنے سر اٹھانا چاہتی تھی، نہ ہی وہ یہ چاہتی تھی کہ اس کی بے رنگ آنکھیں محتشم کی زندگی کو ہمیشہ کے لیے رنگوں سے محروم کردیں، یہ ذلت آمیز دن رات اسے توڑ چکے تھے، وہ تھک چکی تھی اپنے گھر والوں سے یہ کہہ کہہ کر کہ وہ بہت خوش ہے، اس کے صبر کی حد گزر چکی تھی، گھبرا چکی تھی وہ ان اجنبی دیواروں سے جن کے باہر کی دنیا کو اب تک اس نے نہیں دیکھا تھا، وہ اس قید سے نکل کر کھلی ہوا میں سانس لینا چاہتی تھی، وہ اپنی نحوست سے محتشم کی زندگی کو نجات دینا چاہتی تھی، وہ اس کے سائے سے دور اس کے گھر اور شہر سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

وہ چھٹی کا دن تھا، اس کی موجودگی میں کمرے میں قدم رکھنا حمیصہ کے لیے محال تھا، مگر مستقل چیختے سیل فون کی آواز اسے کمرے تک کھینچ لائی تھی، وہ کمرے میں موجود نہیں تھا، عموماً چھٹی کے دن گھر سے کالز آتی تھیں، لہٰذا بغیر جھجکے اس نے کال ریسیو کرلی تھی، مگر دوسری جانب محتشم کا کوئی دوست تھا، حمیصہ نے اس سے کہا تھا کہ وہ محتشم کو بلاتی ہے مگر وہ تو اس سے ہی بات کرنے کے موڈ میں تھا، اس نے شکایت کی تھی کہ وہ اسے اور محتشم کو گھر پر انوائٹ کر چکا تھا مگر محتشم مستقل ٹالے جا رہا تھا، مزید وہ بتا رہا تھا کہ حمیصہ سے اس کی بیوی بھی ملنا چاہتی ہے۔ جواباً حمیصہ بس یہی کہہ سکی تھی کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ گھر آجائے"۔ بڑی فراخدلی سے وہ دعوت دے رہی تھی جب اس سے فون چھین لیا گیا تھا، اس کے جارحانہ تاثرات نے حمیصہ کی روح کھینچ لی تھی۔

"کس کی اجازت سے تم نے یہ کال ریسیو کی؟ بہت شوق ہے تمہیں غیر مردوں کو دعوت دے کر گھر بلانے کا"۔ اس کے خونخوار لہجے پر پہلی بار وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی اس کی نفرت میں مبتلا ہوئی تھی، اب تک اس کی عزت نفس کو وہ کچلتا رہا تھا مگر آج اس کے کردار پر بھی حملہ کر رہا تھا اور یہ وار ناقابل برداشت تھا۔

"یہاں تمہاری حکومت نہیں ہے کہ جو چاہو گی کرو گی، یہ میرا گھر ہے، یہاں میری مرضی کے خلاف جانے کی جرات بھی مت کرنا، اگر آئندہ میری اجازت کے بغیر تم نے فون کو ہاتھ لگایا تو ہاتھ توڑ دوں گا"۔ مشتعل لہجے میں وہ بولا تھا۔

"مجھ سے تعلق رکھنے والے یہاں ہر شخص سے میری بیوی کی حیثیت سے وہی عورت متعارف ہوگی جس سے میں دوسری شادی کروں گا، تمہیں اس گھر میں میری بیوی جیسی کوئی حیثیت نہیں مل سکتی، سمجھیں تم...... اب دور ہو جاؤ میری نظروں سے"۔ غصیلی نظروں سے اس کے زرد چہرے کو دیکھتا وہ خود ہی اس کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

"میں چاہتی ہوں آپ اس عورت سے شادی کریں جو اس گھر میں آپ کی بیوی کی حیثیت سے رہنے کی اہل ہے، جو آپ کے قابل ہے"۔ اس کی سرد آواز پر وہ آنکھوں میں حیرانی لیے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا، یہ پہلا موقع تھا جس میں وہ ڈر کے بغیر اتنی بات کر گئی تھی۔

"میں اپنے گھر والوں سے خود بات کروں گی، میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ ملیحہ کی زندگی پر میں کوئی آنچ نہیں آنے دوں گی، ویسے بھی آپ میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کر رہے، میں خود آپ سے طلاق مانگ رہی ہوں، ابھی اور اسی وقت"۔ سرد نظروں سے وہ اسے دیکھ رہی تھی جو قریب آیا تھا۔

"کیا چاہیے تمہیں ابھی اور اسی وقت؟ دوبارہ کہو"۔ وہ سرخ چہرے کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔

"طلاق چاہیے"۔ وہ بے خوفی سے دوہرا رہی تھی جب بھرپور تھپڑ اس کے چہرے سے ٹکرایا تھا، یہ کسر بھی کبھی نہ کبھی پوری ہونی تھی، اسے کوئی صدمہ نہیں ہوا تھا۔

"مجھ سے طلاق کا مطالبہ کرتے ہوئے شرم نہیں آئی تمہیں؟" وہ اس پر دھاڑا تھا جو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔

"جسے آپ کوئی حیثیت نہیں دے سکتے، اسے اپنے گھر میں، اپنے کمرے میں رکھتے ہوئے جب آپ کو شرم نہیں آتی تو میں کیوں شرم یاد رکھوں"۔ شدید اذیت سے چیختے ہوئے اس کی آنکھوں سے سیلاب رواں ہوا تھا۔

"نہیں رہ سکتی میں اس دوزخ میں جہاں میری روح تک کو پامال کیا جاتا ہے، میرے اندر نقص ہیں تو نکال پھینکیں مجھے اپنی زندگی سے، یہاں میرے لیے ذلت اور حقارت کے علاوہ کچھ نہیں ہے، نہ دن کی روشنی میں نہ رات کی تاریکی میں، میں اگر ایک دن بھی اب اور یہاں رُکی تو خود اس ذلت بھری زندگی سے نجات حاصل کرلوں گی۔ اس گھر میں آپ مجھے بیوی کی حیثیت نہیں دے سکتے تو پھر کیا سوچ کر یہاں لائے تھے؟ کیا ہوں میں آپ کے لیے؟ مجھے بازار سے خرید کر لائے ہیں یا سڑک سے؟ کیوں اپنا منہ کالا کر رہے ہیں میرے ساتھ"۔ حلق کے بل چیختی وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا گئی تھی، دوسری جانب وہ شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھتا کمرے سے ہی نہیں گھر سے بھی نکل گیا تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ اس نے یہ سب ٹھیک کیا یا غلط، خاموش رہ کر اس کی زندگی یہاں بدتر سے بدتر تو ہو سکتی تھی مگر بہتر نہیں، اگر وہ اسے عزت نہیں دے سکتا تھا تو بے عزت کرنے کا حق بھی نہیں رکھتا تھا۔

رات گئے وہ گھر میں داخل ہوا تھا، پہلی نظر اس پر ہی گئی تھی، سوجی سرخ آنکھوں اور ستے چہرے کے ساتھ وہ لاؤنج میں ہی صوفے پر بیٹھی تھی، اس کے قریب ہی بیگ رکھا تھا، وہ یہاں سے جانے کی ساری تیاری مکمل کر کے بیٹھی تھی۔ محتشم کے لیے یہ جاننا مشکل تھا کہ اس کے منہ میں زبان آخر کہاں سے آئی ہے؟ وہ جو اس کے سامنے نظر نہیں اٹھا سکتی تھی، کس طرح اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی جرات کر چکی تھی، پہلی بار وہ اس کے سامنے گنگ ہوا تھا۔

نظر اٹھا کر بھی حمیصہ نے اسے نہیں دیکھا تھا جو ناگوار نظروں سے اسے دیکھتا کچھ فاصلے پر آ رُکا تھا۔

"کیا چاہتی ہو تم؟"

"مجھے اپنے گھر جانا ہے"۔ اس کی جانب دیکھے بغیر وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔

"ٹھیک ہے میں کل صبح تمہیں تمہارے گھر تک لے جاؤں گا، مگر وہاں تم ایسی کوئی بکواس نہیں کرو گی جو میرے سامنے کر چکی ہو"۔ سخت لہجے میں وہ اسے تاکید کرتا سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

صبح کے انتظار میں ساری رات اس نے لاؤنج میں ہی گزاری تھی، صبح حمیصہ کو دوبارہ اسے یاد نہیں دلانا پڑا تھا، خطرناک سنجیدگی اور خاموشی کے ساتھ وہ اسے اس کے گھر لے جانے کے لیے تیار تھا۔

سفر چند گھنٹوں کا تھا مگر تھکن کا بہانہ کرتی وہ محتشم کو

اپنے گھر والوں کے درمیان چھوڑتی وہاں سے اٹھ گئی تھی، محتشم ایک اچھا اداکار ہوسکتا تھا مگر اسے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا نہیں آتا تھا۔ وہ کب واپس گیا اسے نہیں معلوم تھا، ہر طرف سے لاتعلق وہ سر سے پیر تک چادر تانے بظاہر سوتی رہی تھی۔

گھر آئے اسے تین دن گزرے تھے جب محتشم کی طرف سے اسے ایک پارسل موصول ہوا تھا، جس میں ایک سیل فون، رابطے کا ایک ذریعہ تھا، اب کہنے سننے کے لیے کچھ نہیں رہ گیا تھا، اسے چھٹکارا دینے کے لیے ہی تو وہ یہاں آئی تھی، اب آگے کیا کرنا تھا یہ سوچ سوچ کر اس کی نیندیں اڑی ہوئی تھیں، وہ کسی قیمت پر واپس نہیں جانا چاہتی تھی، مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجائے رکھنے کے باوجود اندرونی خلفشار چھپا نہیں رہ سکا تھا، وہ موسم کے اثرات کا بہانہ کب تک کرسکتی تھی، اس کی گرتی صحت نے سب کو چونکا دیا تھا، مگر اس کے لیے تو سارے راستے بند ہوچکے تھے۔ قدرت کو جانے کیا منظور تھا، اس شخص کی اولاد کو جنم دے کر آخر وہ کس طرح اس سے تعلق توڑنے کی مہم شروع کرے گی؟ یہ خبر محتشم تک پہنچی یا نہیں اسے نہیں معلوم تھا مگر وہ اب بھی اس کی آواز بھی نہیں سننا چاہتی تھی۔

پندرہ رمضان اپنے گھر میں گزارنے کے بعد اسے بقیہ رمضان اپنے سسرال میں گزارنے تھے، ناچاہتے ہوئے بھی وہ وہاں جانے پر مجبور ہوئی تھی۔ محتشم کے گھر والوں کے درمیان رہتے ہوئے پہلی بار اسے احساس ہوا تھا کہ اس کی بھی کوئی عزت اور اہمیت ہے، ہر طرف سے اسے پیار اور پذیرائی ملی تھی، یہاں وہ ایک کونے میں پڑی گلی سڑی بیکار شے نہیں تھی۔

رمضان کے آخری دنوں میں عبادتوں کے ساتھ ساتھ عید کی تیاریاں بھی عروج پر پہنچ گئی تھیں، ملیحہ کی عیدی لے کر سب کے ساتھ وہ بھی اپنے گھر آئی تھی، اسے عجیب سا لگا تھا جب اس کے گھر سے بھی سب عیدی لے کر آئے تھے، اپنے اندر سناٹے چھپائے وہ ہر آنے والے دن کا خیر مقدم کرتی رہی تھی۔

آج چاند رات متوقع تھی یا نہیں مگر محتشم کی آمد ہوگئی تھی، افطار کے وقت اس نے حمیصہ کو بغور دیکھا تھا، جو بالکل اسے نظر انداز کر رہی تھی، اس کی آمد حمیصہ کو کتنی ناگوار گزری تھی اس کی پیشانی پر پڑتے بل سے وہ اندازہ لگا سکتا تھا۔

☆

کمرے میں داخل ہوتی وہ ایک پل کو ٹھٹک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی جو گلاس ونڈو کے پاس موجود تھا اور شاید رات کے اس وقت اس کا ہی منتظر تھا، جسے یقین تھا کہ وہ اس وقت تو بیدار نہیں بیٹھا ہوگا، وہ اپنی جگہ پر ہی موجود رہا تھا مگر اس کی جانب متوجہ ہوچکا تھا، جو بیڈ کی جانب بڑھتی اس لباس اور دیگر لوازمات کو دیکھ رہی تھی جو بیڈ پر ہی رکھے تھے۔

''میرے ساتھ یہ تمہاری پہلی عید ہے، ہوسکتا ہے میری چوائس تمہیں پسند نہ آئے مگر میں یہ سب تمہارے لیے لایا ہوں''۔ محتشم کی آواز اسے سنائی دی تھی۔

''میری پسند ناپسند کی کوئی اہمیت نہیں، میرے لیے سب کچھ ایک جیسا ہے، ہر رنگ بے رنگ ہے، مجھے ان سب کی ضرورت نہیں تھی''۔ بیڈ پر رکھے لباس پر نظر جمائے وہ تلخ لہجے میں بولی تھی۔

''تمہیں میری دی گئی کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی، یہاں تک کہ میری بھی نہیں''۔ اس کے سرد لہجے پر حمیصہ نے پلٹ کر ایک نگاہ بھی اس پر نہیں ڈالی تھی۔

''میرے لیے تمہاری نفرت اس حد تک جاچکی ہے کہ تم نے مجھ سے اتنی اہم خبر چھپائی، ایسا کون سا دن تھا جس میں، میں نے تمہیں کالز نہ کی ہوں، مگر میں جانتا ہوں تم نہ میری آواز سننا چاہتی ہو نہ میرا چہرہ دیکھنا چاہتی ہو، ایسا نہیں تھا کہ میں صرف اپنی اولاد کے لیے تم سے رابطہ کرنا چاہتا تھا، میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا تھا جو ضروری تھیں جو مجھے بہت پہلے تم سے کرنی چاہیے تھیں''۔ اس کی پشت پر نظر جمائے وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

''شادی سے صرف دو دن پہلے مجھے کسی نامعلوم، انجان شخصیت کی طرف سے ایک خط ملا تھا، جس میں تمہارے بارے میں کچھ انکشافات کیے گئے تھے''۔ اس کی آواز سنتے ہوئے حمیصہ کی سانس رک گئی تھی۔

''اس میں لکھا تھا کہ تم کلر بلائنڈ ہو، یہ بھی کہ اس شادی کے لیے تم بالکل راضی نہیں ہو اور...... یہ بھی کہ تم مجھ سے نفرت کرتی ہو''۔

''یہ غلط ہے، یہ جملہ میں نے اس خط میں لکھا ہی نہیں تھا''۔ یکدم اس کی طرف پلٹتی وہ بولی تھی مگر اگلے ہی پل اسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

''تو میرا شک بالکل ٹھیک تھا، وہ خط مجھے تم نے ہی بھیجا تھا''۔ گہری سانس لے کر محتشم نے اس کے فق چہرے کو دیکھا تھا، جو نظر نہیں ملا رہی تھی، وہ اب تک یہی سمجھتی رہی تھی کہ اس کا پوسٹ کیا گیا خط محتشم تک پہنچا ہی نہیں تھا۔

''وہ خط ملنے سے پہلے اڑتی اڑتی خبر مجھ تک پہنچی تھی کہ تمہیں اس شادی پر اعتراض ہے، اس خط نے رہی سہی کسر بھی پوری کردی، اب مجھے بتاؤ کہ میں کس طرح تمہارے ساتھ ایک خوشگوار زندگی کی ابتدا کرسکتا تھا، عین وقت پر میں اس شادی سے انکار بھی نہیں کرسکتا تھا، میری بہن اگر رخصت ہوکر تمہارے گھر نہ جارہی ہوتی تو بھی میں انکار نہیں کرسکتا تھا کہ دو خاندانوں کی عزت کا معاملہ تھا''۔ اس کے خاموش ہونے پر حمیصہ نے اسے دیکھا تھا، گلاس ونڈو سے پشت لگائے، سینے پر بازو باندھے وہ جواب طلب نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''جس وقت میں نے آپ کو خط لکھا تھا، اس وقت تک میں نے آپ کو دیکھا بھی نہیں تھا، میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے گھر والوں کے مطالبے پر آپ ملیحہ کے لیے مجھے قبول کرنے کی قربانی دیں، مجبور ہوجائیں مجھے اپنانے کے لیے......''

''تمہیں کس نے کہا کہ میں مجبور تھا؟ کس میں اتنی طاقت تھی کہ تمہیں مجھ پر مسلط کرتا؟'' وہ درمیان میں بول اٹھا تھا۔

''تم کیا ہمیشہ سے ہی اپنے آپ میں اتنی مگن رہی ہو کہ معاملات کو جانچنے کی فرصت نہیں تمہارے پاس؟ تمہارے گھر والوں نے کوئی مطالبہ نہیں بلکہ اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا، انہوں نے کہا تھا کہ میرے انکار یا اقرار سے ملیحہ اور تمہارے بھائی کے رشتے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیا تمہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ ملیحہ تمہیں پہلے ہی میرے لیے پسند کرچکی تھی؟ آخر تم کس دنیا میں رہتی ہو؟ ہمیشہ کیا اپنی ہی نظر سے دنیا کو دیکھتی ہو؟'' حیران سوالیہ نظروں سے محتشم نے اسے دیکھا تھا جو بری طرح دنگ تھی۔

''جو خواہش تمہارے گھر والوں کی تھی وہ میرے گھر والوں کی بھی تھی، اگر اس خواہش کا اظہار تمہارے گھر والوں کی طرف سے پہلے ہوگیا تھا تو اسے مطالبہ کیسے کہا جاسکتا ہے، نہ ہی انہوں نے کوئی گناہ کیا نہ تہذیب کے خلاف کوئی بات، آخری فیصلہ تو مجھے ہی کرنا تھا، مجھے تو آج تک یہ سمجھ نہیں آیا کہ تمہارے گھر والوں کو مجھ میں ایسا بھی کیا نظر آیا کہ میری بہن کی خواہش پر راضی ہو گئے''۔ وہ بولا تھا جبکہ حمیصہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''مجھے ساری زندگی اس بات کا افسوس رہے گا کہ غلط فہمی کی بنا پر میں نے اپنے اور تمہارے اتنے خوبصورت دن برباد کردیئے، جس طرح صبر سے تم میرے سلوک کو برداشت کرتی رہیں تھیں، میرا یقین پختہ ہوتا گیا تھا کہ تم اپنے بھائی کی وجہ سے مجبوراً میرے ساتھ گزارا کر رہی ہو، بالکل اسی طرح جس طرح تم مجھے مجبور سمجھتی رہی تھیں''۔ بغور محتشم نے اس کے چہرے کو دیکھا تھا جو آنسوؤں سے تر ہوتا جارہا تھا۔

''تم سے زیادہ قصوروار میں ہوں حمیصہ! مجھے اس بارے میں کھل کر تم سے بات کرنی چاہیے تھی، اگر میں ایسا کرلیتا تو اب تک ہم اس غلط فہمی میں نہ رہتے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے ناپسندیدہ ہیں، جبراً ایک دوسرے سے بندھے ہیں، مجھے ایک بار دل سے معاف کردینا، تمہارے مطالبے نے مجھے بہت سنگین دھچکا

پہنچایا تھا جو میرا ہاتھ اٹھ گیا تھا' ورنہ میں کبھی اس حد تک نہیں جاسکتا تھا''۔ وہ شرمندہ لہجے میں بولا تھا' دھندلائی نظروں سے وہ چند لمحوں تک اس کے پشیمان چہرے کو دیکھتی رہی تھی اور پھر دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی اس کی سمت گئی تھی' خاموشی سے پیشانی اس کے سینے سے لگاتے ہوئے اس نے آنسوؤں کو بہنے دیا تھا' کئی دن بعد اسے اپنا وجود بہت ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا' وہ یہی سکون حاصل کرنے کے لیے تو بے قرار تھی۔

گہری سانس لے کر محتشم نے اس کے ہاتھوں کی خشک ہوتی مہندی کی سوندھی مہک کو اپنے اندر اتارا تھا اور پھر اس کے لرزتے وجود کے گرد بانہوں کا حصار باندھا تھا۔

''اب کبھی یہ مت سوچنا کہ تم میرے قابل نہیں ہو تمہاری حیثیت میرے دل میں اور میرے گھر میں بہت بلند ہے' وہاں صرف تمہاری حکمرانی ہے' تم آدھی رات میں بھی اس گھر سے مجھے دھکے دے کر نکال سکتی ہو''۔ مسکراتی نظروں سے محتشم نے اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

''اب تم میری سبز رنگ کی شرٹ پر سرخ بٹن لگاؤ یا کوئی اور' مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا' کیونکہ میں تمہارا فرمانبردار شوہر بن چکا ہوں' تمہاری غیر موجودگی میں مجھے اچھے سے اچھے ریسٹورنٹ کا کھانا بھی بدذائقہ لگ رہا تھا' پتہ نہیں تمہاری طرح باقی سب آنکھیں بند کر کے کھانوں میں ہلدی پاؤڈر کی مقدار کیوں نہیں ڈالتے؟'' اس کے سنجیدہ لہجے پر حمیصہ نے اسے دیکھا تھا اور اگلے ہی پل شرمندہ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی تھی۔

''یہاں سے واپس جا کر میں جلد از جلد کسی اچھے آئی اسپیشلسٹ سے ملوں گا' مجھے یقین ہے تمہارے لیے کچھ آسانی ہو جائے گی' میری طرف سے تم بالکل مطمئن ہو جاؤ' مجھے تو ویسے بھی تمہاری آنکھیں بہت عزیز ہیں کیونکہ ان آنکھوں میں ہی مجھے محبت کے سارے رنگ نظر آتے ہیں''۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ گہرے لہجے میں بولا تھا۔

''اس دنیا میں کوئی انسان مکمل اور خامیوں سے پاک نہیں ہے' کمی مجھ میں بھی ہے کہ میرے پاس تمہارے جیسا خوبصورت دل نہیں ہے' اب تم میری آنکھوں سے ہر رنگ دیکھو گی''۔ وہ بولا تھا اور پھر اسے ساتھ لئے بیڈ کی سمت آیا تھا۔

''یہ لباس سبز رنگ کا ہے اور چوڑیاں جو تم دیکھ رہی ہو یہ سبز بھی ہیں اور سرخ بھی''۔ مسکراتے ہوئے حمیصہ نے اسے دیکھا تھا جو سنجیدگی سے سب چیزوں کے رنگ اسے بتا رہا تھا۔

''میں جانتا ہوں اس وقت تمہیں شدید کوفت ہو رہی ہوگی مگر میں کیا کروں؟ سرخ اور سبز رنگ میرے فیورٹ ہیں' کل عید کے دن میں تمہیں ان دو رنگوں میں ہی دیکھنا چاہتا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ ان رنگوں میں تم مجھے اور بھی زیادہ خوبصورت نظر آؤ گی''۔ اس کی گہری مسکراتی نظروں پر وہ جھینپی مسکراہٹ کے ساتھ بلش کر گئی تھی۔

کمرے میں حبس کا نام و نشان باقی نہیں رہا تھا مگر پھر بھی اس نے کھڑکی کھول کر ستاروں سے سجے آسمان کا جائزہ لیا تھا' چاند اپنے آنے کی خبر دے کر' جانے کہاں چھپ چکا تھا مگر اپنی ایک جھلک دکھا کر اس رات کو چاند رات کا درجہ دے گیا تھا۔

''کچھ بھی تو نہیں بدلا' ہمیشہ کی طرح یہ چاند رات بھی بہت خوبصورت ہے' یقیناً پہلے سے بھی زیادہ''۔ چہرے کو چھو کر گزرنے والی مدھم ہواؤں میں مسکراتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

اس کی آنکھیں بے رنگ تھیں بھی تو اب نہیں رہی تھیں' کیونکہ اب ایک شخص ہے اس کی زندگی میں رنگ بکھیرنے کے لیے جو اس کی آنکھوں میں محبت کے ساتوں رنگ دیکھ سکتا ہے' اس عید کے سارے خوشنما رنگ اب ہمیشہ اس کی زندگی میں قائم رہنے والے ہیں' اسے یقین تھا۔



سباس گل

آخری قسط

سلسلے وار ناول

اعتبارِ عشق

''عینی! معاف کر دینے سے محبت تو مل گئی نا مجھے میری عینی! تم مجھے مل گئیں اور تہمت کس پر نہیں لگی جانو...... کہ ہم شبنم اور ابرِ نسیاں کی طرح صاف اور شفاف بھی ہوں تب بھی تہمت سے نہیں بچ سکتے۔ کیا یہ بڑی بات نہیں ہے کہ ہم



تہمت لگانے والوں میں سے نہیں ہیں''۔ نفیس نے اس کے رخسار پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر محبت سے کہا۔

''آپ صحیح کہہ رہے ہیں' انسان کا اگر ہر عمل نیک ہوتا اور اس سے کبھی کوئی غلطی یا گناہ سرزد نہ ہوتا تو وہ تو اسی غرور اور تکبر میں مارا جاتا' خود اپنی تباہی اور بربادی کا سامان کر بیٹھتا''۔ عینی نے سنجیدگی سے کہا۔

''عینی! وہ کہاں ہے؟'' نفیس کا اشارہ اپنے بچے کی طرف تھا' عینی کو سمجھنے میں ایک سیکنڈ بھی نہ لگا اور وہ اس وقت کو یاد کر کے بھرائی آواز میں بولی۔

''آپ کے خیال میں اسے کہاں ہونا چاہیے؟''

''نہیں عینی پلیز! مجھے کوئی بری خبر مت سنانا' میرے دل کی بنیادیں تو پہلے ہی ہل چکی ہیں اب اس دل میں کوئی تکلیف سہنے کی سکت نہیں رہی' میں تو پہلے ہی بہت سزا جھیل چکا ہوں''۔ نفیس نے بے قراری سے کہا اور دل تھام کر صوفے پر بیٹھ گئے۔

''کیا سزا صرف آپ نے جھیلی ہے' میں بھی تو اسی درد سے گزری ہوں' کتنا تکلیف دہ تھا وہ مرحلہ اور آپ نہیں تھے میرے پاس' زندگی اور موت کی جنگ میں زندگی نظروں سے اوجھل ہونے لگے تو دل کی کیا حالت ہوتی ہے جانتے ہیں نفیس''۔ عینی نے بھیگتی آواز میں کہا۔

''مجھ سے بہتر اور کون جانے گا؟'' نفیس نے گہرے لہجے میں کہا تو عینی کا دل تڑپ گیا۔ وہ بھی تو اس کی جدائی میں موت کے قریب سے ہو کر آئے تھے انہیں دل کا دورہ پڑا تھا' سزا انہیں بھی بہت ملی بنا کسی قصور کے اور وہ انہی کو سوال و جواب کے کٹہرے میں کھڑا کیے مزید اذیت پہنچا رہی تھی۔ اسے اپنی اس بے حسی پر شدید غصہ آیا تو وہ ان کے سامنے نیچے کارپٹ پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور ان کے بازو تھام لیے۔

''نفیس! مجھے معاف کر دیں' میں آپ کو دکھ پہنچا رہی ہوں نا' بھلا اس سارے قصے میں آپ کا کیا قصور ہے' آپ تو خود اس دکھ سے گزرے ہیں میرے ساتھ''۔ عینی نے ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بھیگتی آواز میں کہا تو انہوں نے اس کے ہاتھ چوم لیے۔

''عینی! مجھے بتاؤ جانی...... تم یہاں کیسے آئیں' یہ عباس صاحب کون ہیں؟''

''عباس انکل' میڈم خدیجہ کے بھائی ہیں اور یہ ایجنسی انہی کی ہے' میں اسی روز یہاں پہنچ گئی تھی''۔ عینی نے بتایا تو انہوں نے بہت حیرانگی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''لیکن میڈم خدیجہ دو بار مجھ سے ملنے ہاسپٹل آئی تھیں' میں نے ان سے کہا تھا کہ تمہاری کوئی خبر ہو تو مجھے ضرور بتائیں' انہوں نے کیوں نہیں بتایا؟''

''میں نے ہی انہیں منع کیا تھا' میں گھر سے نکالے جانے کے بعد میڈم خدیجہ کے گھر گئی تھی' ان کی بیٹی نشا جو میری دوست بھی ہے وہ شام کی فلائٹ سے یہاں آ رہی تھی اور میڈم خدیجہ بھی' لیکن میری روداد سننے کے بعد انہوں نے مجھے نشا کے ساتھ عباس انکل کے گھر بھیج دیا' تب سے اب تک میں یہیں ہوں۔ عباس انکل' عظمیٰ آنٹی' رمشا بھابی' حیدر بھائی' ان کے دونوں بچے سب بہت اچھے ہیں' سب نے میرا بہت خیال رکھا ہے' انہی کے اسکول میں جاب کر رہی ہوں میں''۔ عینی نے تفصیل سے بتایا۔

''اور جاب سے پہلے کیسے گزارہ کیا تم نے؟''

''آپ جو رقم مجھے ہر ماہ دیا کرتے تھے وہ میں خرچ نہیں کرتی تھی بلکہ اپنے ہینڈ بیگ میں جمع کرتی رہی تھی آتے وقت ہینڈ بیگ بھی میں ساتھ لے آئی تھی اور اب تک اسی رقم سے کام چل رہا ہے' اللہ کا شکر کہ کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانے پڑے''۔

''تم کو میری حالت کی خبر ہو گئی تھی' پھر پھول کیوں بھیجتی رہیں' تم خود کیوں نہیں آئیں؟'' نفیس نے اس کے تراشیدہ بالوں کو نرمی سے پیچھے کرتے ہوئے پوچھا۔

''خود کیسے آتی؟'' اس نے پُرنم آواز میں کہا۔

''آپ کی حالت کا سن کر تو میری اپنی حالت مزید بگڑ گئی تھی' مجھے عباس انکل اور عظمیٰ آنٹی فوراً اسپتال لے گئے تھے' ڈاکٹرز تو میری زندگی سے مایوس ہو چکے تھے' ہم دونوں کی زندگی خطرے میں تھی' بچے کو یا مجھے کسی ایک کو بچایا جا سکتا تھا لیکن اللہ نے میرے پیاروں کی دعائیں قبول کر لیں اور میں ایک نئی زندگی کو جنم دے کر خود بھی زندگی کی طرف لوٹ آئی۔ زین ماشاءاللہ بہت صحت مند اور ایکٹو ہے''۔

''زین......'' نفیس کے پورے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی' بے تابی سے بولے۔

''میں نے اپنے بیٹے کا نام ''زین احمد'' رکھا ہے''۔

''عینی! ہمارا بیٹا...... ہوا ہے ہمارا بچہ زندہ ہے''۔ نفیس خوشی سے رو پڑے۔

''الحمدللہ ہمارا بیٹا زندہ سلامت ہے' بہت سمجھدار ہے اور آپ کی شکل لے کر پیدا ہوا ہے' زین پیارا نام ہے نا نفیس؟'' عینی نے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

''بہت پیارا نام ہے' قرۃ العین کا بیٹا ''زین'' کہاں ہے ہمارا بیٹا؟''

نفیس نے اسے بے تحاشا پیار کیا' اس کے سارے آنسو اپنے ہاتھوں میں جذب کر لیے۔

''میرا اللہ تعالیٰ پر ایمان اور بھی مضبوط ہو گیا ہے اس واقعے کے بعد' اب آپ مجھے مل گئے ہیں' جیسے مجھے ساری کائنات کی خوشیاں مل گئی ہیں' آئیں میں آپ کو زین کے پاس لے چلوں''۔ عینی نے ہونٹوں پر بھیگا بھیگا تبسم سجا کر کہا اور ان کو اپنے بیڈ روم میں لے آئی جہاں ڈبل بیڈ کے درمیان گول مٹول صحت مند سرخ و سفید تقریباً تین ماہ کا زین لیٹا ہوا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ ہلکے گلابی اونی سوٹ میں وہ بہت پیارا لگ رہا تھا۔ نفیس نے اسے دیکھا تو ان کے دل میں محبت اور شفقت کے خزانے پھوٹ پڑے۔ وہ محبت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئے اور اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا' زین نے انہیں دیکھا تو اس کے معصوم گلابی لبوں پر مسکراہٹ سج گئی۔

''زین! میرا بیٹا میری جان میرا خون''۔ نفیس نے زین کے گال اور ماتھا چوم کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور بے اختیار رو پڑے۔

''یا اللہ یا پروردگار! تیرا میں کس زبان سے شکر ادا کروں' تو نے مجھے اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے مالا مال کر دیا ہے' تیرا کرم ہے احسان ہے پروردگار تیرا شکر میں جتنا بھی ادا کروں وہ کم ہے''۔ نفیس' زین کو دیکھتے اور روتے ہوئے بولے۔

''نفیس!'' عینی ان کے پاس بیٹھ گئی اور ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر انہیں پکارا۔

''میری جان عینی!'' نفیس نے اسے بھی اپنی آغوش میں سمیٹ لیا اور آنسوؤں اور محبتوں کے خزانے لٹا دیئے۔

''نفیس! آپ نے اس البم میں تین تصویروں کی جگہ خالی کیوں رہنے دی تھی؟'' عینی نے انہیں البم کا آخری صفحہ دکھاتے ہوئے پوچھا۔

''یہ جگہ میں نے اپنے پیارے بچے کے لیے خالی رہنے دی تھی' جیسی تصویر تمہارے ساتھ ہے میری ویسی ہی تصویر میں اپنے بیٹے کے ساتھ کھنچواؤں گا' ایک تصویر ہم دونوں اپنے بچے کے ساتھ بنوائیں گے اور ایک میں تم اپنے بچے کو گود میں لیے تصویر کھنچواؤ گی اور اس طرح ہمارا یہ پیارا فیملی البم مکمل ہو جائے گا''۔ نفیس نے اسے اپنے ساتھ لگا کر محبت بھرے لہجے میں بتایا۔

''میرا بھی یہی خیال تھا۔ ... زین تقریباً تین ماہ کا ہو رہا ہے''۔ عینی نے ان کے شانے

پر سر رکھ کر کہا۔
''زین سلامت ہے، ہم ایک دوسرے کو مل گئے ہیں تو میری جان! گزرے غموں کو بھلا دو اور میرے ساتھ چلو' تم کہو گی تو میں تمہیں علیحدہ گھر لے کر دے دوں گا' تم وہاں رہنا زین کے ساتھ میرے ساتھ''۔ انہوں نے پیار سے اس کے بال چھیڑتے ہوئے کہا تو اس نے سر اٹھا کر ان کے چہرے کو دیکھا اور ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔
''نہیں نفیس! میں آپ کو دو گھروں میں تقسیم نہیں کرنا چاہتی' آپ کو الجھن اور پریشانی میں نہیں ڈالنا چاہتی' میں وہیں رہوں گی جہاں آپ مجھے پہلی بار دلہن بنا کر لے گئے تھے' میں نے کنول آپا کو معاف کر دیا ہے اور میں آپ کے ساتھ ''نفیس ولا'' جانے کے لئے تیار ہوں' ان اچھے لمحوں کے طفیل جو میں نے آپ کے ساتھ اُس گھر میں گزارے تھے''۔
''عینی! یو آر ریئلی گریٹ' تھینک یو ویری مچ''۔ نفیس نے اسے خوشی سے چوم لیا۔ اس کے ہونٹوں پر شرمیلی اور پرسکون ''مسکان'' سج گئی۔



''ندا' ردا' ثوبیہ بھابی' نعیم' ثانیہ' فہیم بیٹا' پھپھو جان...... دیکھئے تو کون آیا ہے؟'' نفیس' زین کو گود میں اٹھائے اور عینی کا ہاتھ تھامے ''عظیم ہاؤس'' میں داخل ہوتے ہی سب کو با آواز بلند پکار رہے تھے۔
''کون آیا ہے؟ ارے عینی میری بہن...... امی جان! عینی آئی ہے''۔ نعیم بھائی نے باہر نکل کر عینی کو دیکھتے ہی شور مچا دیا اور عینی کو گڑیا کی طرح اٹھا کر اندر لے گئے۔ سب کی خوشی دیدنی تھی' سب ہی عینی سے مل کر خوشی سے اسے چوم رہے تھے' رو رہے تھے اور جب نفیس نے زین کا ان سے تعارف کرایا تو خوشی سے سب کی چیخیں نکل گئیں۔ سمیرہ بیگم تو فوراً شکرانے کے نفل ادا کرنے چل دیں۔ ندا' ردا' صبا سبھی میکے میں موجود تھیں خوب رونق لگ گئی تھی۔
عینی سے ساری کہانی سنی گئی۔ سمیرہ بیگم نے عینی' زین اور نفیس کا صدقہ اتارا۔ نفیس نے شوکت کو پہلے ہی فون کر کے دو کالے بکرے لانے کا کہہ دیا تھا۔ کالے بکرے ''عظیم ہاؤس'' لائے گئے۔ زین' عینی اور نفیس نے ہاتھ لگائے اور بکروں کا صدقہ کر دیا گیا۔ کنول کو بھی وہ فون پر اطلاع کر چکے تھے اور وہ عینی کو ''نفیس ولا'' میں ہی خوش آمدید کہنے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔



صبح سے شام ہو گئی تھی ''عظیم ہاؤس'' میں آج خوشیوں کی بارات آئی ہوئی تھی۔ عینی نے نفیس اور سمیرہ بیگم کے کہنے پر اپنا شادی کا جوڑا پہنا تھا۔ میک اپ' جیولری' گجرے' چوڑیاں' پرفیوم کا استعمال کرنے سے آج وہ پھر سے دلہن بن گئی تھی۔ صبح سے اب تک اس کی' زین اور نفیس کی ڈھیروں تصاویر کھینچی جا چکی تھیں' سب کے ساتھ گروپ فوٹو بھی بنائے گئے۔
''چلو بھئی چلو اب میری دلہن کی جان چھوڑو' ہمیں اپنے گھر بھی جانا ہے وہاں بھی ان کا بہت بے تابی سے انتظار ہو رہا ہے''۔ نفیس نے گھڑی کو شام کے ساڑھے چھ بجاتے دیکھا تو صبا' ندا' ردا اور ثوبیہ بھابی کے پاس آ کر کہا جو عینی کو اپنے درمیان بٹھائے گپوں میں مصروف تھیں۔
''نہیں دولہا بھائی! آج عینی یہیں رہے گی''۔ ان سب نے ایک ساتھ کہا۔
''ہرگز نہیں' اسے ڈھونڈ کر میں لایا ہوں' اس گوہرِ نایاب کی تلاش میں شہر شہر کی خاک چھانتا پھرا ہوں اور قبضہ تم جما کر بیٹھ گئیں''۔ نفیس نے فوراً ہری جھنڈی دکھا دی' عینی شرمیلی ہنسی ہنس پڑی۔
''پلیز دولہا بھائی! نفیس بھائی' پیارے بھائی جان......'' سب نے خوشامدی لہجہ اختیار کیا۔ عینی ہنستی رہی اور نفیس نے ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔
''یار! رہنے دو عینی کو' یہاں سب موجود ہیں رونق رہے گی''۔ نعیم بھائی نے بھی سفارش کی۔

''نفیس بیٹا! رہنے دو نا عینی کو چند روز کے لئے''۔ سمیرہ بیگم نے بھی حصہ لیا۔
''لیجئے یہاں گھنٹے کے لیے صبر نہیں ہو رہا اور چند روزہ ظلم بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ نہیں پھپھو جان! آج تو ہم کسی کی نہیں سنیں گے سوائے اپنے دل کے' تین مہینے کی جدائی بہت سہہ لی' اب تو ہم اپنی دلہنیا کو ساتھ لے کر ہی گھر جائیں گے' آپ ہمیں اپنی دعاؤں میں رخصت کریں''۔ نفیس نے ان کے شانوں کو تھام کر مسکراتے ہوئے کہا' سب ان کی دیوانگی پر ہنس رہے تھے۔ سمیرہ بیگم داماد کی اپنی بیٹی سے یہ محبت دیکھ کر بہت خوش ہو رہی تھیں اور ان کے دائمی ساتھ اور خوشیوں کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔ وہ نفیس کے جذبات سمجھ سکتی تھیں اس لیے انہوں نے عینی کو روکنے پر اصرار نہیں کیا اور ان تینوں کو ایک بار پھر دعاؤں اور قرآن پاک کے سائے تلے رخصت کیا۔



''نفیس ولا'' میں جب ان کی گاڑی داخل ہوئی تو روشی اور شان ''ماما' ماما'' پکارتے خوشی سے دوڑے چلے آئے۔ کنول بھی بوکے لئے اس کے استقبال کے لئے باہر آ گئیں۔ وہ زین کو گود میں اٹھائے ہوئے تھی۔ نفیس نے بچوں کو پیار کیا اور پھر اس کی جانب آ کر گاڑی کا دروازہ کھول کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے شرارت سے بولے۔
''صرف زین کو اٹھاؤں یا تمہیں بھی ساتھ ہی''۔
''ہم دونوں کو ایک ساتھ اٹھائیں ابھی پتا چل جائے گا آپ کی بہادری کا''۔ عینی نے بھی شرمیلی مسکان لبوں پر سجا کر شرارت سے کہا کیونکہ اسے معلوم تھا وہ سب کی موجودگی میں یہ حرکت کر ہی نہیں سکتے۔
''یہ بات ہے۔ ہوں...... میں کسی سے نہیں شرماتا آخر کو تم میری بیوی ہو''۔ نفیس نے اس کی شرارت پر ہنس کر کہا اور جب زین کی بجائے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹا تو وہ بری طرح سٹپٹا گئی۔
''نفیس! نہیں پلیز''۔ عینی نے بہت منت اور محبت بھرے لہجے میں کہا تو وہ بے خود ہونے لگے' اس کی حالت پر انہیں رحم آ گیا اور ہنستے ہوئے اسے چھوڑ کر زین کو اٹھا لیا۔
''پاپا! بھائی ہمارا ہے ناں؟'' روشی اور شان بھاگ کر ان کے پاس آ گئے اور زین کو دیکھتے ہوئے خوشی سے بولے' زین سو رہا تھا۔
''جی بیٹا! بھائی آپ کا ہے' زین ہے اس کا نام''۔ نفیس نے پیار سے بتایا۔
''کتنا پیارا اور گول مٹول ہے''۔ روشی خوشی سے مسکراتے ہوئے بولی' وہ ہنس پڑے۔
''عینی! آؤ میری بہن میں تمہیں اس گھر میں تمہارے گھر میں تمہیں خوش آمدید کہتی ہوں''۔ کنول نے آ کر عینی کا ہاتھ پکڑ کر اور بوکے اسے دیتے ہوئے کہا۔
''شکریہ کنول آپا!'' اس نے بوکے لے کر کہا اور ان کے گلے سے لگ گئی۔
''عینی! مجھے معاف کر دو''۔ کنول نے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔
''آپا! میں نے آپ کو معاف کر دیا ہے جبھی تو آپ سے گلے ملی ہوں۔ آپ آج بھی اس گھر کی بڑی ہیں' مالک ہیں' پچھلی باتیں بھلا کر ہمیں پیار اور اعتبار کو اس رشتے کی بنیاد بنانا ہے تاکہ پھر کبھی اس گھر میں کوئی دل نہ ٹوٹے' کسی کو دکھ نہ پہنچے''۔ عینی نے ان کے ہاتھ تھام کر کہا۔
''خوش رہو عینی! تم بہت بڑے دل والی ہو''۔ کنول نے خوش ہو کر پُرنم آنکھوں سے اسے دیکھا اور پھر سے گلے لگا لیا۔
''عینی باجی! آپ آ گئیں' یہ منا تو بہت پیارا ہے''۔ آمنہ بھی خوشی سے اس کے پاس چلی آئی۔
''شکریہ' کیسی ہو آمنہ؟'' عینی نے اس کے رخسار چھو کر پیار سے پوچھا۔

”میں ٹھیک ہوں شکر ہے آپ مل گئیں“۔ آمنہ نے خوشی سے اس کے سجے سنورے سراپا کو دیکھتے ہوئے کہا۔
”آمنہ بیٹی! آپ کا خواب ہم نے پورا کر دکھایا ہے‘ آپ کی عینی باجی دلہن بن کر اس گھر میں آ گئی ہیں“۔ نفیس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”جی انکل! میں تو شکرانے کے نفل بھی پڑھوں گی عینی باجی کے آنے کی خوشی میں“۔ آمنہ نے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا۔
”بہت شکریہ آمنہ! میں تم سب کے لیے اسلام آباد سے تحفے لائی ہوں‘ گاڑی میں سے بیگ اندر لے آؤ اور چاچا آپ کا کیا حال ہے؟ زبیدہ بی بی! آپ کیسی ہیں؟“ عینی نے چلتے چلتے ان دونوں سے حال احوال پوچھا۔
”اللہ کا شکر ہے عینی بی بی! آپ کے آنے سے بہت خوش ہیں“۔ زبیدہ نے کہا۔
”اللہ آپ کو ہمیشہ شاد آباد رکھے‘ زین بیٹے کی خوشیاں دکھائے“۔
”آمین!“ عینی اور نفیس نے ایک ساتھ کہا۔
”لائیں زین کو مجھے دیں‘ ماشاءاللہ بہت پیارا بیٹا ہے اپنے پاپا کی شکل ہے یہ تو“۔ کنول نے زین کو نفیس کی بانہوں سے لیتے ہوئے کہا۔
”اندر چلو بچو! باہر سردی ہے کنول! زین کو اندر لے آؤ ٹھنڈ نہ لگ جائے ہمارے جگر گوشے کو“۔ نفیس نے کنول اور عینی کو اپنے دائیں بائیں بازوؤں کے حصار میں لے لیا اور اندر چلے آئے۔
عینی نے سب کو ان کے تحائف دیئے۔ کنول اس کی اعلیٰ ظرفی پر حیران تھیں اور دل سے اس کی خوبیوں کی قائل ہو گئی تھیں۔ ان کے دل میں اس کے لیے محبت اور عزت پیدا ہو گئی تھی اور کسی قسم کی کوئی جلن یا حسد اب ان کے دل میں نہیں تھا مگر وہ اپنے رویئے پر اس سے شرمندہ تھیں اور خود سے تو وہ شاید ساری زندگی ہی شرمندگی محسوس کرتی رہیں گی۔



”عینی! یہ دیکھو ہمارا فیملی البم مکمل ہو کر کتنا خوبصورت لگ رہا ہے“۔ رات کو جب وہ اپنے کمرے میں آئے تو انہوں نے اسے البم کھول کر دکھایا۔ اس میں ان دونوں کی زین کے ساتھ اور الگ الگ تصاویر آویزاں تھیں۔
”اتنی جلدی یہ تصاویر ڈویلپ بھی کروا لیں آپ نے“۔ وہ خوش ہو کر بولی۔
”ہے نا کوئیک سروس“۔ وہ مسکرائے۔
”جی وہ تو ہے‘ خدا نظر بد سے بچائے ہماری فیملی کو“۔ اس نے دل سے کہا۔
”آمین ثم آمین! اور......“
”اور کیا؟“ اس نے ان کے چہرے کو دیکھا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے وش کیا۔
”ہیپی برتھ ڈے ٹو یو...... ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ڈیئر عینی!“
”تھینک یو نفیس! آج میرا برتھ ڈے ہے آپ کو یاد تھا“۔ وہ خوشی اور حیرت سے مسکراتے ہوئے بولی۔ وہ اس کے ماتھے کے جھومر کو چھیڑتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولے۔
”بالکل یاد تھا لیکن میں نے کسی کو یاد اس لئے نہیں دلایا کیونکہ میں یہ خوشی صرف تمہارے ساتھ منانا چاہتا تھا۔ تم نے تو سب کو آج تحفے دیئے ہیں حالانکہ آج تحفے لینے کا دن تو تمہارا تھا“۔
”مجھے سب نے دعاؤں اور محبتوں کے جو تحفے دیئے ہیں وہ میرے لئے آج کے دن کا قیمتی اثاثہ ہیں“۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”لیکن مجھے تو تم نے کوئی تحفہ نہیں دیا“۔ نفیس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ رہا آپ کا تحفہ“۔ عینی نے بوکے میں سے سرخ گلاب نکال کر انہیں دیتے ہوئے کہا۔
”عینی جانو! آج اس سرخ گلاب سے بات نہیں بنے گی‘ ذرا اپنے سرخ گلاب سے ہونٹوں کو بھی زحمت دیجیے جن کی خوشبو کو ہم تین ماہ تک ترسے ہیں“۔ نفیس نے اسے اپنے قریب کرتے ہوئے شریر لہجے میں کہا۔
”تین مہینے میں بہت بگڑ گئے ہیں آپ“۔ وہ شرم سے مسکراتے ہوئے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی تو وہ ہنس پڑے اور پھر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے شرارت سے بولے۔
”اگر تم چاہتی ہو کہ میں مزید نہ بگڑوں تو فوراً سے پہلے مجھے ان تین مہینوں کا حساب دو بمعہ سود“۔
”ارے ارے ہٹیے آپ تو سچ مچ......“ وہ ان کی شوخ اور شریر جسارت پر بوکھلا گئی۔
”نفیس! آپ نے مجھے برتھ ڈے گفٹ نہیں دیا‘ پہلے وہ تو دیجیے“۔ عینی نے بہت پیار بھرے انداز میں کہا تو وہ بے خود ہو گئے اور اسے اپنے اندر سمیٹ لیا۔ اس کے یہ انداز ان کی دیوانگی میں اضافہ کر رہے تھے‘ ان کی روح کو سرشار کر رہے تھے‘ گزرے لمحوں کی جدائی کا ملال دھو رہے تھے‘ دل کو مسرتوں سے بھر رہے تھے‘ جسم کو لذت آشنا بنا رہے تھے‘ چہرے پر مسکراہٹیں کھلا رہے تھے۔
”نفیس کی جان! کہو کیا تحفہ لو گی میرے پیار کے علاوہ“۔ انہوں نے بہت محبت سے پوچھا تو اس نے ان کے دل پر ہاتھ رکھا اور ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے محبت اور چاہت سے لبریز لہجے میں بولی۔
”نفیس! مجھے آپ کے دل سے پیار ہے اور میں آپ کے دل کی صحت اور سلامتی کا تحفہ آپ سے مانگتی ہوں‘ میں اپنی زندگی کی آخری سالگرہ تک آپ کے دل کی دھڑکن سننا چاہتی ہوں‘ آپ کے دل کی صحت اور سلامتی چاہتی ہوں‘ مجھے اس دل کی خوشی اور سلامتی کے سوا اور کوئی تحفہ نہیں چاہیے آپ دیں گے ناں مجھے یہ تحفہ میری آخری سالگرہ تک؟“
”عینی!“ نفیس اس کی محبتوں اور چاہتوں پر نہال ہو گئے۔ اس نے ان سے بہت انوکھا تحفہ مانگا تھا۔ اس کے پیار کا اندازہ انہیں بہت شدت سے ہو رہا تھا اور وہ حیران تھے کہ عینی کا پیار تو عشق کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ ان کی خوشی ناقابل بیان تھی‘ انہوں نے عینی کو والہانہ انداز میں پیار کیا۔
”میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے اس تحفے کی عطا کی دعا مانگوں گا‘ مجھے یقین ہے کہ وہ پاک پروردگار! میری دعا ضرور قبول فرمائے گا“۔
”انشاءاللہ“۔ وہ خوش ہو کر بولی۔
”بہت حسین‘ بہت دلنشیں لگ رہی ہو‘ یہ ہیئر اسٹائل بھی خوب جچ رہا ہے تم پر‘ پہلی بار کنول میری دلہن بنی تھی اور تم تیسری بار میری دلہن بن کر میرے پاس آئی ہو۔ چار دلہنوں کی گنجائش تو اب باقی ہی نہیں رہی‘ تم نے باقی کی کمی اور کسر بھی پوری کر دی ہے“۔ وہ اس کے دلہن بنے روپ کو دیکھ کر وارفتگی سے دیکھتے ہوئے بولے۔
”اچھا تو آپ باقی دو بھی لانے کے چکر میں تھے“۔ اس نے کمر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
”میری توبہ میری گڑیا! میں تو تمہارے چکر سے ہی نہیں نکل پایا‘ تم نے مجھے بہت برا پھنسایا ہے“۔ وہ اس کے گرد اپنی بانہوں کا حلقہ تنگ کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولے تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور پھر شرارت سے بولی۔
”آپ ہیں ہی اسی لائق“۔
”ہیں......“ نفیس نے خوش ہو کر اسے اپنے پیار‘ اختیار کے حصار میں پور پور ڈبو دیا۔ اس کا گلاب بدن پتی پتی سیراب اور شاد ہو گیا۔ محبتوں کے رنگ ان کے چہرے کو ایک نیا نور عطا کر رہے تھے۔ جدائی کے بعد ملن رت کا اپنا ہی سحر تھا۔



سلمیٰ غزل

افسانہ

دیر آید درست آید

”نادیہ...... نادیہ کہاں ہو بھئی......؟“ اور نادیہ چڑ کر بھاگی جلدی سے اس نے چولہا آہستہ کیا۔

”نادیہ! تولیہ کہاں ہے باتھ روم میں نہیں ہے“۔ نادیہ نے جواب دیئے بغیر حمزہ کے کندھے پر پڑے تولئے کو اس



کے ہاتھ میں پکڑادیا‘ حمزہ کے چہرے پر ایک کھسیانی سی مسکراہٹ دوڑ گئی اور وہ دوڑ کر باتھ روم میں گھس گیا‘ آج صبح سے یہ چوتھا موقع تھا جب حمزہ نے اسے آواز دی تھی بے مقصد اور بے وجہ۔ اور معمولی سی بات پر اسے ڈانٹ رہا تھا‘ چائے دیتے وقت ساسر میں زرہ سی چائے چھلک گئی تھی؛ اس کی گھڑی نہیں مل رہی تھی اور سارا نزلہ نادیہ پر گر رہا تھا۔

”تم کبھی کوئی چیز جگہ پر نہیں رکھتیں‘ ہزار مرتبہ کہا ہے میری چیزوں کو ہاتھ مت لگایا کرو‘ صفائی کے چکر میں ہمیشہ چیزوں کو ادھر سے ادھر کر دیتی ہو‘ یقیناً گھڑی بھی اسی طرح کہیں سے کہیں پہنچی ہوگی“۔ نادیہ بوکھلا کر گھڑی ڈھونڈنے لگی اور جب حمزہ نے ٹائی باندھ کر والٹ لینے کے لئے سائیڈ دراز کھولا تو گھڑی والٹ کے نیچے رکھی تھی‘ نادیہ منتظر ہی رہی کہ شاید وہ اس موقع پر معذرت کرے گا لیکن شکریہ اور معذرت کا لفظ اس کی ڈکشنری میں نہیں تھا نادیہ کو سب سے زیادہ غصہ اسی بات پر آتا تھا کہ اپنی معمولی غلطی پر بھی وہ فوراً سوری کرلیا کرتی تھی لیکن حمزہ کی پوری پوری کوشش ہوتی تھی کہ اپنی غلطی کو بھی نادیہ پر تھوپ دے‘ اس نے کچن کی گھڑی پر نظر ڈالی‘ آٹھ بجنے میں پانچ منٹ تھے‘ حمزہ کو وقت کی پابندی کی سخت عادت تھی اور ڈبل روٹی اسے



قطعی پسند نہ تھی' نادیہ نے جلدی سے پراٹھا سینک کر رات کا سالن ڈونگے میں نکالا اور میز پر لا کر رکھا۔

"میرا جوس......؟" حمزہ نے منہ بنا کر خشک لہجے میں کہا۔

"اوہ سوری میں بھول گئی"۔ نادیہ نے فریج سے ٹن نکال کر گلاس میں جوس انڈیلا اور اس کے سامنے رکھ دیا۔

"ویسے آپ گھر داری پر دھیان دیں تو شاید ہم دونوں کی بہتری کا سبب بن سکے"۔

"کیا مطلب آپ کا میں گھر داری نہیں کرتی تو یہ سب کیا محلے والے کرتے ہیں"۔ نادیہ بھنا کر بولی۔

"جس طرح کرتی ہیں وہ میں ہی جانتا ہوں' ہر وقت آپ کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے اور ذہن کہانی کے تانے بانے میں الجھا ہوا' میری تو سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ آپ یہ ان پروڈکٹیو کام کرتی کیوں ہیں' محض وقت کا زیاں' فضول خرچی دماغ کی' یہ تو فالتو لوگوں کے کام ہیں شاعری کر لی ہونہہ' شاعری سے کسی کا کیا بھلا ہوتا ہے اور فالتو وقت ملا تو افسانہ نگاری"۔ حمزہ کو طنزیہ گفتگو کرنے میں ملکہ حاصل تھا اور جب اس کو غصہ آتا تو وہ تم سے آپ پر اتر آتا تھا۔

"شاعری اور افسانہ نگاری میرے یہ وہ شوق ہیں جو میں شادی سے پہلے بھی کرتی تھی"۔

"ہاں تو شادی کے بعد آپ نے جہاں اپنے ماں باپ' بہن بھائیوں کو چھوڑا وہیں اس شوق کو بھی چھوڑ آتیں"۔

"مگر آپ کو میرے لکھنے سے شکایت کیا ہے......؟" نادیہ' حمزہ کے سنجیدہ لہجے سے گھبرا گئی وہ ایسی ہی تھی زود رنج اور حساس آنسو تو جیسے ہر وقت پلکوں پر تیار رہتے تھے' شادی سے پہلے چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس کے آنسو بہانے پر ابا اکثر پیار سے کہتے تھے۔

"میری بیٹی کی آنکھوں میں سمندر ہے ہر وقت لہریں ٹھاٹیں مارتی رہتی ہیں"۔ یا پھر کبھی نصیحت کرنے لگتے تو کہتے۔

"بیٹا آنسو کمزوری کی نشانی ہیں اور میرا بیٹا کمزور نہیں بہادر ہے"۔ مگر وہ واقعی بہادر نہیں تھی کیونکہ گھر بھر میں چھوٹی ہونے کی وجہ سے سب بہن بھائیوں کی لاڈلی تھی پھر اپنی نرم دلی' خوش اخلاقی اور سادہ طبیعت کی وجہ سے پورے خاندان میں چاہی جاتی تھی' شادی سے پہلے تو حمزہ بھی اس کا دیوانہ تھا' پر پتہ نہیں اب کیا ہو گیا تھا اسے۔

"پھر کھو گئیں تصورات کی دنیا میں......؟" حمزہ کی آواز اسے واپس ماضی سے حال میں لے آئی۔

"آج انڈے میں آپ نمک ڈالنا بھول گئیں اور سالن میں مرچیں تیز ہیں"۔

"رات بھی آپ نے یہی سالن کھایا تھا"۔ نادیہ جل کر بولی۔

"ہاں تو غلطی ہو گئی اس وقت نہیں تو اب بتا دیا"۔

نادیہ نے غصے اور ندامت سے ہونٹ بھینچ لئے حمزہ کے چہرے پر کھیلتے ہوئے تمسخر کو وہ بغیر دیکھے ہی محسوس کر رہی تھی وہ بھی کیا کرتی رات بھر فیضان نے سونے نہیں دیا تھا' حمزہ نے تو یہ کہہ کر دوسرے کمرے کی راہ لی تھی۔

"مجھے صبح آفس جانا ہے اس کی ریں ریں سے میری نیند خراب ہوتی ہے"۔ صبح فجر کی نماز پڑھ کر جب وہ زرہ کمر ٹکانے کو لیٹی اور آنکھ لگ گئی اور اب جلدی جلدی میں ہر کام الٹا ہو رہا تھا' پھر بھی شکر تھا رات بھر جاگنے کے بعد اب فیضان سکون سے سو رہا تھا' حمزہ کے میز سے اٹھنے کے بعد نادیہ نے انڈا چکھا' انڈے میں نمک زرہ کم تھا' لیکن ایسا بھی کیا نمک چھڑک لیتا حمزہ' وہ روہانسی ہو گئی۔

"آخر حمزہ طنزیہ گفتگو کرنا کیوں نہیں چھوڑتے"۔ اسی لمحے اسے یاد آ گیا حمزہ بریف کیس میں فائلیں رکھ رہے تھے وہ جھجکتے ہوئے گویا ہوئی۔

"حمزہ! آپ سے ایک کام تھا میں خود کر لیتی' لیکن فیضان کی طبیعت کی وجہ سے اسے بازار نہیں لے جا سکتی"۔

"ایک تو تم بولتی بہت ہو' جلدی کہو کیا بات ہے"۔ وہ اکتا کر بولا۔

"میرے پاس فضول ٹائم نہیں ہے تمہاری بکواس سننے کا"۔

"وہ کل ایڈیٹر کا فون آیا تھا انہوں نے ناول کی آخری

اقساط فوراً مانگی ہیں اور میرے پاس کاغذ' بال پین اور لفافے سب ختم ہو گئے ہیں' کافی تو فیضان نے ضائع کر دیئے"۔

"تم یہ فضول کام چھوڑ نہیں سکتیں......؟" وہ غصے سے دھاڑا۔ نادیہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

"خدا کے لئے اب رونے مت بیٹھ جانا"۔ اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے التجا کی پھر نرمی سے بولا۔

"دیکھو! آج آفس میں ضروری میٹنگ ہے اور میں نے کچھ لوگوں کو رات کے کھانے پر بھی بلایا ہے' کیونکہ دو تین روز میں رمضان شروع ہو جائیں گے اور روزے میں تمہارے لئے پکانا مشکل ہو جائے گا' دو تین اچھی سی ڈشز بنا لینا مگر خدا کے لئے اپنا دھیان ناول سے زیادہ پکانے کی طرف رکھنا' مجھے خواہ مخواہ دوستوں کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے"۔ نادیہ کے کچھ کہنے سے پہلے وہ گاڑی میں بیٹھ کر جا چکا تھا' وہ کچن میں آئی تو اس کی بھوک مر چکی تھی' بھلا ایک دو دن پہلے حمزہ اسے بتا دیتا تو وہ ایک دو سالن بنا کر فریز کر لیتی' پھر فیضان کو بھی اچانک بخار ہو گیا' وہ ویسے ہی چڑچڑا ہو رہا تھا' وہ چائے کا کپ لے کر کمرے میں آ گئی' فیضان بے خبر سو رہا تھا' کمرے سے حمزہ کی چیزیں سمیٹتے ہوئے اسے ماضی کی کئی باتیں یاد آ گئیں۔

☆

وہ اپنے کالج کے میگزین کی ایڈیٹر تھی' جس میں اس کی غزلیں اور افسانے اکثر چھپتے رہتے تھے اور اس کے بابا اس کی سب سے زیادہ حوصلہ افزائی کرتے تھے' جب بھی کچھ لکھنے بیٹھتی امی ناراض ہونا شروع ہو جاتیں۔

"ارے شادی کے بعد یہ سب چیزیں کام نہیں آئیں گی' کچھ گھر داری سیکھ لو تا کہ شوہر قدر کرے' سسرال میں عزت ہو' صاحبزادی کالج سے آتی ہیں تو لکھنے بیٹھ جاتی ہیں' جیسے اسی سے تو پیٹ بھرے گا' کاغذ کھانا اور پین چبانا اور شوہر کو بھی یہی کھلانا"۔ ایسے میں بابا اس کی سائیڈ لیتے اور وہ امی کے گلے میں بانہیں ڈال کر انہیں پیار کرتی تو وہ ہنسنے لگتیں۔

پھر کالج کی طرف سے اس نے یونیورسٹی کی سطح پر ایک مشاعرے میں حصہ لیا اور اس کو جب اپنی غزل پر پہلا انعام ملا تو مبارکباد دینے والوں میں سب سے آگے حمزہ ہی تھا' نادیہ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو حمزہ کی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی' چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد اور کسرتی بدن' بلاشبہ وہ جاذب نظر تھا' ذہانت اس کی آنکھوں سے ٹپکتی تھی۔ پھر اکثر و بیشتر لاشعوری طور پر ان کی ملاقاتیں ہونے لگیں کیونکہ حمزہ کی بہن اس کی کلاس فیلو اور بہترین دوست تھی' اور جب بھی وہ کسی ادبی محفل میں شرکت کرنے جاتی حمزہ کی بہن ثانیہ اس کے ساتھ ہوتی' ثانیہ کو لینے شعوری طور پر حمزہ ہی آنے لگا تھا' جس پر ثانیہ اس کو خوب ہی چھیڑتی۔

"حمزہ بھائی کبھی مجھے لینے نہیں آئے ان کا ادب سے دور کا بھی واسطہ نہیں' ویسے وہ خود بہت باادب ہیں' لیکن میں جانتی ہوں وہ کس لئے مجھے لینے آتے ہیں"۔

وہ شرارت سے کہتی نادیہ جان کے انجان بن جاتی' گو دھڑکنیں تو اس کی بھی بے قابو ہونے لگتیں' بہت مرتبہ نادیہ کے منع کرنے پر بھی حمزہ اور ثانیہ نے اس کو گھر ڈراپ کیا جبکہ وہ لوگ ڈیفنس اور نادیہ ناظم آباد میں رہتی تھی' حمزہ کی جب بھی ملاقات ہوتی اس نے نادیہ سے یہی کہا کہ وہ اس کی شاعری اور لکھنے کی صلاحیت سے بے حد متاثر ہے' اس دوران نادیہ کا بی اے مکمل ہوا تو وہ اچھی خاصی ادبی دنیا میں جانی پہچانی ہو گئی تھی' مختلف اخباروں اور رسالوں میں اس کی تحاریر چھپنے لگی تھیں اور ابا کے اصرار پر وہ جرنلزم میں ماسٹرز کرنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ حمزہ کا رشتہ آ گیا' پڑھا لکھا ایک معقول فیملی سے اس کا تعلق تھا' امی کے آگے بابا کی ایک نہ چلی' خود نادیہ بھی دل کے ہاتھوں مجبور تھی جس کا جھکاؤ حمزہ کی طرف تھا' ویسے حمزہ نے وعدہ کیا تھا کہ نادیہ چاہے تو شادی کے بعد بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھ سکتی ہے' یوں اس کی شادی بغیر کسی رکاوٹ کے بڑی دھوم دھام سے ہو گئی' اس کو بے حد اچھا سسرال ملا ثانیہ تو اس کی دوست تھی ہی مگر ساس سسر بھی اس کی تحاریر کے عاشق تھے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے تھے' مگر اب خود نادیہ کے پاس وقت

نہیں تھا‘ اسی دوران فیضان ہوگیا اور نادیہ کی مصروفیات اور بڑھ گئیں کیونکہ نادیہ کی ساس نے یہ اصول بنایا ہوا تھا کہ جونہی پہلا پوتا پوتی ہوتا وہ بہو کو الگ کر دیتیں‘ حمزہ کے بڑے بھائی بیٹے ہونے کے بعد ہی الگ ہو گئے تھے اور اب حمزہ کا نمبر تھا‘ کیونکہ اس کی ساس کا کہنا تھا۔

”میں چاہتی ہوں دلوں میں فرق نہ آئے یہ محبتیں قائم رہیں‘ خدمت کرنے کا فرض بیٹے کا ہے‘ بہو کا نہیں اور الگ ہو کر بھی خدمت کی جاسکتی ہے اور پھر ہر لڑکی کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا اپنا گھر ہو جسے وہ اپنی مرضی سے سجا سکے‘ سنوار سکے‘ ہمارا وقت گزر چکا اب بچوں کا وقت ہے‘ اپنی مرضی سے جئیں اپنی مرضی کی زندگی گزاریں“۔ پھر حمزہ نے قریب ہی کرائے پر گھر لے لیا‘ جو چھوٹا تھا لیکن ان کی ضرورتوں کے لئے کافی تھا دوسرے بھائی بھی نزدیک ہی رہتے تھے اور نادیہ اپنی ساس کی فراست اور دانائی کی قائل ہوگئی‘ لیکن ساتھ ساتھ اس پر ذمہ داری کا بوجھ بھی بڑھ گیا‘ قلم کاغذ کا رشتہ کمزور پڑنے لگا‘ سب کچھ اچھا تھا اور بیٹا بھی سال کا ہوگیا تھا‘ مگر نادیہ کو زندگی میں خلاء سا محسوس ہونے لگا تھا‘ جیسے کچھ کھو گیا ہے پھر آتے جاتے ملنے ملانے والوں اور تانیہ نے بھی احساس دلانا شروع کر دیا۔

”تمہارے قلم کو کیا زنگ لگ گیا ہے اور ذہن کو گھن‘ کیوں لکھنا چھوڑ دیا کیوں اپنی صلاحیتوں کو چولہے ہانڈی کی نذر کر رہی ہو......؟“ ادھر مختلف جرائد جن میں وہ ریگولر لکھتی تھی ان کے بھی تقاضے شروع ہو گئے کچھ دل بھی ہمکنے لگا اور نادیہ نے دوبارہ قلم سے رشتہ جوڑ لیا لیکن جانے کیوں حمزہ کو یہ سب پسند نہیں تھا‘ اکثر چھوٹی چھوٹی باتوں پر ان میں جھگڑا ہو جاتا تھا‘ وہ حمزہ کا غصہ تو برداشت کر لیتی تھی‘ لیکن ٹھنڈے لہجے میں اس کی طنزیہ باتیں اسے چابک کی طرح لگتیں اور اس کی روح تک بلبلا اٹھتی۔

☆

وہ خیالوں میں اس قدر گم تھی کہ اگر فیضان نہ اٹھتا تو شاید اسی طرح لیٹی رہتی‘ اس نے فیضان کو فارغ کیا‘ اسے کھلونے دے کر بٹھایا اور خود کچن میں گھس گئی‘ بیچ بیچ میں وہ فیضان کو بھی بہلاتی رہی‘ ہر چیز تیار تھی صرف بریانی رات کو دم دینی تھی‘ اس نے ڈرائنگ روم اور ڈائننگ کی صفائی کر کے پلیٹیں‘ چمچے‘ کانٹے اور نیپکنز وغیرہ رکھے‘ آج اسے ماسی کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی‘ جو اچانک ہی پندرہ دن کے لئے گاؤں چلی گئی تھی‘ کسی رشتہ دار کی وفات پر‘ فیضان دوپہر سویا تو وہ بھی ساتھ ہی لیٹ گئی‘ شام کو اٹھی تو تازہ دم تھی لیکن دل پر ایک ملال سا طاری تھا اور روح پر نامعلوم سا بوجھ‘ آج اسے ہر صورت ناول کی قسط بھیجنی تھی مگر وہ کیا کرتی حمزہ نے لال جھنڈی دکھادی تھی اور پھر یہ اچانک دعوت اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ فیضان بیمار ہے اور ماسی بھی چھٹی پر ہے‘ مگر اس نے دل کی اداسی کو چہرے پر نہیں پھیلنے نہیں دیا‘ فیضان کو تیار کیا اور ہلکا پھلکا میک اپ کر کے خود بھی اہتمام سے تیار ہوگئی‘ رات کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے‘ گھنٹی کی آواز پر وہ چابی کی گڑیا کی طرح اٹھی اور لپک کر دروازہ کھول دیا‘ فیضان کی وجہ سے اکثر حمزہ چابی سے گیٹ کھول کر خود ہی گاڑی کار پورچ میں لے آتا تھا۔

”مہمان کہاں ہیں......؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”کینسل کر دی دعوت“۔

”اور میں نے جو اتنی تیاری کی دوپہر بھر لگی رہی کیا فون نہیں کر سکتے تھے......؟“ نادیہ کو غصہ آ گیا۔

”کوئی بات نہیں ہم خود کھالیں گے بس مجھے تم چائے کا ایک کپ دے دو“۔ حمزہ نے جیسے کان پر سے مکھی اڑائی ہو‘ نادیہ کا غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا‘ صبح ذرہ سا کام کہہ دیا تو سو باتیں سننی پڑیں اور اب مجھے چولہے میں جھونک کر خود کتنے اطمینان سے بیٹھے ہیں اتنا بھی نہ ہوا کہ معذرت ہی کر لیتے‘ اس کا دل چاہ رہا تھا ہر چیز کو آگ لگا دے‘ اسی کشمکش میں چائے بنائی اور حمزہ کو پکڑا دی‘ جو بڑی بے فکری سے مسہری پر لیٹے کوئی شوخ سی دھن بجا رہے تھے‘ نادیہ غصے میں پلٹی تو اس کا ہاتھ حمزہ

کی گرفت میں آ گیا اور جھٹکے سے وہ اس کی بانہوں میں۔

”ناراض ہو......؟“ وہ شرارت سے اس کے بال چہرے سے ہٹاتے ہوئے بولا۔

”نہیں بہت خوش ہوں“۔ اس نے جلتے بھنتے خود کو حمزہ کی بانہوں سے آزاد کرانے کی لاحاصل کوشش کی۔

”چھوڑیں مجھے فیضان اٹھ جائے گا“۔

”اٹھنے دو‘ میں آفس چلا گیا تھا لیکن دل نہیں لگا تمہاری روئی روئی آنکھیں سارا وقت مجھے ڈسٹرب کرتی رہیں‘ اپنے رویہ کی بدصورتی کا مجھے احساس تو تھا‘ مگر سچ تو یہ ہے کہ کسی نے صحیح کہا ہے کہ ”نادان دوست سے دانا دشمن بہتر“، تمہیں یاد ہوگا میرا ایک دوست تھا عبید‘ ہم نوالہ ہم پیالہ‘ آسٹریلیا چلا گیا‘ اس نے ایک دن شادی سے پہلے مجھے سمجھایا‘ دیکھو یار اول دن سے ہی بھابی کے تلے نہ لگ جانا اس پر کنٹرول رکھنا وہ ایک مشہور ہستی ہیں ہر طرف اس کی شاعری اور تحاریر کی دھوم ہے کل کو وہ تمہارے نام سے نہیں تم ان کے نام سے پہچانے جاؤ گے‘ تمہیں کیسا لگے گا جب کسی پارٹی میں تمہیں یہ کہہ کر متعارف کرایا جائے گا کہ ان سے ملئے مشہور شاعرہ نادیہ کے شوہر اس لئے ان کو سر پر نہ چڑھانا‘ ورنہ ہمیشہ احساس کمتری میں مبتلا رہو گے‘ اور میں بیوقوف اس کی باتوں میں آ گیا اور قدم قدم پر تمہاری یہ سوچ کر تضحیک کرتا رہا کہ کہیں تم اپنی صلاحیتوں پر مغرور نہ ہو جاؤ“۔

”آپ مجھے ایسا سمجھتے تھے......؟“ صدمے سے نادیہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

”مان تو رہا ہوں نادان دوست کی باتوں میں آ گیا تھا‘ وہ تو آج آفس میں ایک دوست نے بے حد اصرار کر کے میری پریشانی کا سبب پوچھا تب میرے بتانے پر وہ بولا۔

”یار ایک بات تو بتاؤ بھابی تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو پسند ہے......؟“

”بے حد‘ بے انتہا“۔

”کیا وہ تمہارا خیال نہیں رکھتیں تمہاری مرضی پر نہیں چلتیں......؟“

”نہیں بھئی اس نے تو خود کو میرے سانچے میں ڈھال لیا ہے‘ مثلاً میں ناشتے میں پراٹھا کھاتا ہوں اور اس نے ڈبل روٹی اور پورچ کے سوا کچھ کھایا ہی نہیں‘ مگر اب وہ پراٹھا کھاتی ہے‘ مجھے بھنڈیاں سخت ناپسند ہیں اور بھنڈی اس کی پسندیدہ سبزی ہے‘ حالانکہ میں نے اسے منع نہیں کیا لیکن ہمارے گھر میں بھنڈی کبھی نہیں پکتی‘ اس کو تیز کلر بالکل پسند نہیں جبکہ مجھے پھیکے‘ رنگوں سے چڑ۔ پشیمان تو میں خود بھی تھا لیکن اپنے کولیگ کی باتیں مجھ پر تازیانے کی طرح لگیں اور میں نے سوچا۔

”ادب نواز تو بڑے دلنواز ہوتے ہیں اور میں اس ادب نواز کے ساتھ کیسے بے ادبی کرنے لگا ہوں‘ بس پھر سب ہی دوستوں سے فون کر کے دعوت کی معذرت کی‘ اردو بازار گیا اور تمہارے مطلب کی ہر چیز خرید کر گاڑی کی ڈگی بھر لی‘ اب تم بلاناغہ لکھا کرو گی‘ بلکہ آج رات فیضان کو میں اپنے پاس سلاؤں گا‘ تم اپنا ناول مکمل کرو گی“۔ نادیہ بھری بھری آنکھوں سے سکتے کے عالم میں حمزہ کی باتیں سن رہی تھی۔

”اب واپس آ جاؤ اور تیار ہو جاؤ کیونکہ روزے میں تم باہر نہیں نکلتیں آج ہم رمضان شریف کے بابرکت مہینے کی مناسبت سے ڈھیر ساری شاپنگ کریں گے‘ تمہارے لئے فیضان کے لئے اور امی اور تانیہ کے لئے کیونکہ دو دن بعد رمضان شروع ہو جائیں گے اس مرتبہ تم اپنی پسند کے کپڑے لو گی اور ہر رمضان کے جمعہ پر نیا سوٹ پہنو گی کھانا امی کے لئے لے چلتے ہیں اور ہم باہر ہی کھانا کھائیں گے“۔ نادیہ کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا‘ خوشی اس سے سنبھالی نہیں جا رہی تھی‘ اس کی آنکھیں بھر آئیں اور چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا اور اس نے بے قرار ہو کر اپنا چہرہ حمزہ کے سینے میں چھپا لیا‘ آج اس کو اپنی منزل مل گئی تھی اور عید سے پہلے عید ہو گئی تھی۔

☆

فرح طاہر قریشی

افسانہ

میں نے پریت نبھائی

"بات سنو پلیز! ایک بار تو سن لو اب میں تمہاری ناراضی اور برداشت نہیں کرسکتا"۔

"تو پھر میں کیا کروں؟" اس نے انتہائی بے رُخی کے انداز میں جواب دیا اور پھر سے چلنا شروع کر دیا'



اور پھر یکدم پلٹتے ہوئے بولی۔

"پلیز آئندہ مجھے راستے میں روکنے کی کوشش مت کیجئے گا' مہربانی ہوگی"۔

"پلیز سوری! میں جانتا ہوں میرا قصور ہے' میں اپنی غلطی مان تو رہا ہوں' اس بار معاف کردو' آئندہ ایسا نہیں ہوگا"۔

"کوئی آئندہ وائندہ نہیں' جب میں نے آپ سے ملنا ہی نہیں ہے تو پھر کیسا آئندہ؟ اور اب میرا راستہ چھوڑیں' فضول میں تماشا بنایا ہوا ہے' لوگ مفت کا تماشا دیکھ رہے ہیں"۔ وہ غصے میں بالکل آؤٹ آف کنٹرول ہوگئی تھی۔

"سڑک اس وقت بالکل سُنسان پڑی ہوئی ہے' پھر بھی تمہیں لوگوں کے دیکھنے کا ڈر ہے؟ لیکن میرا خیال نہیں ہے' کب سے معافی مانگ رہا ہوں' اب ناراضی ختم بھی کرو پلیز!" لیکن سلویٰ نے کسی قسم کا ردِعمل ظاہر نہ کیا اور مسلسل چلتی رہی' یکدم ہی سامنے سے ٹرک آتے دیکھ کر تیمور نے گویا اسے دھمکی دی تھی۔

"دیکھو! اگر تم نے اب بھی میری بات کا جواب نہ دیا تو یہ جو سامنے سے ٹرک آرہا ہے میں اس سے ٹکرا جاؤں گا' پھر دیکھوں گا تمہیں کون منائے گا؟"



"آپ میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟" سلویٰ پلٹی تھی۔

"میں تمہیں چھوڑ کر جی نہیں سکوں گا"۔ وہ رُک سی گئی، غور سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی جو چیخ چیخ کر تھکاوٹ کا اظہار کر رہا تھا، حد سے زیادہ بڑھی ہوئی شیو، لگتا تھا چار روز سے اسے بنانے کی زحمت نہیں کی گئی ہو، حالانکہ یہ وہی تیمور تھا جو ہر وقت ٹِپ ٹاپ میں رہا کرتا تھا، اس کے دل کو کچھ ہوا، تیمور اس کے محسوسات کو سمجھتے ہوئے بڑی مضمحل آواز میں بولا۔

"قسم سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں جا رہا، بس رہ رہ کر تمہاری ناراضی کا خیال آ جاتا ہے، دل چاہتا ہے دنیا ہی چھوڑ دوں"۔

"خدا نہ کرے.... ہر وقت بد فعال ہی منہ سے نکالا کریں"۔ سلویٰ دہل سی گئی۔

"کیوں، کیوں چاہتی ہو تم میں زندہ رہوں؟ تمہیں اس سے کیا، چاہے میں زندہ رہوں یا مروں؟"

"کیوں.... میں کیا آپ کی دشمن ہوں، جو آپ کے مرنے کا سوچوں؟"

"تو دوست بھی تو نہیں ہو ناں" وہ مسکرایا تھا، بڑی دل جلی سی مسکراہٹ کے ساتھ۔

"ہاں نہ میں آپ کی دوست ہوں نہ دشمن، میں آپ سے اب کسی قسم کا تعلق نہیں رکھنا چاہتی"۔

"بس پھر کس کام کی ہے یہ زندگی....؟" تیمور قریب آتے ٹرک کو دیکھ رہا تھا، وہ دہل گئی۔

"تیمور! بلا وجہ تماشا بنا رہے ہیں آپ"۔

"پھر تم آخر مان کیوں نہیں جاتیں، میں معافی مانگ تو رہا ہوں"۔

"آپ پھر وہی سب کریں گے"۔ وہ ہار کر بولی۔

"نہیں، بالکل بھی نہیں"۔ وہ جھٹ سے بولا۔ یہ کوئی آج کی کہانی نہیں تھی، بلکہ ان کا ساتھ دس سال پرانا تھا، بلکہ سلویٰ تو پیدا ہی تیمور کے سامنے ہوئی تھی، گھر ساتھ ساتھ تھے، رشتہ داری تھی، لیکن بڑوں کے دل ملے نہ تھے، تیمور کے والد انکم ٹیکس کے محکمے میں تھے، گھر میں پیسوں کی ریل پیل تھی، لیکن سلویٰ کے والد گورنمنٹ والوں کی پالسی کی نذر ہو کر نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، نوکری چھٹنے کے غم میں اور چار بیٹیوں کے بوجھ کی وجہ سے مسلسل بیمار رہنے لگے تھے، سلویٰ سب بہن بھائیوں میں بڑی تھی، اسی لئے گھر کے حالات دیکھتے ہوئے اس نے ایک پرائیویٹ ادارے میں جاب شروع کر دی تھی، بہت پہلے تیمور کی والدہ (سلویٰ کی تائی) نے سلویٰ اور تیمور کی شادی کی بات کی تھی، یہ ان دنوں کی بات تھی جب دونوں خاندان مالی حالات میں ایک دوسرے کے ہم پلّہ تھے، لیکن اب تو وہ بات خواب و خیال ہو کر رہ گئی تھی، اب تو تیمور کی ماں کے مزاج ہی نہیں ملتے تھے اور اسی بناء پر سلویٰ کی ماں جانتی تھیں کہ اونچے خواب دیکھنے میں سراسر ان ہی کا نقصان ہے، ہاں البتہ جب سے سلویٰ نے نوکری شروع کی تھی، تیمور اس کا دعوے دار بن چکا تھا۔

"تم میری ہو، صرف اور صرف میری"۔ اور یہ بات دن میں کئی مرتبہ وہ سلویٰ کے کانوں میں اُنڈیل دیتا تھا۔ ہمارے معاشرے میں عجیب ہی حالات ہیں، کوئی بھی لڑکی کے مسائل سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا، لڑکی ماں باپ کے گھر میں ہو تو وہ ایک ایسی گڑیا کی مانند ہوتی ہے جسے سنوار لیا، اچھا پہنا لیا جائے اور بس پھر ایک سائیڈ پر رکھ دیا جائے، پھر جب کوئی ان کو یہ احساس دلاتا ہے کہ وہ کچھ ہیں، خوبصورت ہیں تو وہ اس کو اپنا سب کچھ سمجھ لیتی ہیں، حالانکہ یہ سب وقتی ہوتا ہے، اس وقت کی عمر کا تقاضا، لیکن وہ سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی انجان بنی رہتی ہے اور جب سمجھنا چاہتی ہے تو تب تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ سلویٰ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا، اس کا ملیح چہرہ اور بڑی بڑی روشن آنکھیں اس کا شمار خوبصورت لوگوں میں کرتی تھیں، مگر چونکہ گھر میں کوئی سراہنے والا، بتانے والا نہ تھا، اس سے چھوٹی تین بہنیں اور بھی تھیں، ماں باپ سمجھتے تھے کھلا پہنا دیا، اچھی تعلیم دلا دی، بس یہی بہت ہے، دوستوں سے زیادہ روابط بڑھانے کی اجازت نہ تھی، نہ اکیلے کہیں آنے جانے کی اجازت تھی، بس اسکول و کالج تک زندگی محدود تھی۔ الغرض انہیں اتنی چھوٹ بھی نہ تھی کہ وہ ڈھنگ سے اپنی خوبصورتی کو محسوس کر سکیں، لیکن جب پہلی بار تیمور نے اس کی تعریف کی تو وہ کتنی ہی دیر من ہی من میں شرماتی رہی، اور پھر ایک دن سلویٰ کو اپنی ماں کے ساتھ کسی عزیز کے گھر شادی کی تقریب میں جانا پڑا، اور جب واپسی ہوئی تو تیمور گھر بیٹھا ہوا ملا۔

"کون ہیں آپ؟ شاید راستہ بھول گئی ہیں"۔ تیمور اسے چھیڑ رہا تھا، جب سے اس نے نوکری شروع کی تھی، باقی بہنوں کی نسبت تھوڑی رعایت ملنے لگی تھی۔

"جی نہیں، میں اپنے ہی گھر میں آئی ہوں"۔

"اوہ.....! یہ آواز تو سلویٰ کی لگ رہی ہے، چچی جان دیکھیئے گا ذرا، یہ اپنی سلویٰ ہی ہے ناں؟" تیمور مسلسل مسکرا رہا تھا، جس پر سلویٰ مصنوعی غصہ دکھاتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی، وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی کانوں سے ایئر رِنگ اُتار رہی تھی، جب تیمور بھی کمرے میں چلا آیا۔

"نہ نہ.... ابھی یہ نہ اُتارو، ابھی تو میں نے تمہیں جی بھر کر دیکھا بھی نہیں ہے"۔ اس کے لہجے میں پیار ہی پیار تھا۔

"اونہہ....." سلویٰ رُخ پھیر گئی۔

"ارے تم تو ناراض ہو گئیں، اب کیسے مانو گی؟"

"اتنی ناراضی کی پرواہ تھی تو اس طرح مجھے ستایا ہی کیوں، کوئی ایسے بھی کرتا ہے؟"

"یار! سمجھا کرو نا، ایک تو تم اتنی پیاری لگ رہی تھیں، پھر وہیں بیٹھنے کی تیاریوں میں تھیں، کبھی تو اکیلے مل جایا کرو"۔ تیمور کا انداز ذو معنی تھا، اس کی بات سُن کر لاکھ نہ چاہنے کے باوجود بھی اس کا چہرہ بالکل لال انگارہ بن گیا۔

"بہت بے شرم ہیں آپ، چلے جائیں یہاں سے"۔ سلویٰ نے اسے باہر کی طرف دھکیلا تھا۔

"نکال دو ابھی تو کمرے میں سے، لیکن یاد رکھنا آنا تو میرے پاس ہی ہے، گن گن کر بدلہ لوں گا"۔ تیمور نے کہا اور کمرے سے نکل گیا، یہ وہ دن تھے جو وہ ہر طرح کی فکر سے آزاد، خوش باش تیمور کی رفاقت میں گزار رہی تھی۔

"سلویٰ آپی!" سلویٰ سے چھوٹی انزلہ نے اُسے پکارا۔

"ہوں....؟"

"آپ آج کل کچھ زیادہ پیاری ہوتی جا رہی ہیں، ہے ناں ارم؟" کہنے کے ساتھ اپنے سے چھوٹی ارم سے تصدیق چاہی۔

"ہاں بالکل، اور یہ سب تیمور بھائی کی محبتوں کا کمال ہے"۔

"ہیں.... کیا میرے منہ پر لکھا ہوا ہے میرے دل کا حال؟" سلویٰ سوچ میں پڑ گئی۔

"اوہو آپی! تو لگتا ہے بیٹھے بیٹھے تیمور بھائی کے پاس پہنچ گئی ہیں۔

"اے ہے، شرم کرو، مجھ سے چھوٹی ہو تم لوگ"۔ اس نے ٹوکا تھا۔

"ہاں تو....؟" ابھی وہ کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ مسز سجاد کی آواز سنائی دی۔

"سلویٰ.... سلویٰ!"

"جی امی!"

"بیٹا! ذرا چائے بنا کر لے آؤ مہمانوں کے لئے"۔

"کون آیا ہے امی؟"

"چائے لے آؤ، پتہ چل جائے گا کون آیا ہے"۔ بیگم سجاد نظریں چراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"یہ امی کو کیا ہوا جو اس طرح کہہ گئیں"۔ انزلہ نے پُرسوچ انداز میں خود کلامی کی۔

"مجھے کیا پتہ، میں لے جاتی ہوں چائے"۔ سلویٰ

نے کہا اور کمرے سے جانے لگی، جب پیچھے سے ارم معنی خیز انداز میں بولی تھی۔

"جی جی ضرور جائیے، کیا پتہ تائی امی آئی ہوں"۔

"تمہیں میں آ کر پوچھتی ہوں"۔ وہ منہ پر ہاتھ پھیرتی کمرے سے چلی گئی۔

"مسز سجاد! مجھے آپ کا گھرانہ بہت پسند آیا ہے، آپ کی بیٹی بھی مجھے بہت پسند ہے، اپنے بیٹے کی دلہن کے لئے میں نے ایسی لڑکی کی چاہ کی تھی، اب آپ لوگ ہاں کر دیں تاکہ یہ چاند میں اپنے آنگن میں اُتار سکوں"۔ مسز درانی ابھی اور کچھ بھی کہہ رہی تھیں، چائے لے کر آتی سلوئی ان کی بات سن کر وہیں دروازے میں جم سی گئی، اُسے لگا وہ پتھر ہو گئی ہے، نہ آگے بڑھ سکے گی نہ پلٹ سکے گی، اسے لگا جو اس نے سنا ہے وہ صرف دھوکہ ہے، ایک ڈراؤنا خواب ہے جو بیدار ہونے پر ختم ہو جائے گا، لیکن.....!

"سلوئی! اندر آ جاؤ بیٹا!" مسز سجاد نے اسے وہاں کھڑے دیکھ کر کہا، ماں کی آواز سن کر خود کو سنبھالتے ہوئے وہ آگے بڑھی تھی۔

"مسز درانی! یہ ہے میری بیٹی سلوئی"۔

"ماشاء اللہ! چشم بدور، مسز سجاد! میں پہلے سے جانتی ہوں"۔ مسز درانی نے جواباً کہا، سلوئی لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہاں ٹھہر نہ سکی اور پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف دوڑ پڑی، اور بیڈ پر منہ کے بل گرتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☆......☆......☆

"اوہو.....آج تو بڑے بڑے لوگ آئے ہوئے ہیں"۔ کمرے سے نکلتے ہوئے تیمور نے ورشا کی آواز سن کر کہا۔

"بڑے لوگ میں نہیں آپ ہیں، میں تو پھر بھی آ جاتی ہوں مگر آپ تو آتے ہی نہیں"۔ ورشا نے اُسی کے انداز میں جواب دیا۔

"تم سے کوئی جیت نہیں سکتا، یہ بتاؤ خالہ بھی آئی ہیں کیا؟" تیمور نے پوچھا۔

"نہیں، صرف میں آئی ہوں، اور آپ فٹافٹ تیار ہو جائیں، میں نے شاپنگ کے لئے جانا ہے"۔ اس نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی۔

"شاپنگ کے لئے جانا تمہیں ہے اور تیار ہونے کا مجھے کہہ رہی ہو، یہ کیا بات ہوئی؟"

"اوہو.... خالہ امی تو بڑا کہتی ہیں میرا بیٹا بڑا جینئس ہے، مگر آپ تو کچھ سمجھ ہی نہیں رہے، مجھے آپ کے ساتھ شاپنگ کے لئے جانا ہے"۔ ورشا نے بڑے پیار بھرے انداز میں کہا۔

"نو.....نیور، میں یہ کام نہیں کر سکتا، پلیز امی یا کنزئی کے ساتھ چلی جاؤ"۔ تیمور اس کے انداز کو محسوس کرتے ہوئے روکھے لہجے میں کہتا ہوا باتھ روم کی طرف مڑ گیا۔

"اُف.... امی اور خالہ کہتی ہیں کسی طرح اس کو اپنی طرف متوجہ کرو، اور یہ موصوف ہاتھ ہی نہیں آتے، متوجہ تو بعد میں ہوں گے"۔ ورشا سوچ میں ڈوب گئی۔

"ورشا! یہاں ایسے کیوں کھڑی ہو بیٹا!" رخسانہ بیگم باہر آئیں تو ورشا کو ایسے کھڑا دیکھ کر پوچھ بیٹھیں۔

"کچھ نہیں خالہ!" بڑا مرجھایا سا انداز تھا اس کا۔

"کیا ہوا، تیمور سے بات ہوئی کیا؟" انہوں نے پوچھا۔

"ہاں اور وہ انکار کر گئے ہیں"۔ ورشا نے مایوسی کے عالم میں جواب دیا۔

"کوئی بات نہیں بیٹا! صبر سے کام لو، جیت تمہاری ہو گی"۔ رخسانہ بیگم کا انداز بڑا پُر اسرار تھا۔

☆......☆......☆

"سلوئی آپی!" ثمن نے گم سم بیٹھی سلوئی کو پکارا۔

"ہاں بولو ثمن!" وہ متوجہ ہوئی تھی۔

"امی آپ کو اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں"۔

"اچھا تم چلو میں آتی ہوں"۔ تھوڑی دیر بعد دوپٹہ صحیح کرتی وہ ان کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"امی! آپ نے بلایا؟"

"ہاں بیٹھو، بات کرنا تھی تم سے"۔ وہ سائیڈ پر رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"بیگم! خیر تو ہے، کوئی غلطی ہو گئی ہم سے جو عدالت لگانے کا ارادہ ہے"۔ سجاد صاحب نے پُر مزاح انداز میں بات کی ابتدا کی۔

"نہیں میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے، کل آپ کو بتایا تھا ناں مسز درانی آنے کا کہہ رہی تھیں"۔

"ہاں بتایا تو تھا"۔

"تو وہ آج آئی تھیں، فائنل جواب مانگ رہی تھیں"۔

"لیکن بیگم! کس لئے اور کس چیز کا جواب مانگ رہی تھیں وہ؟" سجاد صاحب جان کر انجان بنے تھے شاید۔

"وہ سلوئی کے لئے اپنے بیٹے کا رشتہ لائی تھیں، اسی کا جواب مانگ رہی تھیں"۔ ان سے نظریں چرائے سامنے دیوار پر ٹنگی پینٹنگ پر نظریں گاڑے انہوں نے جواب دیا۔

"تو آپ نے انہیں بتایا نہیں، ہماری سلوئی کی بات تو اس کے تایا کے گھر طے ہے"۔

"سجاد صاحب! خوابوں کی دنیا سے باہر آ جائیں، حقیقت کو نظر انداز مت کریں"۔

"کیوں اس میں خوابوں کی کیا بات ہے؟ کیا سلوئی کی بات طے نہیں ہے؟ اس میں جھوٹ کیا ہے بولو؟" سجاد صاحب نے تیز لہجے میں دریافت کیا تھا۔

"ہے نہیں تھی"۔ مسز سجاد نے "تھی" پر زور دیتے ہوئے جواب دیا۔ سلوئی جو اب تک ان سب باتوں سے بے نیاز اپنے ہی خیالوں میں گم بیٹھی تھی، یکدم چونک کر سیدھی ہوئی۔

"تھی سے کیا مراد ہے آپ کی؟" سجاد صاحب نے سلوئی کے دل کی بات کہی تھی۔

"آپ کے دوست کے بیٹے کی شادی پر جب ہم وہاں گئے تو وہاں اُڑتی اُڑتی خبر ملی تھی کہ آپ کی بھاوج ورشا کو اپنی بہو بنانے کا ارادہ رکھتی ہیں، اور اب جب سلوئی کے لئے دو تین جگہوں سے پیغام آیا تو میں نے سوچا کہ ادھر سے پوچھوں تو صحیح، ان لوگوں کے کیا ارادے ہیں، اسی ارادے سے میں بھابی کے پاس گئی ان کو بتایا تو انہوں نے بنا کچھ سوچے فوراً کہہ دیا۔

"ہاں ہاں، جہاں چاہتی ہو وہاں شادی کر دو، میری طرف سے انکار سمجھو اور ویسے بھی نوکری کرنے والی لڑکی کی ذات ہمیشہ مشکوک رہتی ہے، اب میں سلوئی کے ساتھ تو نہیں ہوتی، جو اس کے متعلق اچھی طرح جانتی ہوں، وہ کہاں آتی ہے، کہاں جاتی ہے، میں تو صرف ورشا کو اپنی بہو بناؤں گی"۔

"آپ کی بھاوج نے بڑی رعونت سے جواب دیا تھا، اور میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں، لیکن اپنی بیٹی کے کردار پر کیچڑ کو برداشت نہیں کر سکتی، اس لئے مسز درانی کو ہاں کر دی ہے"۔ مسز سجاد نے تمام تفصیل ان کے گوش گزار کی تھی۔

"کیا یہ سب بھابی نے کہا؟" سجاد صاحب نے بڑے بے یقین انداز میں پوچھا تھا۔

"ہاں بالکل"۔

"میں بات کروں گا بھائی صاحب سے"۔ سجاد صاحب بہت دکھی لگ رہے تھے۔

"نہیں بابا! آپ ان سے کوئی بات نہیں کریں گے، وہ خود کسی قابل ہوتے تو حالات یہ نہ ہوتے"۔ سلوئی جو رخسانہ بیگم کی زہریلی باتوں کو سن کر سناٹے میں آ گئی تھی، ایک دم سے باپ کو منع کر گئی۔

"اور ہاں امی! میری طرف سے اجازت ہے جیسا آپ چاہیں ویسا کریں"۔ یہ سب کہہ کر وہ اپنی لہو رنگ آنکھوں کے ساتھ کمرے سے دوڑتی باہر نکل گئی۔

"اوہ.... بہت بُرا کیا بھابی نے، انہیں اس طرح نہیں کرنا چاہیئے تھا"۔ سجاد صاحب نے سلوئی کے جانے کے بعد دھیرے سے لب کشائی کی تھی۔

”ہاں سجاد صاحب! بہت بُرا کیا انہوں نے‘ ایسے میری نیک صفت بیٹی کے کردار پر انگلی اٹھا کر‘ لیکن اللہ بہتری کرنے والا ہے‘ خدا سے بس یہی دعا ہے کہ وہ میری بیٹی کے نصیب اچھے کرے‘ مسز درانی نے شادی کے لئے ایک مہینے کا ٹائم دیا ہے بس‘ ویسے تو ہماری سب تیاریاں مکمل ہیں‘ اس لئے میں نے ہاں کردی‘ آپ کا کیا خیال ہے؟“

”ہونہہ..... ٹھیک ہے‘ باقی خدا پر چھوڑ دو‘ وہ بہتر کرے گا“۔

☆............☆............☆

”اے خدا! مجھے اس آزمائش میں ثابت قدم رکھنا‘ اے مولا! مجھے صبر عطا فرما“۔ سلویٰ بُری طرح روتے ہوئے دعا کررہی تھی۔

”آپی‘ آپی....! کیا ہوا ہے جو آپ اس طرح رو رہی ہیں؟“ انزلہ ان سب باتوں سے ابھی تک بے خبر تھی‘ اس نے روتی ہوئی سلویٰ کو گلے سے لگالیا‘ سلویٰ اور بکھر گئی‘ روتے ہوئے وہ سب باتیں جو کچھ مسز سجاد نے بتائیں سب اس کو بتادیں‘ اور رشتے پر رضامندی کا بھی بتادیا۔

”چلیں..... خس کم جہاں پاک“۔ انزلہ کے لہجے میں اطمینان ہی اطمینان تھا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا....؟“ سلویٰ رونا بھول کر حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”آپی! آپ نے زندگی صرف تیمور بھائی کے ساتھ نہیں گزارنی تھی‘ بلکہ آپ کا واسطہ ان کی والدہ محترمہ سے بھی پڑنا تھا اور ان کی والدہ محترمہ آپ کو کبھی وہ عزت‘ وہ مقام نہ دیتیں جو آپ کا حق ہوتا‘ اور سسرال میں لڑکی ہر طرح سے زندگی گزار سکتی ہے‘ لیکن اگر اسے اس کا صحیح مقام نہ ملے تو وہ ٹوٹ جاتی ہے‘ اس لئے آپ کے حق میں بہتر ہی ہوا کہ پہلے ہی ان کی اصلیت ہم پر کھل گئی‘ اور اب آپ نے رشتے کے لئے ہاں کہہ دی ہے‘ تو اس پر قائم رہیئے گا“۔

”ہاں انزلہ! یہی سوچ کر میں نے ہاں کی ہے‘ کیا تائی امی مجھے جانتی نہ تھیں‘ جو انہوں نے میرے کردار کو مشکوک کہا‘ بہت افسوس ہوا ان کے اپنے متعلق خیالات جان کر“۔ سلویٰ غم و غصہ کی مکمل تفسیر بنی بیٹھی تھی۔

”اچھا چھوڑیں‘ یہ بتائیں! تیمور بھائی سے تو کوئی بات نہیں ہوئی ناں؟“

”نہیں تو.... وہ تو ایک ہفتے سے اسلام آباد میں تھے‘ مگر لگتا ہے کل آگئے ہیں‘ کیونکہ کل ان کی بائیک کی آواز آرہی تھی“۔ سلویٰ نے پُرسوچ انداز میں جواب دیا۔

”اچھا چھوڑیں‘ اب رات زیادہ ہوگئی ہے‘ سوتے ہیں“۔

”ہاں تو سو جاؤ‘ میں نے تمہیں کب روکا ہے؟“

”ہائے....! ایک تو میں نے آپ کی وجہ سے اپنی نیند خراب کی اور اب آپ ایسے کہہ رہی ہیں“۔ انزلہ نے منہ لٹکایا تھا۔

”اس طرح تو ہوتا ہے‘ اس طرح کے کاموں میں“۔ سلویٰ نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔ انزلہ نے مصنوعی ناراضی سے لائٹ آف کی اور سونے کے لئے لیٹ گئی۔

”اب مجھے ساری زندگی اسی طرح دھوکے میں گزار دینی ہے‘ بظاہر ہنستی رہوں گی مگر دل اندر سے بین کرتا رہے گا‘ اور اس دل کے ساتھ ہونا بھی یہی چاہیئے‘ یہ اس کے لئے بہترین سزا ہے‘ اسی نے مجھے اس راستے پر گامزن کیا تھا“۔ انزلہ تو کب کی سو چکی تھی مگر نیند آج سلویٰ کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی‘ اور نیند آتی بھی تو کیسے؟ اور تو اور رات میں تیمور کے حسین سپنوں کے سنگ سوچتے نیند کب آجاتی تھی خبر بھی نہ ہوتی تھی‘ مگر آج ایسا کچھ نہ تھا۔

☆............☆............☆

”تیمور بھائی! ایسے اکیلے بیٹھے کیا سوچ رہے ہیں؟“ کنزیٰ نے تیمور کے کمرے میں داخل ہوتے

ہوئے تیمور کو بیٹھے دیکھا تو سوال کرلیا۔

”کچھ خاص نہیں“۔

”آپ فری ہیں تو مجھے میری دوست کی طرف لے چلیں پلیز!“ اس نے منت کی تھی۔

”نہیں آج نہیں‘ کل چلی جانا“۔ تیمور نے ماتھے پر آئے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے سہولت سے اسے منع کیا۔

”کیوں بھائی؟“

”آج میرا بالکل بھی موڈ نہیں ہورہا کہیں جانے کا“۔ وجہ بیان کی تھی۔

”تو بھائی وہی تو پوچھ رہی ہوں‘ کیا ہوا ہے‘ آپ کا موڈ ایسا کیوں ہورہا ہے؟“ کنزیٰ نے دوبارہ سوال داغا تھا‘ وہ خاموش رہا‘ پھر تھوڑے توقف سے گویا ہوا۔

”کنزیٰ! تم چچا جان کی طرف گئی تھیں کیا؟“

”نہیں تو بھائی! ٹائم ہی نہیں ملا‘ مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“

”کل میں نے بازار میں چچی کو دیکھا تھا‘ بہت سارے شاپنگ بیگ ان کے ہاتھوں میں تھے اور ساتھ میں سلویٰ‘ انزلہ اور اِرم بھی تھیں‘ اور وہ لوگ برائیڈل ڈریس خرید رہی تھیں“۔ تیمور کا انداز بہت پُرتشویش سا تھا۔

”برائیڈل ڈریس.... مگر برائیڈل ڈریس کا وہ لوگ کیا کریں گے؟“ کنزیٰ نے ابرو اُچکا کر اسی سے سوال کرڈالا۔

”مجھ سے کیا پوچھ رہی ہو‘ میں تو خود اسی بات پر حیران ہوں‘ تم جاؤ ذرا وہاں دیکھو کیا ہورہا ہے“۔

”ہاں بھائی! میں ابھی جاتی ہوں“۔ کنزیٰ نے کہا اور تیزی سے باہر کا رُخ کیا‘ اور پھر ذرا دیر بعد ہی اس کی واپسی ہوگئی۔

”کنزیٰ! کیا ہوا؟“ تیمور بے تابی کے عالم میں اس کی طرف بڑھا تھا‘ کنزیٰ کی آنکھیں نم تھیں۔

”بھائی! سلویٰ آپی کی شادی ہورہی ہے“۔ اس نے گویا بم پھوڑا تھا۔

”کیا....؟“ تیمور نے اس طرح پوچھا جیسے اس نے غلط بات سُن لی ہو‘ وہ بے یقینی کے عالم میں اس کی طرف دیکھے جارہا تھا۔

”ہاں بھائی! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں‘ عید کے بعد ان کی شادی ہورہی ہے“۔

”نہیں ایسا نہیں ہوسکتا‘ سلویٰ تو میری ہے‘ اس کی شادی کسی دوسرے سے کیسے ہوسکتی ہے“۔

”بھائی! میں جھوٹ نہیں کہہ رہی ہوں‘ بے شک آپ خود جا کر دیکھ لیں“۔

”ہاں میں خود جاتا ہوں‘ دیکھتا ہوں ایسے کیسے ہوسکتا ہے“۔ تیمور نے کہا اور سلویٰ کے گھر کی طرف چل پڑا۔

”السلام وعلیکم چاچی جان!“

”وعلیکم السلام!“ ”آؤ تیمور کیسے آنا ہوا بیٹا؟“

”کیا ہورہا ہے چاچی؟“ وہ ان کے سوال کو نظر انداز کرتا پھر سے سوال کر بیٹھا۔

”کچھ نہیں تم بیٹھو ناں“۔ تیمور دھیرے سے ان کے پاس پڑی کرسی پر ٹک سا گیا۔

”یہ کارڈ کس لئے ہیں چاچی جان!“ شادی کارڈ ہاتھ میں لئے وہ ان کو دیکھ رہا تھا۔

”ہاں دیکھ تو ذرا‘ ان میں سے کون سا اچھا لگ رہا ہے“۔ مسز سجاد مسلسل اس کے سوالوں کو نظر انداز کئے جارہی تھیں‘ وہ سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا‘ مسز سجاد نے ایک نظر اسے دیکھا اور نظریں چُرا کر بولیں۔

”سلویٰ کی شادی کے لئے“۔ مختصر سا جواب دے کر وہ اندر کی طرف بڑھ گئیں‘ تیمور نے کارڈ رکھا اور ہونٹوں کو بھینچے ماتھے پر ڈھیروں شکنیں لئے سلویٰ کے کمرے کی طرف بڑھا۔

”سلویٰ!“ اس نے دھیمے انداز میں پکارا تھا۔

”جی فرمائیں!“ فوراً ہی جواب ملا تھا۔

"یہ میں کیا سُن رہا ہوں؟"
"کیا... ایسا کیا سن لیا آپ نے؟" جواباً سوال کیا گیا تھا۔
"تمہاری شادی ہو رہی ہے؟" ایک ایک لفظ کو چبا کر ادا کیا گیا تھا' سلوئ جو رُخ پھیرے کھڑی تھی' یکدم اس کی طرف پلٹی۔
"ہاں تو کیا ہوا؟ آخر ہر لڑکی کی شادی ہوتی ہے' میری بھی ہو رہی ہے' تو آپ کو کیا تکلیف ہو گئی؟" اس کا انداز بے خوف تھا' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ سراپا سوال بنی کھڑی تھی۔
"کیوں.... تم نہیں جانتیں مجھے کیوں تکلیف ہو رہی ہے؟ پیار مجھ سے کیا' شادی کسی اور سے کر رہی ہو' اگر ایسا ہی کرنا تھا تو مجھے کیوں لائیں اس راہ کی طرف؟" انتہائی جارحانہ انداز میں اسے جھنجھوڑ ہی ڈالا۔
"پلیز تیمور صاحب! ڈونٹ ٹچ می"۔ نرمی سے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے شانوں سے ہٹایا تھا۔
"میں آپ کے ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی"۔
"سلوئ' سلوئ! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ آخر ایسی کون سی خطا ہو گئی ہے مجھ سے' جس کی ایسی خطرناک سزا دے رہی ہو؟" ایک ہاتھ کا پنچ بنائے دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتے ہوئے وہ بہت بے بس دکھائی دے رہا تھا۔
"تم مرجانے کا کہو' میں آرام سے مان جاؤں گا' اُف تک نہیں کروں گا' لیکن ایسی سزا نہ سناؤ کہ نہ میں مر سکوں نہ جی سکوں"۔
"نہیں تیمور صاحب! میں کون ہوتی ہوں آپ کو سزا سنانے والی' پلیز اب جائیں یہاں سے' پھر کوئی نیا الزام سننے کی تاب نہیں ہے مجھ میں"۔ اس کے لہجے میں طنز ہی طنز تھا' مگر تیمور سن ہی کہاں رہا تھا' اسے تو لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کے جسم سے آہستہ آہستہ جان نکال رہا ہو' کانٹوں پہ بدن کو ڈال کر گھسیٹا جا رہا ہو۔
"کیا تمہیں بہت جلدی ہے شادی کی؟" وہ اپنے ہی سوالوں میں الجھا کھڑا تھا۔
"ہاں بہت جلدی ہے' اور آپ اتنی جلدی مجھ سے شادی کر نہیں سکتے' اسی لئے جو جلدی کرنے کے لئے تیار ملا اسی سے شادی کرنے کو تیار ہوں میں"۔ وہ رُخ پھیرے کھڑی تھی۔
"اچھا یہ بات ہے؟ ٹھیک ہے پھر تم سے اب مسز تیمور کی حیثیت سے ہی بات ہو گی"۔
"اونہہ.... یہ بھول ہے آپ کی"۔
"ہاں یہ تو وقت بتائے گا"۔
"جائیں پھر وقت کا انتظار کرتے رہیئے"۔ تیمور جس طرح آیا تھا اُسی طرح واپس پلٹ گیا۔
"کیا ہوا سلوئ آپی! یہ تیمور بھائی کیا کرنے آئے تھے؟" جاتے ہوئے تیمور کو دیکھ کر انزلہ نے سلوئ سے سوال کیا تھا۔
"تصدیق کرنے آئے تھے کہ کیا میں واقعی شادی کر رہی ہوں یا نہیں"۔
"تو کیا جواب دیا آپ نے؟"
"جو انہوں نے پوچھا' میں نے بتا دیا"۔ دماغ میں آئی سوچوں کو جھٹکتے اُس نے توجہ انزلہ کی اور کی۔
"چلیں پھر اب آجائیں' امی بلا رہی ہیں' اپنا ڈریس دیکھ لیں"۔ اس نے اپنے آنے کی وجہ بتائی تھی' سلوئ نے آنسو بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔
"آپی پلیز! حوصلہ رکھیں"۔ انزلہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے کندھے پر رکھ کر ہلکا سا دباؤ دیا' گویا کہہ رہی ہو' خود کو سنبھالیں۔
"اور پلیز امی کے پاس اس طرح روتے ہوئے مت جایئے گا' انہیں دکھ ہو گا"۔ سلوئ نے خود کو سنبھال کر ہلکے سے اثبات میں سر کو ہلایا اور باتھ روم کی طرف فریش ہونے چل دی۔

☆..........☆..........☆

"کیا ہوا تیمور! اس طرح اندھیرے میں کیوں بیٹھے ہو؟" رخسانہ بیگم نے کمرے کی لائٹ آن کرتے ہوئے بیٹے سے سوال کیا' جو صبح سے کمرا بند کیے بیٹھا تھا۔
"امی! سلوئ کی شادی ہو رہی ہے"۔ اس نے اپنی لہو رنگ ہوتی آنکھیں اُٹھاتے ہوئے ماں کو بتایا۔
"ہاں میں جانتی ہوں تیمور! میں نے جب یہ سب سنا تو میں گئی تھی ان کی طرف' میں نے تمہاری چاچی سے کہا تھا سلوئ میرے تیمور کی دلہن بنے گی' مگر انہوں نے اس بات سے صاف انکار کر دیا' اور اب سنا ہے عید کے بعد شادی ہے سلوئ کی"۔ رخسانہ بیگم نے صاف جھوٹ بول کر خود کو مظلوم ظاہر کیا تھا۔
"کیا چاچی اس طرح بھی کر سکتی ہیں؟" ایک سوچ تھی جو تیمور کے دماغ میں در آئی تھی۔
"اس کا مطلب ہے اب جو کرنا ہے مجھے کرنا ہے اور بنا وقت ضائع کیے کرنا ہے"۔ تیمور نے خود کلامی کی تھی۔
"کیا کہہ رہے ہو بیٹا؟" وہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکیں' اسی وجہ سے پوچھ بیٹھیں۔
"کچھ نہیں امی! بس آپ فکر مت کریں' بے فکر ہو کر شادی کی تیاریاں شروع کریں' سلوئ کی شادی صرف اور صرف مجھ سے ہو گی"۔
"یہ کیسے ہو سکتا ہے تیمور؟" وہ اس طرح تیمور کی طرف دیکھ رہی تھیں جیسے اس کی دماغی حالت بہک جانے کا اندیشہ ہو گیا ہو۔
"سب کچھ ہو سکتا ہے امی! بس آپ تیاری مکمل رکھیں"۔ وہ اسی انداز میں کہتا کمرے سے نکل گیا۔
"لگتا ہے اس لڑکے کے حواس کام کرنا چھوڑ گئے ہیں جو اس طرح کی باتیں کر رہا ہے' خیر بس ایک ماہ کی تو بات ہے' پھر اس سلوئ نامی بلا سے جان چھوٹ جائے گی' اور میں سکون سے ورشا کو اپنی بہو بنا کر لاؤں گی"۔

رخسانہ بیگم آزاد مستقبل کے بارے میں منصوبے بنا رہی تھیں۔ یہ بھول گئیں وہ اوپر والا ان کی سوچوں کا محتاج نہیں ہے' وہ جو کرنا چاہتا ہے "کُن" فرماتا ہے اور وہ ہو جاتا ہے' اور جس چیز کا وہ ارادہ فرمالے' پھر کسی کی مجال نہیں کہ وہ اس کے حکم سے روگردانی کر سکے۔

☆..........☆..........☆

پورا رمضان شریف کا مہینہ شادی کی تیاریوں میں کیسے گزرا پتہ ہی نہ لگا' اور اب آج سجاد صاحب کے گھر میں دن بھی سی زرد روشنی کے ساتھ طلوع ہوا تھا' کسی کو شاید اس بات کا احساس نہ تھا' مگر سلوئ جو شرجیل کی دلہن بننے جا رہی تھی' وہ طرح طرح کے احساسات میں گھری ہوئی تھی' سب لوگ اپنے ذمے لگے کاموں کو اس طرح نمٹا رہے تھے جیسے یہ ان کی ڈیوٹی ہو' ایک وہ اکیلی تھی جو کمرے میں سکڑی سمٹی بیٹھی تھی' اس طرح جیسے کسی قافلے سے بچھڑ گئی ہو' دل خون کے آنسو رو رہا تھا' پیلے جوڑے کی زردی اس کے چہرے پر کھنڈی ہوئی تھی' ہر گزرنے والا پل اُسے اس گھر کی رونقوں سے دور کر رہا تھا' وہ جانتی تھی بس چند گھنٹوں بعد ہی دیوارِ چین جتنی مضبوط دیوار اس کے اور تیمور کے درمیان بلکہ ان کی سوچوں کے درمیان بھی حائل ہو جائے گی' پھر کبھی وہ تیمور کو نہ سوچ سکے گی' بڑی عجیب سی بات تھی وہ دلہن شرجیل کی بننے جا رہی تھی' مہندی اور ابٹن اس کے نام کا لگائے بیٹھی تھی' لیکن اس کے دل و دماغ اور سوچوں پہ صرف اور صرف تیمور قابض تھا' وہ مسلسل تیمور کو سوچے جا رہی تھی' شاید آخری مرتبہ.... یا پھر شاید اسے اب اسی طرح سوچتے رہنا تھا' ابھی اُسے سوئے دیر ہی کتنی ہوئی تھی کہ انزلہ اُسے اٹھانے لگی۔
"سلوئ آپی! اب اُٹھ جائیں' پارلر بھی جانا ہے"۔ اور وہ اپنی لال سوجی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اُٹھ بیٹھی' شادی والا گھر تھا' سارا دن کاموں میں مصروف گزر گیا' اور اب شام دھیرے دھیرے رات کے آنچل میں پناہ لے رہی تھی' عموماً شادی کے گھر میں جس طرح کا شور

اور ہنگامہ ہوتا ہے، کچھ اسی طرح کا ہنگامہ سجاد صاحب کے گھر میں نظر آ رہا تھا' رنگ و خوشبو کے اس میلے میں کتنے دل اُداس تھے' کوئی نہیں جان پایا تھا' کیونکہ سب اپنے اپنے چہروں پر استقبالیہ مسکراہٹ سجائے اس ہنگامے میں پوری طرح مگن نظر آ رہے تھے' مقررہ وقت پر شادی ہال میں پہنچنے کی تائید بار بار فضا میں گونجتی اور پھر اس شور و ہنگامے میں دب کر رہ جاتی' گویا کسی کا ارادہ ہی نہ ہو اس تائید پر کان دھرنے کا۔ سلویٰ فیضان (کزن بھائی) کے ساتھ پارلر جا چکی تھی' پھر وہیں سے اسے شادی ہال میں پہنچنا تھا۔

''انزلہ.....!'' مسز سجاد بیٹی سے مخاطب تھیں۔

''جی امی!''

''بیٹا! پتہ تو کرو وہ لوگ کب تک نکلیں گے گھر سے بارات لے کر' یہ نہ ہو وہ لوگ نکل چکے ہوں اور تم سب یہیں ہو' پھر کون وہاں ان کا استقبال کرے گا؟'' مسز سجاد فکر مند نظر آ رہی تھیں۔

''اچھا امی! کرتی ہوں''۔

''ہاں ذرا جلدی.....''۔

''امی! وہاں تو کوئی فون ہی نہیں اٹھا رہا''۔ کچھ دیر بعد ہی انزلہ ماں کے سامنے کھڑی کہہ رہی تھی۔

''ہاں تو بیٹا! وہ لوگ نکل چکے ہوں گے' بس اب فٹافٹ نکل چلو''۔ اور پھر جلدی جلدی سب سمیٹ کر وہ سب بارات کے استقبال کے لئے شادی ہال پہنچ گئے' ان کے پہنچنے کے کچھ دیر بعد ہی سلویٰ بھی پارلر سے تیار ہو کر وہاں آ گئی' لیکن بارات کی آمد اب تک نہیں ہوئی تھی' شادی ہال کے سنگھار روم میں مستعد فوٹو گرافر اپنی ہنر آزمائی کے منتظر تھے' بھاری جوڑے اور زیورات میں لدی پھندی سلویٰ نے بمشکل راستہ طے کیا اور ڈریسنگ روم کے صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا سلویٰ آپی! بی بریو یار! شادی میں تھکن تو ہو جاتی ہے' مگر یہ تھکن چہرے پر نہ آنے دینا' ورنہ کل بھی اچھی تصویریں نہیں آئیں گی''۔ انزلہ جو سلویٰ کی شادی کی خبر سے اب تک سلویٰ کو سنبھالے ہوئے تھی' نجانے کب اور کیسے وہ اتنی بڑی ہو گئی کہ اپنے سے بڑی بہن کو نصیحتیں کرنے لگی تھی' اب بھی اسے فریش رہنے کو کہہ رہی تھی۔

''پانی پیئوں گی میں اور تھوڑی دیر ریلیکس ہونا چاہتی ہوں''۔ سلویٰ نے تھکن بھرے لہجے میں کہا۔

''اور یہ سب ابھی نہیں''۔ اس کا اشارہ فوٹو سیشن کی طرف تھا' انزلہ نے اثبات میں گردن ہلائی اور پانی لینے کے لئے باہر چلی گئی' سلویٰ نے کمر صوفے کی پشت سے لگانے کی کوشش کی مگر عروسی ملبوس کا آنچل بھاری اور اکڑا ہوا تھا کہ وہ کلس کر رہ گئی' دلکش رنگوں کے نگینوں سے مزین بھاری زیورات اس کی گردن جھکائے دے رہے تھے' یہ سب اس کے سسرال کی طرف سے آیا تھا' اس میں سے ایک ہلکا سا سونے کا سیٹ سلویٰ کے گھر کی طرف سے تھا' باقی بھاری زیورات اس کی ساس شادی کے جوڑے کے ساتھ دے گئی تھیں' بس کچھ دیر باقی تھی اس کی زندگی کا ایک باب اختتام کو پہنچنے والا تھا' نہ چاہتے ہوئے بھی نمکین پانی کے قطرے اس کی آنکھوں کو بھگو گئے۔

''یا اللہ! مجھے صبر عطا فرما''۔ اس کے لب بے آواز ہلے اور اسی وقت کوئی دستک دے کر اندر آ گیا۔

''بابا! آپ کو کیٹرنگ انچارج بلا رہا ہے''۔ ارم نے سجاد صاحب کو اطلاع دی۔

''اچھا بیٹا! جاتا ہوں''۔ انہوں نے اسے جواب دیا اور باہر کی طرف بڑھ گئے' مہمانوں کی آمد شروع ہو چکی تھی' گھر سے بھی تقریباً سب لوگ آ چکے تھے' اب انتظار تھا تو صرف بارات کا' جو اب تک نہیں پہنچی تھی' اور کافی وقت گزرنے کے باوجود بھی بارات کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا' ہر شخص کی زبان پر یہی سوال تھا۔

''بارات ابھی تک کیوں نہیں آئی؟'' وقت مقررہ بڑی تیزی سے بیتتے چلا جا رہا تھا' اور لاکھ کوشش کے باوجود بھی ان لوگوں سے کوئی رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا' سجاد

صاحب تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئے' گھر کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ پریشان تھا' مگر کوئی بھی آپس میں کچھ کہنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔

''بہت وقت بیت گیا ہے' کسی کو ان کے گھر بھیجو''۔ یہ مشورہ ان کی طرف سے آنے والی کسی فیملی کے سربراہ نے سجاد صاحب کو دیا تھا' سجاد صاحب ان کی بات سن کر وہاں آئے جہاں خاندان کے سب بڑے موجود تھے' انہوں نے ایک تفکر بھری نظر ان سب پر ڈالی' اور ہار کر ایک کرسی پر گر سے گئے۔

''اب ان لوگوں کے گھر جانا ضروری ہو گیا ہے''۔

''آپ لوگ مہمانوں کو ہینڈل کریں' میں کچھ کرتا ہوں''۔ فیضان جو سلویٰ کا ماموں زاد بھائی تھا' نے سجاد صاحب کو کہا اور اپنے دوست کے ہمراہ وہاں سے نکل گیا۔ فیضان اور علی کو گئے کافی دیر ہو گئی تھی اور اب تو مہمانوں میں بھی چہ میگوئیاں شروع ہو گئی تھیں' سب پریشان تھے' انزلہ باہر کی سچویشن دیکھنے آئی جہاں فیضان اور علی کی واپسی کے بعد سچویشن خاصی گھمبیر ہو چکی تھی' ہر کوئی اپنی بولی بول رہا تھا۔

''ضرور کوئی خاص بات ہو گی جو وہ لوگ ایسے عین وقت پر بارات لے کر نہیں آئے''۔ ایک طرف سے آواز اُبھری تھی۔

''ہاں بالکل اور مجھے تو لگتا ہے لڑکی ہی کا کوئی عیب عین وقت پر ان لوگوں کو پتہ چلا ہو گا' جب ہی یہ سب ہوا ہے' نہیں تو کون اس طرح کرتا ہے؟'' دوسری نے اپنے اندازوں کا قیاس ظاہر کیا تھا۔

''شکل سے تو ایسی نہیں لگتی ہے سلویٰ' مگر دلوں کے حال تو اللہ ہی جانتا ہے''۔ سجاد صاحب جواب تک سب برداشت سے کھڑے سن رہے تھے' کانوں پر ہاتھ رکھے دوسری طرف دوڑ گئے' تقریب کا ماحول آن کی آن میں بدل گیا' لوگ دھیرے دھیرے اپنی نشستیں چھوڑنے لگے تھے' گھر والے سب بوکھلائے ہوئے تھے' اگر ان سب میں کوئی مطمئن تھا تو صرف تیمور..... اور خوش تھیں تو صرف رخسانہ بیگم۔

''بھئی میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا نوکری کرنے والیاں اسی طرح کی ہوتی ہیں''۔ انہوں نے ساتھ بیٹھی اپنی بہن سے کہا جو ان کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھیں۔

''امی پلیز! بغیر دیکھے' بغیر جانے اس طرح نہیں کہنا چاہیئے''۔ قریب کھڑی کنزیٰ نے ماں سے دکھ بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''اونہہ.....'' رخسانہ بیگم نے نخوت سے ہنکارا بھرا تھا' اور پھر معجزہ ہو گیا' وہ شیراز صاحب جو کبھی بیوی کے سامنے بولنے کی ہمت نہیں کرتے تھے' آج ہمت کر بیٹھے' شیراز صاحب نے تیمور کا ہاتھ سجاد صاحب کے ہاتھ میں تھما کر کہا تھا۔

''یہ آج سے تمہارا بیٹا ہے' تم بیٹی دو یا نہ دو' یہ صرف تمہارا بن کر رہے گا''۔

''اس میں کیا شک ہے' یہ میرا ہی بیٹا ہے''۔ سجاد صاحب نے جواب دیتے ہوئے تیمور کے کندھے پر تھپکی دی تھی' شیراز صاحب شرمندہ سے ہو گئے' لیکن پھر بھی ہمت نہ ہاری اور دوبارہ گویا ہوئے۔

''میں آج اپنا بیٹا تمہیں سونپ رہا ہوں' یہ میرا بیٹا تھا مگر آج سے یہ تمہارا بیٹا ہے' اور سلویٰ میری بیٹی''۔ آن کی آن میں یہ بات پورے ہال میں پھیل گئی' اور رخسانہ بیگم جو مطمئن سی خوش گپیوں میں مشغول تھیں' تڑپ کر رہ گئیں۔

''یہ میں کیا سن رہی ہوں' شیراز صاحب!'' ان کا اشارہ جس طرف تھا شیراز صاحب خوب اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔

''ہاں' جو سنا صحیح سنا تم نے''۔ انہوں نے خوش دلی سے جواب دیا۔

''کیا میرے بیٹے کے لئے یہی رہ گئی ہے؟'' کتنا غرور تھا ان کے انداز میں۔

''ہاں یہی رہ گئی ہے' اور اب اپنا منہ بند رکھنا' آج جو کچھ بھی ہوا ہے اس سب کی ذمہ دار صرف اور

صرف تم ہو"۔ انہوں نے سرد انداز میں کہا اور آگے بڑھ گئے اور رخسانہ بیگم..... ان کا حال تو ایسا تھا جیسے چوٹ کھائی ناگن، وہ پلٹ کر واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھیں۔

☆..........☆..........☆

سنگھار روم ایک دم ڈھیر سارے لوگوں سے بھر گیا، کسی نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر بھاری آنچل ڈالا تو کسی نے سیدھے بیٹھنے کی تنبیہہ کی، اسی پل انزلہ آگے آئی۔

"آپی! آپ کا نکاح ہو رہا ہے"۔ وہ اس کے کان کے پاس جھکی کہہ رہی تھی۔

"مگر کس کے ساتھ؟" وہ جانے کیوں بے یقین سی ہو گئی تھی، ابھی انزلہ جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ گلے میں سُرخ و سفید مفلر لٹکائے ارجنٹ دولہا بنا تیمور قاضی اور دوسرے لوگوں کے ہمراہ اندر آ گیا، قاضی صاحب ایجاب و قبول چاہ رہے تھے اور سلویٰ جس نے انکار کی غرض سے نظریں اوپر اٹھائیں تو سجاد صاحب کی التجائی نظروں سے ٹکرا کر واپس پلٹ آئیں، اور وہ جو سوچتی تھی یہ لمحہ قیامت ہو گا، اس لمحے کا پتہ بھی نہ چلا، اور مبارک سلامت کا شور مچ گیا۔

"مبارک نہیں دو گی مسز تیمور!" سب سے نظر بچائے تیمور اس کی طرف جھکا سرگوشی میں کہہ رہا تھا، اس نے کوئی جواب نہ دیا وہ اس وقت خود کو سنبھالنے میں لگی تھی، کیا دعائیں اس طرح بھی قبول ہوتی ہیں، کیا معجزے اب بھی ہوتے ہیں؟ ہر طرف سے بے نیاز وہ بس خدا کے حضور عاجزی سے شکر ادا کر رہی تھی، جس نے اسے اس آزمائش میں کامیابی عطا فرمائی تھی، پھر جس طرح دولہا ارجنٹ تیار ہوا تھا اسی طرح سب کچھ ارجنٹ ہوتا ہوا بالآخر اختتام پذیر ہوا، اور پھر رخصتی کا وقت بھی آن پہنچا۔ سلویٰ، تیمور کے ہمراہ ہال سے ان کے گھر کی طرف رخصت ہو گئی، گھر پہنچ کر اسے تیمور کی خواب گاہ میں بٹھا دیا گیا، حالات جو بھی رہے تھے مگر وہ اس سے شادی سے خوش تھی، اور اب بے حد مسرور سی بیٹھی تھی، دلہن کے رنگ و روپ میں اس کا حسن ہر شے کو مات دے رہا تھا، تیمور کی لائی تمام چیزوں سے اسے دوبارہ دلہن بنایا گیا تھا، دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پہ سجائے وہ تیمور کے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ حجلہ عروسی کا در وا ہوا، تیمور اندر داخل ہوا، دروازہ لاک کر کے دھیمے دھیمے چلتے ہوئے آ کر سائیڈ صوفے پر جا بیٹھا، اور وہ جو تیمور کے اندر آنے پر سنبھل کر بیٹھی تھی یکدم حیران رہ گئی، کمرے میں معنی خیز سی خاموشی چھا گئی، کچھ پل کی خاموشی کے بعد اس کی سماعتوں سے تیمور کی دھیمی آواز ٹکرائی۔

"مجھے افسوس ہے سلویٰ! آپ کو انتہائی ناپسندیدگی و ناگواری کے باوجود مجھ سے شادی کے لئے آمادہ ہونا پڑا، میں آپ کی مجبوری سمجھ سکتا ہوں"۔

"یہ سب کیا کہہ رہے ہیں؟" سلویٰ حیرت سے سوچ رہی تھی، یکدم اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

"اوہ..... یہ میرے انکار کی وجہ سے ایسا کہہ رہے ہیں آہاہ..... سلویٰ بیگم! لگتا ہے تمہارا ساجن تم سے روٹھ گیا ہے، اور اب منانے کی باری تمہاری ہے، اس لئے فوراً منا لو ورنہ کہیں دیر نہ ہو جائے اور وقت گزر جائے"۔ سلویٰ نے ایسے سر ہلایا جیسے دل کو تسلی دے رہی ہو، اپنے لہنگے کو سنبھالتی بیڈ سے اُتر آئی، کمرے کی خاموش فضا میں ایک دم ترنم بھرا ساز پھیل گیا، لیکن تیمور اس کی طرف متوجہ ہی نہ ہوا، اور اسی طرح سر جھکائے اپنے شوز اُتارنے لگا، وہ چلتی ہوئی اس کے قریب کارپٹ پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی، تیمور خاموش نظروں سے اسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے پوچھنا چاہ رہا ہو۔

"کیا ہوا؟" سلویٰ نے اگلے ہی لمحے اپنے دونوں مہکتے ہوئے حنائی ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیئے۔

"تیمور! آپ ناراض ہیں؟"

"نہیں"۔ اس نے انکار میں گردن ہلائی۔

"پھر اس طرح کیوں کہہ رہے ہیں؟" اس نے شکوہ کیا۔

"میں نے کیا کہا ہے؟ میں تو یہ سب تمہاری ہی وجہ سے کہہ رہا ہوں اور اب جب یہ سب مجبوراً.....!"

"نہیں"۔ سلویٰ کو انکار میں گردن ہلاتے دیکھ کر وہ ذرا دیر کو چُپ ہوا، پھر دوبارہ بولنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ سلویٰ بول پڑی۔

"نہیں تیمور! آپ کچھ نہیں جانتے"۔

"کیا نہیں جانتا میں؟ میں سب جانتا ہوں، امّی میری شادی جلدی نہیں کرنا چاہتی تھیں، اور تم اتنا انتظار نہیں کر سکتی تھیں"۔

"نہیں تیمور! آپ حالات سے بے خبر ہیں"۔ سلویٰ کے یکدم آنسو نکل پڑے۔

"پلیز روؤ مت"۔ تیمور نے آگے بڑھ کر اس کے آنسو سمیٹے اور پھر وہ بکھر گئی، اور سب کچھ کہتی چلی گئی، وہ سب جو وہ نہیں جانتا تھا، اور تیمور پاگلوں کی طرح انکشافات کی زد میں تھا۔

"نہیں..... امّی اس طرح کچھ نہیں کہہ سکتیں"۔ تیمور بے یقین تھا، مگر روتی سلویٰ کو دیکھ کر یقین کرنا پڑا۔ اس نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر پیار سے دبایا۔

"پلیز سلویٰ! امّی کو معاف کر دو، بے شک تم نے بہت اذیت سہی ہے، لیکن میں اب سب کا ازالہ کر دوں گا"۔ تیمور پیار بھری سرگوشی کر رہا تھا، وہ اسے ساتھ لگائے بیڈ تک لایا اور پیار سے اسے بیڈ پر بٹھا دیا، خود بھی ساتھ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"تم جانتی ہو، تمہاری بارات کیوں نہیں آئی؟" اس کے ہاتھوں کو جکڑے وہ اس سے مخاطب ہوا۔

"نہیں"۔ وہ انکار میں سر ہلا رہی تھی۔

"مگر میں جانتا ہوں"۔

"ہیں..... آپ کیسے جانتے ہیں؟" سلویٰ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں ہی تو جانتا ہوں، میں نے ہی تو شرجیل کو کہا تھا، سلویٰ میری ہے، اور میں اس کا، مگر اس نے بس اتنی ہی بات سنی اور میرا فون کاٹ دیا، اور دیکھ لو رزلٹ میری خواہش کے مطابق نکلا"۔ تیمور جیت کے نشے میں چُور لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"اور وہ جو میری اتنی بدنامی ہوئی، اس کا کیا؟" وہ مصنوعی ناراضی دکھاتی ذرا سا دور ہوئی، تبھی تیمور نے اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کر لی، جھکی پلکیں، جھکی کی جھکی رہ گئیں۔

"میری طرف تو دیکھو سلویٰ!" وہ سرگوشانہ انداز میں گویا ہوا تھا، وہ پوری جان سے کانپ سی گئی، پھر اپنی اٹھتی گرتی پلکیں اُٹھا کر ایک لحظہ کو اس کی آنکھوں میں دیکھا، لیکن ان آنکھوں کی چمک اور بے خودی کے نظارے کی تاب نہ لا سکی، اور گھبرا کر آنکھوں کے ساتھ گردن بھی جھکا لی۔

"تم بہت پیاری ہو سلویٰ!" آج تو وہ بن پیئے بہک رہا تھا، سلویٰ شرم سے گلنار ہوئی جا رہی تھی، اور تیمور اس کے نازک، نگینے کی طرح خوبصورت اور چاندنی کی طرح چمکتے دمکتے وجود کو خود میں سمیٹے ہوئے خوش کلامی کر رہا تھا۔

"ویسے تو عید گزر گئی ہے، مگر میری عید اب شروع ہوئی ہے، اس لئے عید اور نئی زندگی مبارک ہو میری جان!" اور سلویٰ بے اختیار اللہ کا شکر بجا لائی کہ جس نے سب بگڑے ہوئے حالات کو سنوار دیا تھا، بے شک وہ غفور و رحیم ہے، دینے پر آئے تو دیتا ہی چلا جاتا ہے۔

☆..........☆..........☆

ثمرین اسلام الدین

افسانہ

خوش رنگ عید

دروازے پر مستقل بیل بج رہی تھی مگر کوئی کھولنے کی زحمت نہیں کر رہا تھا۔

”ارے یار کوئی تو کھول دو دروازہ سونے دو مجھے“۔ بیل کی چنگھاڑتی آواز سوئی ہوئی ثمر کے کانوں میں پڑی۔



”اٹھونا‘ دیکھ تو لو جا کر کون ہے جس کو چین نہیں آیا بھری دوپہر میں“۔ اپنے برابر میں ہاتھ مارا مگر آس پاس کوئی نہیں تھا مجبوراً اٹھنا پڑا‘ نیند کی جمائی لیتی وہ کمرے سے نکل کر باہر آئی۔

”گھر میں کوئی نہیں ہے کہاں چلے گئے سب کے سب‘ آ رہی ہوں“۔ مستقل ہوتی بیل کی آواز پر زور سے چلائی‘ ننگے پاؤں سر پر دوپٹہ ڈالے دروازہ کھولا۔

”کیا کام ہے بھائی کیوں بجا رہے ہیں دروازہ اگر قسمت سے لائٹ ہے تو“۔ اس نے تنک کر پوچھا۔

”ایک تو میڈم کب سے میں گرمی میں تپ رہا ہوں‘ لے جاؤں پھر یہ پارسل“۔ گرمی لگتا تھا اس کے بھی سوا نیزے پر پہنچ چکی تھی‘ پسینے سے شرابور کھڑا وہ بھی لڑنے کو تیار تھا‘ اس کے تیور دیکھ کر ثمر نے جلدی جلدی سائن کر کے پارسل لے لیا۔

”امی‘ خالہ‘ چچی‘ تائی“۔ اس نے چیختے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ کر پارسل کھولا۔

”آہ......“ پارسل کھول کر زوردار چیخ ماری۔

”کیا ہوا...... کیا ہوا ثمر کو......؟“ مختلف آوازوں کے ساتھ سب اوپر سے دوڑے چلے آئے‘ جبکہ اس کو کھڑا دیکھ کر حیران ہو گئے۔

”کیا ہوا ثمر کیا ہے یہ......؟“ مسکان نے آ کر اسے ہلایا۔

”یاہو......“ ثمر خوشی سے مسکان کو جھنجھوڑنے لگی۔

سنجیدہ نے میزاب کی طرف دیکھا سر کا اشارہ کر کے ثمر کو پاگل ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا۔ اس سے پہلے دورہ زیادہ بڑھتا امی نے چپل سے ہی خیریت پوچھ ڈالی۔

”کیا امی! کتنی تیز لگی ہے“۔ کمر سہلاتے ہوئے اس نے کہا۔

”کب سے پوچھ رہے ہیں کیا ہوا......؟ کیا ہے یہ مگر یہ لڑکی تو باؤلی ہی ہو گئی ہے آخر کیا ہے اس پارسل میں......؟“ امی نے پوچھا۔

”امی تائی‘ خالہ‘ چچی‘ مسکان‘ سنجیدہ‘ میزاب“۔

سب کے نام لینے کے بعد اس نے دوبارہ چاروں طرف نگاہ کی مگر کوئی نہیں بچا تھا۔

”جاؤ اوپر سے پکڑ کے لے آؤ سب کو“۔ سنجیدہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”ان کے نام بھی گن لے گی“۔

”کیا ہے اس میں کیوں نہیں بتاتی ہو“۔ سب نے جھنجھلا کر کہا کیوں کہ نہ تو وہ پارسل دے رہی تھی نہ بتا رہی تھی۔

”امی! ردا کی برتھ ڈے کا انویٹیشن کارڈ آیا ہے مابدولت کے لئے‘ کیونکہ ردا میرا ہے نا“۔ ثمر نے میزاب کے گلے لگ کر خوشی خوشی بتایا‘ مگر میزاب سے خوشی برداشت نہیں ہوئی‘ اس نے شارٹ کی صورت میں دور پھینکا ثمر نیچے جا گری۔

”جل گئی کم بخت“۔ اٹھتے ہی دھاڑی تھی۔

”صرف تجھے ہمیں نہیں؟“ سنجیدہ نے رنجیدہ انداز میں کہا۔

جبکہ چچی‘ تائی سب سر ہلاتی واپس اوپر جانے لگیں۔

”کوئی بات نہیں میرے ساتھ چلنا میں لے جاؤں گی تم کو“۔ ثمر نے دیالو انداز میں کہا اور شاہانہ طور پر مٹی جھاڑی مسکان نے کارڈ چھین لیا۔

”جھوٹی‘ مکار‘ ہمارا بھی نام لکھا ہے اس میں“۔

گولڈن پین سے لکھے چاروں نام جگمگا رہے تھے۔

”دیکھا ردا تمہارا نہیں ہم سب کا ہے“۔ مسکان نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا‘ تو میزاب نے کارڈ لے لیا۔

”دیکھو! تو نوٹ بھی لکھا ہے چونکہ 14 اگست والے دن برتھ ڈے ہے اس لئے وائٹ اینڈ گرین سوٹ پہننا شرط ہے“۔ میزاب نے آگاہ کیا۔

”اوہ...... کوئی گل نہیں کڑیو اسی بہانے کپڑے تو بنیں گے“۔ چاروں شور مچانے لگیں۔

”او...... اوہ بڑا شور مچ رہا ہے‘ کیا پارٹی وغیرہ ہو رہی

ہے یہاں"۔ مغل اور اشہد نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔

"وہ بھیا! آپیوں کی کسی سہیلی ردا کا برتھ ڈے کارڈ آیا ہے نا اس لئے اودھم مچا رہی ہیں"۔

"او...... آئی سی"۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیزی سے دیکھا۔

"تو پھر پارٹی ہو جائے"۔ دونوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔

"ہاں' ہاں مغل بھائی اشہد بھائی اوپر پارٹی ہی چل رہی ہے آئیں جوائن کریں پلیز"۔ سنجیدہ نے اترا کر کہا۔

"رائٹرز کے مینرز بھئی"۔ اشہد نے امپریس ہو کر کہا۔

"کیا پارٹی میرے بغیر اپنے پارٹنر کے بغیر میں ابھی بتاتی ہوں سب کو اب کچھ بچے گا تو ملے گا سب کو"۔ ثمر نے اوپر جاتے ہوئے دھمکی دی تو سب اس کے پیچھے اوپر بھاگے تھے۔

☆

"اب کتنی رہ گئی بریانی صبح سحری میں اٹھا بھی نہیں جائے گا اور پھر روزہ رکھ کر دوبارہ سے بریانی بنانے کی تیاری بھی کرنی ہے"۔ مغل نے پارسل پیک کرتے اشہد سے پوچھا اور گاہک سے پیسے لے کر ڈبے میں ڈالے۔

"ہاں بس اینڈ ہی چل رہا ہے"۔ اشہد نے مصروف انداز میں کہا۔

"ایسا کرتے ہیں اشہد روزوں میں کوئی اور کام کر لیتے ہیں' سیلز مینی یا پھر چوڑیوں کا اسٹال لگا لیتے ہیں' کیا خیال ہے......؟" مغل نے کہا۔

"یار! اتنے کوئی نوکری نہیں ملتی' دو پیسے کمانے میں کیا حرج ہے"۔

"اچھا سن کل تو ذرا سنبھال لینا مجھے کہیں جانا ہے"۔

"کہاں جانا ہے......؟" مغل نے پوچھا۔

"سمجھا کر یار"۔ اشہد نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"سدھر جا یار! کیوں فضول سی شرط کے پیچھے اپنا کریکٹر خراب کر رہا ہے"۔

"ابے کون سا کسی کو پتہ چلے گا بس میں بتانا چاہتا ہوں وہ ہی نہیں ہم بھی ڈیٹ پر جا سکتے ہیں"۔ اشہد نے خالد کے تصور سے کہا۔

"مرضی ہے تیری مگر مجھے صحیح نہیں لگ رہا"۔ مغل نے ایک بار اور سمجھایا۔

"بس ایک بار کامیاب ڈیٹ پھر وہی روٹین بڑی مشکل سے سیٹ کیا ہے سب کچھ' اب مجھے مت الجھا"۔ اشہد نے اسے چپ کروا دیا۔

☆

"بڑے ابا وہ...... اشہد بھائی کو پولیس نے......" مہران بدحواسی میں دوڑا چلا آیا' اس کی آواز پر سب متوجہ ہو گئے۔

"کیا ہوا اشہد کو......؟" بڑے ابا نے کڑک لہجہ میں پوچھا۔

"بڑے ابا! وہ اشہد بھائی آج کسی لڑکی سے ملنے گئے تھے' وہاں لڑکی کے بھائی اور باپ نے پولیس کو بلا لیا اور اشہد بھائی کو پکڑوا دیا اور ان کے موبائل سے مزمل بھائی (اشہد کے دوست) کے پاس فون کیا کہ وہ ان کی لاش یہاں پڑی ہے لے جائیں' تو پھر مزمل بھائی' مغل بھائی اور مجھے لے کر وہاں گئے' مغل بھائی آگے تھے ان کو بھی پکڑ لیا' پولیس نے' ہم بائیک پر تھے واپس بھاگ کر آ گئے"۔ مہران نے دم لئے بغیر پوری داستان سنا دی۔

"کیا......؟" سب نے ایک ساتھ کہا تھا۔

"مجھے لگتا تھا یہ ایسا ہی کوئی چاند چڑھائے گا"۔ بڑے ابا نے فہمائشی نظروں سے تائی اماں کو دیکھا۔

"سڑنے دو اچھا ہے ہو جائے اچھی خاصی پٹائی' ہماری بات آج تک سمجھا نہیں' شاید پولیس کی زبان ہی سمجھ جائے"۔ بڑے ابا غصے سے ٹہلنے لگے۔

"بڑے بھائی بات کرنی پڑے گی نا جا کر مغل بھی تو ہے ساتھ"۔ چچا نے اپنے بیٹے کے بارے میں کہا تو چچی نے بھی تائید میں سر ہلایا' سب کے سب پریشان ہوئے

تھے' گھر کے دونوں جوان بچے پکڑے گئے تھے متفکر ہونا لازمی تھا۔

☆

"کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے تم لوگوں نے خاندان کی عزت میں چار چاند لگانے کی' آج تک وہ ہی کام کرتے آ رہے ہیں' جو کبھی ہماری سات پشتوں نے نہیں کیا' پہلے بریانی بیچنے لگے' اب تھانے کی ہوا بھی کھا آئے"۔ بڑے ابا نے دونوں کو قہر بھری نظروں سے گھورا۔

"وہ ابا جان! میں اپنے دوست سے ملنے گیا تھا پتہ نہیں کیسے پولیس......" میمنے کی طرح منمناتے ہوئے کہا۔

"کس سے ملنے گئے تھے اور کہاں گئے تھے' سب کرتوتوں سے آگاہ ہوں میں' مہران نے سب بتا دیا اور پولیس اسٹیشن میں بھی سب پتہ چلا ہے' وہ تو شکر ہے ایس پی جاننے والا نکل آیا پتہ نہیں کتنا اور خوار ہونا پڑتا"۔ ابا کے کہنے پر اشہد بری طرح شرمندہ ہوا تھا۔

"میں تو کہتی ہوں بڑے ابا! جوتے مار لیں مگر یہ برف کے کوڑے نہیں ماریں"۔ ثمر نے ہمدردی سے کہا' تو مغل نے ٹیڑھی نظروں سے گھورا تھا۔

"آج میری طرف سے یہ پہلی اور آخری مدد سمجھنا اور آئندہ کی امید مت کرنا' خدا نے ایک بیٹا دیا وہ بھی کسی کام کا نہیں' اتنا پڑھایا لکھایا مگر اس کا بھی اثر نہیں کیا' حرکتیں بے ہودہ ہی ہیں"۔ بڑبڑاتے ہوئے بڑے ابا کمرے سے چلے گئے تو مغل اور اشہد نے سکون کا سانس لیا اور صوفے پر بیٹھ گیا' ان کے بیٹھنے پر دونوں چچا بھی ملامتی نظروں سے دیکھتے ہوئے چلے گئے تھے۔

"بھیا! تو کیسا رہا تھانے کا ٹرپ"۔ میزاب نے مغل سے پوچھا تھا۔

"لگا لو جلے پر نمک' بہت مزہ آ رہا ہے تم سب کو ہنس رہے ہو' کوئی غم نہیں ہے' تم کو ہمارے جیل جانے کا"۔ اشہد نے غصے سے کہا۔

"ہاں تو کس نے کہا تھا ایسے کام کرنے کا' ایسے کاموں کا انجام ہی ایسا ہوتا ہے"۔ ثمر نے بے فکری سے کہا۔ ثمر کے کہنے پر اشہد نے اس کے بال پکڑ لئے۔

"کیا ہے اشہد! پھر شروع ہو گئے لڑائی جھگڑے میں' ابھی ڈانٹ پڑی کوئی اثر نہیں ہوا نا بچے تم پر"۔ تائی امی بولی تھیں۔

"وہ اماں! میں تو مذاق کر رہا تھا"۔

"تو بیٹا! سنجیدہ ہو جاؤ مسکان بیٹا بھائیوں کو کھانا دے دو اور اب لڑنا نہیں جلدی سو جانا' صبح پھر کوئی اٹھے گا نہیں"۔ تائی امی واپس کمرے میں چلی گئیں۔

"ہاں تائی امی! دے دیتے ہیں کھانا بے چارے اتنے بڑے معرکے کو سر کر کے آ رہے ہیں' ہیں نا مسکان"۔ میزاب نے چڑایا۔

"بھائی! کیا ہوا تھا وہاں......؟" ٹیپو نے پوچھا۔

"کیا ہوتا ٹیپو سلطان پولیس والوں نے ہماری تلاشی لی اور جو کاغذ نکلے تھے وہ برآمد کر کے کہنے لگے کہ یہ تو بم بنانے کا فارمولا ہے اور ہم بم بناتے ہیں' تو یہ بھائی صاحب کانپنے لگے تھے"۔ مغل نے اشہد کی طرف اشارہ کیا۔

"کہنے لگے بھائی جی' ذرا غور سے دیکھئے یہ بم بنانے کا نہیں بریانی بنانے کا فارمولا ہے ہم بریانی بیچتے ہیں جی"۔ مغل نے اشہد کی نقل اتاری۔

"وہ تو قسمت کی خرابی تھی کہ لڑکی پولیس والے کی رشتے دار تھی' آئندہ تو بھائی میں حسب و نسب دیکھ کر ہی بات بڑھاؤں گا"۔ مغل نے ایک اور بھانڈا پھوڑا کہ یہ بھی کہا تھا۔

"یعنی اب بھی سدھرنے کا ارادہ نہیں ہے"۔ میزاب نے پوچھا۔

"اور تم مولانا صاحب کیا کر رہے تھے' تھانے کی دیواروں پر"۔ اشہد نے بھی آنکھوں آنکھوں میں دھمکی دی۔

"کیا کر رہے تھے بھائی؟" ٹیپو نے پھر کہا تھا۔

"اللہ ہو اللہ ہو دیواروں پر لکھنا شروع ہو گیا' جیسے

وظیفہ پڑھ رہا ہو پولیس والے چھوڑ دیں گے یا پھر جیسے مسجد میں تبلیغ کرنے گئے ہوں"۔ اشہد نے کہا۔ سب کے سب ہنسنے لگے تھے ان کی حرکتوں پر۔

"تو بھائی ایسے کاموں سے دور رہا کریں نا"۔ مہران نے کہا تھا۔

"ادھر آ تجھے بتاؤں ابا سے ساری پول پٹی کھول کر رکھ دی، ہمیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا ابا کے سامنے"۔ اشہد نے اسے پکڑنے کی کوشش کی۔

"اور کیا مزل کو اب تو رحمت چاچا پڑوسی ہمارے ساتھ اٹھنے بیٹھنے بھی نہیں دیں گے"۔ مغل نے خیال ظاہر کیا۔

"چھوڑ یار! ایسے کیسے اٹھنے بیٹھنے نہیں دیں گے' بھاگنے دوڑنے تو دیں گے نا"۔ دونوں ایک دوسرے کے سہارے کمرے میں جانے لگے تھے' ان کو جاتے دیکھ کر سب کے قہقہے ابلے تھے۔

☆

"ثمر! بہن جلدی سے پکوڑے لے آؤ اور پاپڑ ......" ابا کو دیکھ کر الفاظ اشہد کے حلق میں اٹک گئے۔

"برخوردار! جمعہ کا ایک روزہ بھی بھاری لگ رہا ہے کیا......؟"

"نہیں تو ابا! میں تو ثمر کی وجہ سے کہہ رہا ہوں' تینوں چاروں اندر جو لگی ہیں' کبھی روزہ کھل جائے نا اس لئے لیجئے کھل گیا روزہ"۔ اشہد نے فوراً کہا تاکہ ابا کا گھورنا بند ہو جائے۔

"اماں! کھجور دینا' ثمر لے آؤ بھئی"۔ اشہد نے پھر نعرہ لگایا۔

"لیجئے بھائی! کھائیے پکوڑے"۔ سنجیدہ نے اس کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔

"جیو میری بہنا"۔ مغل نے بھی شربت کا گلاس منہ سے لگاتے ہوئے۔

"ادب سے کھاؤ مغل بھاگے نہیں جا رہے"۔ بڑے ابا نے کہا۔

"ہاں بڑے ابا میں بھی وہی......" ابا کے دیکھنے پر سر جھکا کر کھانے لگا۔

"چلو بھئی آ بھی جاؤ لڑکوں نماز پڑھ لیں' آ کر کھالینا"۔ چچا نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

سب اٹھ گئے تھے جبکہ وہ دونوں ہی لگے تھے کھانے میں۔

"ہاں چچا! چلیں بس"۔ منہ میں تربوز کا ٹکڑا رکھ کر دونوں اٹھ گئے۔

"اٹھانا نہیں دسترخوان ہم آ کر کھائیں گے"۔ اشہد نے مغل کے دل کی بات کہہ دی تھی۔

☆

"میزاب! ہم سب چھت پر جا رہے ہیں' جھنڈیاں لگانے تمہیں کوئی کام تو نہیں ہے نا"۔ سنجیدہ نے اعتکاف میں بیٹھی میزاب سے پوچھا تو اس نے نہیں میں سر ہلا دیا۔

"ثمر آ جاؤ' اوپر مسکان اوپر ہے میں بھی جا رہی ہوں اوپر مغل بھائی اشہد بھائی کے ساتھ مل کر جھنڈیاں لگا رہے ہیں"۔ سنجیدہ نے سیڑھی چڑھتے ہوئے کہا۔

"آ رہی ہوں' تم چلو بس یہ برتن خشک کر کے ریک میں لگا دوں"۔ ثمر نے آواز دی تھی۔

"ہلکی آواز کرو ٹیپ کی' اعتکاف کے دن ہیں خلل ہوگی"۔ ثمر نے مہران کو ڈانٹا۔

"پر آپی! یہ تو ملی نغمے ہیں نا"۔ مہران نے حیران ہو کر کہا۔

"ملی نغمے ہیں تو کیا ہوا' میوزک کی آواز تو ڈسٹرب کرے گی"۔

"ہاں یہ تو ہے"۔ اس نے آواز کم کر دی۔

"ثمر! کل یاد ہے نا کیا ہے"۔ جھنڈیوں پر گلو لگاتے اور دھاگے سے چپکاتے ہوئے سنجیدہ نے یاد دلایا۔

"یاد ہے' کل کا دن تو میں انگلیوں پر گن رہی ہوں کیونکہ کل "ردا" کی برتھ ڈے میں جانا ہے نا"۔ ثمر نے جوش سے کہا۔

"کپڑے بھی سارے سل گئے ہیں تینوں کے"۔ مسکان نے بھی کہا۔

"ہاں یار! افسوس ہے کہ میزاب ہمارے ساتھ نہیں ہوگی"۔ ثمر نے کہا۔ کیونکہ وہ اعتکاف میں بیٹھی تھی اور 14 اگست 27 ویں رمضان کی شب بھی ہوتی۔

"ویسے کونسی فرینڈ ہے تم چاروں کی"۔ اشہد نے پوچھا۔

"فرینڈ نہیں بھائی جو ہر مہینے ہم لڑ جھگڑ کر آپ سے "ردا" منگواتے ہیں ڈائجسٹ اس کی برتھ ڈے میں جانا ہے"۔ سنجیدہ نے جواب دیا تینوں کی آنکھیں کل کے خیال سے روشن تھیں۔

"واہ بھئی بہت بڑے پیمانے پر ہوگی' جو تم چاروں کو بھی بلایا ہے"۔ مغل نے حصہ ڈالا۔

"پتہ نہیں بھائی' کل پتہ چلے گا جب ہم جائیں گے' تو سب رائٹرز سے ملیں گے واہ مزہ آ جائے گا"۔ مسکان نے جواب دیا تھا۔

مغل اور اشہد دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئے تھے' چھت سج چکی تھی' بانس میں لگا جھنڈا چھت کے بیچ میں خوب سج رہا تھا' اور اس کے آس پاس چھوٹے چھوٹے قمقمے اطراف میں جھنڈیوں کی لہریں تھیں' چھت بہت اچھی لگ رہی تھی' سحری کرنے کے بعد سب نے اوپر آ کر ترانہ سنا پھر واپس نیچے چلے گئے تھے کہ سحری کا وقت ختم ہونے والا تھا۔

☆

"کیسی لگ رہی ہوں میں؟" مسکان نے گرین دوپٹے کو پن سے سیٹ کیا۔

"زبردست اچھی لگ رہی ہو"۔ ثمر نے دیکھے بغیر کہا اور جلدی سے نیچرل کلر کی لپ اسٹک لگائی۔

"کیا ثمر! دیکھا تو ہے نہیں"۔ مسکان نے کہا۔

"جلدی کرو لڑکیوں رحمت چچا' ٹیکسی لے کر کھڑے ہیں' تمہیں چھوڑ کر انہیں کہیں اور بھی جانا ہے"۔ چچی نے کمرے میں آ کر کہا۔

"ہاں امی! بس جا رہے ہیں ہم"۔ چچی نے دم کیا تینوں پر اور وہ ٹیکسی میں آ کر بیٹھ گئیں۔

"فلک لان ہے چچا! بتایا تھا نا میں نے آپ کو دیکھ تو لیا ہوگا آپ نے"۔ ثمر نے پوچھا۔

"ہاں بیٹا میں دیکھ آیا تھا صبح ہی"۔ چچا کے کہنے پر تینوں کو بے فکری ہو گئی۔

☆

"آئیں نہیں اب تک......؟" اشہد نے ٹہلتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آتی ہوں گی تازہ ہوا کھا کر کافی جوش میں گئی ہیں بے چاریاں"۔ مغل نے کہا۔

"کیا ہوا تو دیکھتا نہیں ہے کیسے ہم پر ہنستی ہیں ابا کی ڈانٹ پر اب ہم بھی تھوڑا سا ہنس لیں گے"۔ اشہد نے مصنوعی قہقہہ لگایا۔ مہران نے ان کی معنی خیز باتوں پر غور کیا مگر کچھ سمجھ نہیں آیا۔

"ایسے کیسے ہو سکتا ہے یار! کارڈ آیا تھا پھر وہاں کوئی انتظام نہیں......" ثمر بولتی ہوئی اندر آئی تھی دونوں کھڑے ہو گئے۔

"ثمر! تم جلدی آ گئیں ابھی آدھے گھنٹے پہلے ہی تو گئی تھیں تم لوگ"۔ چچی نے پوچھا۔

"چچی! مجھے تو خود سمجھ نہیں آ رہا' آخر ہوا کیا ہے ہمارے ساتھ' جہاں ہم لان میں گئے تھے وہاں تو کسی کی شادی ہو رہی تھی برتھ ڈے تو تھی ہی نہیں"۔

"ہاں دیکھو! یہ تو ایڈریس ہے جہاں ہم گئے تھے"۔ ثمر نے سنجیدہ کو دکھایا' سنجیدہ نے الٹ پلٹ کر دیکھا اس کی نگاہ کارڈ کے کوڈ نمبر پر گئی۔

"ابو......" سنجیدہ نے ابو کو آواز دی تو چچا بھی آ گئے۔

"کیا ہوا بیٹا......؟" چچا نے پوچھا۔

"ابو! ذرا دیکھئے یہ کارڈ ہماری شاپ پر تیار کیا گیا ہے"۔ سنجیدہ نے انہیں دیا۔

"ہاں بیٹا! یہ کوڈ نمبر تو ہماری ہی پرنٹنگ شاپ کا ہے' اور کارڈ بھی لگ رہا ہے کہ ہمارے یہاں سے تیار ہوا

ہے، مگر ابھی تک تو ایسا کارڈ کوئی تیار نہیں ہوا' یہ تو سمپل ہے نئے کارڈ کا''۔ چچا نے حیران ہو کر کہا تو تینوں رونے لگیں جبکہ مغل اور اشہد بوکھلا گئے۔

''ہماری کتنی بے عزتی ہوئی ہم تینوں یونیفارم جیسے کپڑوں میں لان کے اندر چلے گئے' سب ہمیں کیسے گھور رہے تھے''۔ ایک سے بڑھ کر ایک بولنے لگیں۔

''ابو یہ ان دونوں کا ہی کام ہے' اب تو مجھے یقین ہو گیا ہے''۔ ثمر نے ان کو گھیرا تھا۔

''کیا تھا ثمر! اگر تم فون کر کے پوچھ لیتیں تو''۔ مسکان نے کہا۔

''ارے تو تم بھی پوچھ سکتی تھیں''۔ تینوں آپس میں جھگڑنے لگیں' جبکہ وہ دونوں چپ چاپ نکل گئے کہ شامت یقینی تھی۔

''دیکھا لڑتی ہی نہیں تھیں کبھی آج کیسے لڑ رہی ہیں''۔ اشہد نے مغل کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

☆

''ہاں بس نکل رہا ہوں جان! بس پہنچ جاؤں گا جلدی''۔ میزاب کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اشہد نے کہا تھا' میزاب کے کان کھڑے ہو گئے' مگر دوبارہ پھر قرآن پاک پڑھنے لگی۔

''بڑے ابا! جلدی آئیں دیکھئے تو اشہد بھائی کو کیا ہو گیا ہے......؟'' مہران آگے آگے اور پیچھے مغل' اشہد کو پکڑ کر لا رہا تھا۔

''ابے اس کو چپ کرا لے یار! آج تو ابا مجھے اور توڑ دیں گے''۔ مگر دیر ہو گئی ابا سن چکے تھے۔

''کیا ہوا میرے بچے کو کس نے مارا ہے......؟'' تائی امی اشہد کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تائی امی! آج بھی اشہد بھائی کسی لڑکی سے ملنے گئے تھے' پتہ نہیں ایک تو ان لڑکیوں کے بھائیوں کو خبر کیسے ہو جاتی ہے کہ وہ اشہد بھائی کو مارتے ہیں بڑی مشکل سے دوکان تک آئے تھے بے چارے اشہد بھائی''۔ مہران نے کہا تھا تو اشہد کا دل چاہا وہ گلا دبا دے اس کا۔

''پتہ نہیں سارے دشمن نما دوست مجھے ہی کیوں ملے ہیں''۔ اشہد نے بے بسی سے گھورا۔

''وسیم......'' بڑے ابا نے چچا کو آواز دی۔

''جی بھائی......؟'' چچا آگے آ گئے۔

''مجھے لگتا ہے اس کا واحد حل کھونٹے سے باندھنا ہے' میں چاہتا ہوں عید کے دن یعنی کل یا پرسوں جب کی عید ہوتی ہے' اشہد اور میزاب کا نکاح کر دیا جائے شاید یہ اس طرح ہی سدھر جائے باقی بچوں کے لئے بعد میں سوچیں گے ابھی مجھے یہ کرنے پر اس نے ہی مجبور کیا ہے''۔

''ابا......'' اشہد نے صدمے سے چور آواز نکالی۔

''پتہ نہیں میرے کون سے کرموں کی سزا ہے جو مجھے یہ اولاد ملی جتنی عزت تھی میری سب ملیا میٹ کر دی اس لڑکے نے''۔ بڑے ابا نے جاہ و جلال سے کہا تو اس کا سر جھک گیا۔

''اگر تمہیں کوئی اعتراض ہے تو بتا دو میں اس کو گھر سے نکال دیتا ہوں' شاید زمانے کی ٹھوکریں ہی اس کو بدل دیں' باپ کی ڈانٹ مار تو اس کو بدل نہیں سکیں''۔ بڑے ابا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' آنسو دیکھ کر اشہد کو پچھتاوا ہوا۔

☆

''اب کیوں افسردہ ہو رہے ہو' میں نے سمجھایا تھا مگر تم نہیں سمجھے' کتنی خواری ہوتی تھا نے بھی گئے پٹائی بھی ہوئی''۔ مغل نے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''یار! پہلی بار میں نے اپنی وجہ سے بڑے ابا کی آنکھوں میں آنسو دیکھے ہیں' اچھا نہیں ہوا وہ تو ویسے ہی اچھے لگتے ہیں ڈانٹتے جھڑکتے''۔ اشہد نے سنجیدگی سے کہا۔

''تو پہلی بار ان کا بیٹا پٹ کر بھی تو آیا ہے''۔ مغل نے شگفتگی سے کہا۔

''پتہ نہیں کیسے ان کم بختوں کو خبر ہو گئی پہنچ گئے سر پر' کیا ہوتا آج کی ڈیٹ کامیاب ہونے دیتے' تو جیت تو جاتا میں''۔ اشہد نے کہا۔

''چھوڑ یار! یہ کام شیطانوں کے ہیں تجھ جیسے انسانوں کے نہیں' ایسے کاموں میں ہارنا برا نہیں ہے یار''۔ مغل نے اسے سمجھایا۔

''ہاں تو صحیح کہہ رہا ہے سالے''۔ اشہد نے کہا۔

''کیا کہا سالا خبردار! جو یہ لفظ منہ سے نکالا تو''۔ اس نے کندھے پر رکھے ہاتھ کو زور دے کر کہا۔

''آئی سالے درد ہو رہا ہے' کیوں تو نے سنا نہیں ابا نے کیا کہا تھا ابھی اب تو بھائی ہے اس کا تو میرا سالا ہوا نا''۔ اشہد نے درد برداشت کرتے ہوئے کہا۔

''زیادہ بولے گا نا یہ کندھا تیرا ہونے والا سالا توڑ دے گا نہ ہونے والے نے تو چھوڑ دیا''۔

☆

عید کے دن سب جمع تھے' نکاح ہو چکا تھا' آف وائٹ شیروانی میں اشہد کھلا کھلا پھر رہا تھا' سب میزاب کو چھیڑ رہے تھے کہ اشہد اسے اعتکاف کے انعام میں ملا ہے' اشہد نے ابا سے معافی مانگ لی تھی' منت و سماجت کے بعد ابا نے معاف کر ہی دیا۔

''اشہد بھائی! ذرا ادھر تو آئیں''۔ ثمر نے آواز دے کر اوپر بلایا۔

''کیا ہے آج تو چین لینے دو نکاح ہوا ہے میرا''۔ اشہد نے مصنوعی غصے سے کہا۔

''اچھا ذرا کمرے میں الماری کے اوپر سے کیمرہ تو اتار دیں''۔ ثمر کے کہنے پر وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس نے باہر سے کمرہ بند کر دیا۔

''ثمر! کیا مذاق ہے دروازہ تو کھول دو' کیوں بند کیا ہے''۔ اشہد جھنجھلا گیا۔

''کھل جائے گا دروازہ بھی پہلے میری بات تو سن لو''۔ میزاب کی آواز پر وہ کرنٹ کھا کر پلٹا تھا۔

''کیسی بے شرم لڑکی ہو ابھی نکاح ہوا ہے اور ابھی سامنے آ گئیں''۔

''میں نے ملنے کے لئے نہیں' بس ایک بات بتانی تھی' میں بہت گلٹی فیل کر رہی تھی''۔

''معافی کس بات کی؟'' اشہد نے چونکتے ہوئے پوچھا' اس کی ساری حس بیدار ہو گئیں۔

''وہ اس دن جب تم جا رہے تھے میں نے تمہیں فون پر بات کرتے سنا اور کچھ دن پہلے ہی کسی لڑکی کے بھائی کا فون آیا میرے اعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے بہت دھمکیاں دیں تھیں اس نے اسے میں نے آگاہ کر دیا تھا کہ تم ملنے جا رہے ہو اس لڑکی سے''۔ میزاب نے ڈرتے ڈرتے وضاحت کی۔

''کیا......میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا تم' تمہیں اعتکاف میں بھی چین نہیں آیا''۔

''لے لیا بدلا ہمارے مذاق میں ''ردا'' کا کارڈ بنا کر بھیجنے کا''۔ وہ غصے سے بولا۔

''نہیں وہ بات نہیں ہے' مجھے اچھا نہیں لگتا تھا آپ کا دوسری لڑکیوں سے بات کرنا بس اس لئے''۔ انگلیوں کو مروڑتے ہوئے شرمندہ شرمندہ کہا۔

''اچھا مجھے خود شرمندگی ہے اپنی حرکتوں پر' چلو چھوڑو ان باتوں کو ویسے ایک بات تو اچھی ہوئی ہمارا نکاح ہو گیا''۔ اشہد نے ٹون بدلی' اس کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا۔

''اور اعتکاف میں بیٹھنے سے نور آ گیا ہے تمہارے چہرے پر' آج تک تو ہیرو کو ہیروئن کے پاس جاتے نہیں سنا تھا' ہیروئن کا خود ہیرو کو بلانا آج پہلی بار ہوا ہے''۔ اشہد نے چھیڑا۔

''میں نے صرف آپ کو کزن ہونے کے ناتے بلایا ہے' معافی کے لئے اور کچھ نہیں''۔ جلدی سے گھبراہٹ میں کہہ گئی۔

''چلئے بھئی ملاقات کا وقت ختم ہوا''۔ اس سے پہلے اشہد کچھ اور کہتا ثمر نے دروازہ بجا کر اعلان کر دیا۔ مسکراتے ہوئے اشہد کھولے گئے دروازے سے باہر نکل گیا' اور میزاب سوچنے لگی' واقعی وہ اس کے لئے انعام ہی تو تھا' جس کو خدا سے اس نے مانگا تھا۔

☆

تبسم فیاض

افسانہ

میری عید ہوئی

ٹی وی پر رمضان کا چاند نظر آنے کی اطلاع پر ایمن اچھل گئی اور بھاگتی ہوئی مشعال سے لپٹ گئی۔

''اپیا! رمضان مبارک ہو''۔ پھولتی ہوئی سانس کے ساتھ ایمن بولی۔



''تمہیں بھی رمضان مبارک ہو''۔ مشعال بوجھل دل اور پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''مما' مما میں سحری میں خالی ایک دودھ کا گلاس اور سلائس جیم کے ساتھ لوں گی' آپ مجھے لمبی چوڑی سحری کے لیے نہیں اٹھائیے گا''۔ ایمن ہمیشہ کی طرح سحری میں وقت پر اٹھنے کی چور تھی لہٰذا اپنی ہدایات لے کر سلمٰی بیگم کے پاس موجود تھی۔

رمضان میں مشعال کے ہونٹوں پر مزید تالے لگ جاتے تھے' ایک تو وہ تھی ہی کم گو اور مزید دل کا درد اسے اور بوجھل کر دیتا تھا۔ سلمٰی بیگم اس کی خاموشی کی وجہ جانتی تھیں اور دل ہی دل میں اس کی خوشیوں کی دعائیں مانگتی تھیں۔

''پلیز آریان! آ جاؤ نہیں تو کوئی رابطہ تو کرو''۔ کمرے میں آ کر مشعال پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اب انتظار اس کی برداشت کی ساری حدیں ختم کر رہا تھا۔

سلمٰی بیگم کی دو ہی بیٹیاں تھیں' مشعال اور ایمن۔ زوہیب صاحب ایک بہت اچھی کمپنی میں مینجنگ ڈائریکٹر تھے' گھر کے حالات بہت ہی اچھے تھے' ایک دن سلمٰی بیگم کی بہن کا فون آیا کہ وہ اپنے بیٹے آریان کو کراچی بھیج رہی ہیں تاکہ آریان اپنی جاب (پریکٹس کے طور پر) تھوڑا عرصہ کر کے تجربہ حاصل کر لے پھر اس کا پروگرام لندن جانے کا ہے' لہٰذا وہ چند مہینے' یہاں رہے گا جسے سن کر سلمٰی بیگم خوش ہو گئیں اور آریان کے استقبال کی تیاری شروع ہو گئی۔ ایمن اور مشعال بھی اپنے اس کزن کا سوچ کر بہت خوش تھیں۔

آریان ایک وجیہہ شخصیت کا خوبرو نوجوان تھا' جسے دیکھ کر ہر لڑکی اس کے ساتھ کی تمنا رکھ سکتی تھی' ایسا ہی حال مشعال کا تھا آریان کو دیکھ کر۔

آریان بہت مطمئن ہوا اس گھر میں آ کر کیونکہ اسے ڈر تھا کہ آنٹی کے گھر کا ماحول اگر اس کی سمجھ میں نہیں آیا تو وہ کیا کرے گا۔ آریان اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا' لیکن اس کی تربیت اس کی شخصیت سے ہی پتہ چل جاتی تھی' زوہیب صاحب کو بھی آریان بہت پسند آیا' وہ بھی اسے مشعال کی نظر سے دیکھنے لگے۔

آریان بہت جلد مشعال اور ایمن سے گھل مل گیا آہستہ آہستہ اسے مشعال کا سوبر انداز اٹریکٹ کرنے لگا' وہ چلتے پھرتے مشعال کو کچھ بھی کہہ دیتا اور مشعال گلنار ہو جاتی۔

چند مہینوں میں آریان نے اپنی ذہانت کے باعث انجینئرنگ میں کافی تجربہ حاصل کر لیا' اب اس پر لندن جانے کی دھن سوار ہونے لگی۔ سب بہت خوش تھے کہ آریان کا فیوچر بہت برائٹ ہے' لیکن مشعال کا دل بہت پریشان رہنے لگا' اسے صرف آریان سے دور ہونا کھل رہا تھا۔

کچن میں آٹا گوندھتے ہوئے مشعال کے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے' آریان چائے بنانے کا کہنے آیا تو مشعال نے بنا پلٹے ہی اسے ''اچھا ابھی دیتی ہوں'' کہہ دیا اس کی بھرائی ہوئی آواز سے آریان کو ڈاؤٹ ہوا کہ مشعال رو رہی ہے' وہ فوراً اس کے سامنے آ گیا۔

''کیا بات ہے مشعال؟ تم رو رہی ہو؟'' آریان نے اس کی سرخ اور بڑی بڑی آنکھیں سوجی ہوئی دیکھیں تو بولا۔

''پلیز مجھے بتاؤ کیا بات ہے' مجھے پریشانی ہو رہی ہے تمہارے رونے سے''۔ آریان پریشانی سے بولا۔

یہ سنتے ہی مشعال پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''اچھا اوکے' ابھی کچھ نہ بتاؤ لیکن میں رات کو چھت پر تمہارا انتظار کروں گا' مجھے بھی تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں' آنا ضرور''۔ آریان کہہ کر چلا گیا۔

جب 11 بجے سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو آریان کے میسیج مشعال کے پاس وقفے وقفے سے آنے لگے۔

''مشعال! پلیز اوپر آؤ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں''۔

مشعال آخرکار ہمت کر کے اوپر آ گئی' پنک کلر

کے سوٹ میں ریڈ ناک اور ریڈ آنکھوں اور گلابی چہرے کے ساتھ مشعال جب اوپر آئی تو آریان نظریں ہٹانا ہی بھول گیا۔

''مشعال! میں جانتا ہوں تم کیوں پریشان ہو' تم میرے جانے کی وجہ سے ٹینس ہوناں؟'' آریان نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ مشعال نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔

''پریشان میں بھی ہوں تم سے دور جانے کا سوچ کر' لیکن یہ ہمارے لیے بہتر ہے میں نے کبھی تم سے اپنے فیوچر کے حوالے سے بات نہیں کی' لیکن اب وقت ہے یہ بات کہنے اور کرنے کا''۔ آریان نہایت میچور اور سنجیدہ لہجے میں بولا۔

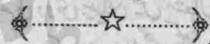
''مشعال! میں نے کبھی کسی لڑکی کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا لیکن جب سے میں یہاں آیا ہوں تمہارے انداز و اطوار مجھے بہت پسند آئے ہیں' تم وہ واحد لڑکی ہو جو میرے دل کا چین اور قرار لوٹ کر لے گئی ہو' میں تمہیں پسند ہی نہیں بلکہ بہت محبت کرتا ہوں اور دو سال کی تو بات ہے اس کے بعد اسی طرح رمضان میں آ کر تمہارے ساتھ روزے رکھ کر عید اپنے گھر میں مناؤں گا اور تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا (یار باقاعدہ شادی کر کے)'' آریان مشعال کے گھورنے پر وضاحت دے کر ہنس پڑا۔

''وعدہ کرو مشعال اور مجھے بھی کوئی ایسی بات بولو کہ میں اپنے دو سال تمہارے ان جملوں کے سہارے گزار سکوں''۔ آریان نے مشعال کے دمکتے چہرے کو تکتے ہوئے کہا۔

''میں وعدہ کرتی ہوں آریان! میں اپنا آپ تمہاری امانت بنا کر رکھوں گی' جب تک تم نہیں آتے لیکن پلیز آریان وہاں جا کر یہ وقت اور یہ لمحات بھول نہیں جانا' میں تمہارا انتظار کروں گی اور اس وقت کا بھی جب میں اور تم مضبوط بندھن میں بندھ جائیں گے''۔ پھر کافی دیر تک دونوں باتیں کرتے رہے اور ایک دوسرے کی محبت پر رشک کرتے رہے۔

آخر کار آریان لندن چلا گیا' ایک دو دفعہ رابطے کے بعد اس نے مشعال سے الگ سے کوئی رابطہ نہ رکھا اور اب آریان کو گئے ہوئے چار سال ہو گئے تھے اور مشعال اپنے آپ سے جنگ کر کر کے تھک گئی تھی۔ یہ انتظار اسے کسی سانپ کی طرح ڈستا جا رہا تھا' کبھی آریان کا فون آ جاتا تو وہ سلمیٰ بیگم اور ایمن سے بات کر کے رکھ دیتا' کبھی مشعال کا غلطی سے پوچھتا بھی نہیں تھا' مشعال اپنے آپ کو ٹٹولتی اور یاد کرنے کی کوشش کرتی کہ اس رات آریان کے کسی بھی انداز اور بات سے جھوٹ کا شائبہ تک نظر نہ آتا تھا۔

''پھر کہاں میں غلط ہوئی؟'' مشعال سوچ سوچ کر رو جاتی۔ ہر رمضان اور عید اس کی انتظار میں گزر جاتی' اب تو اس نے آس بھی چھوڑ دی تھی۔ جس شخص کو اپنا وعدہ یاد نہیں اسے رمضان یا عید یہاں گزارنے کا کیسے یاد ہو گا۔



روزے گزرتے جا رہے تھے اور پہلا عشرہ ختم ہو گیا تھا لیکن آج گھر میں سب بہت خوش لگ رہے تھے' ایک رونق گھر میں محسوس ہو رہی تھی اور آج مما نے افطار میں بہت اہتمام بھی کروایا تھا' آخر کار وہ نہ رہ سکی تو پوچھ بیٹھی۔

''ایمن! کیا بات ہے؟ کیا کوئی آ رہا ہے؟'' مشعال نے ایمن سے کہا۔

''ہاں آ رہا ہے آج کوئی لیکن یہ تو آپ افطار کے ٹائم ہی دیکھئے گا' مجھے خود مما نے نہیں بتایا''۔ ایمن نے اپنے طور پر جھوٹ کو سچ بنانے کی کوشش کی۔

افطار میں 20 منٹ باقی تھے کہ گاڑی رکی اور آریان گھر کے اندر داخل ہوا' زوہیب صاحب' سلمیٰ بیگم اور ایمن نے لپک کر استقبال کیا لیکن مشعال اپنی جگہ ساکت ہو گئی' اسے یقین نہیں تھا کہ اس کی دعائیں اس طرح پوری ہوں گی۔

آریان نے اسے اس کیفیت میں دیکھا تو خوب محظوظ ہوا لیکن اسے مزید تڑپانے کے لئے اگنور کر دیا' ایک نظر دیکھ کر اس کا اگنور کرنا مشعال کے لیے کسی امتحان سے کم نہیں تھا' سو وہ بھی سلام کے بعد اس سے کچھ نہ بولی' روزہ کھولنے کے بعد برتن سمیٹ کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی اور سب سے پہلے نمازِ شکرانہ ادا کی۔

شب و روز اسی طرح گزرنے لگے' نہ تو آریان نے اس سے کسی قسم کی شرمندگی اور اپنا وعدہ پورا نہ کرنے پر سوری کیا اور نہ ہی مشعال نے اس سے کوئی گلہ شکوہ کیا' دونوں ایک دوسرے سے کٹے کٹے رہ رہے تھے' بلکہ آریان تو ایزی ہو کر اس گھر میں چلتا پھرتا' ہنسی مذاق کرتا' لیکن مشعال اپنے آپ میں سمٹ گئی تھی' اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں آریان اگر وہ تمام باتیں بھول گیا تو اسے کیا کہہ کر یاد دلائے گی۔

''نہیں نہیں' ابھی مشعال اتنی پستی میں نہیں گری کہ کسی کو اپنا آپ یاد دلائے یا جتائے''۔ سوچ کر مشعال اور مضبوط ہو گئی۔

آریان کو غصہ اس بات پر تھا کہ مشعال نے اس سے ایک دفعہ بھی خود سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی' وہ اسے اور ستانے پر تل گیا۔

جب مشعال آس پاس ہوتی تو وہ ایمن سے لندن میں ساتھ کام کرنے والی لیڈیز اینجلی' جولی اور ریٹا کے بارے میں تفصیل سے بتاتا تا کہ کچھ تو حسد کی بناء پر مشعال کچھ بولے۔

لیکن مشعال اس کی باتیں سن کر دل ہی دل میں ڈرتی کہ کہیں ان میں سے آریان نے کسی سے کمٹمنٹ تو نہیں کر لی' تو وہ غور سے سنتی کہ ان سب میں سے آریان سب سے زیادہ کس کا ذکر کرتا ہے لیکن اسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ آریان اس کے کام کی کم ہوتی اسپیڈ سے سمجھ جاتا اور ٹاپک چینج کر دیتا۔

آخر کار تیسرا عشرہ بھی ختم ہو گیا اور لوگ چاند تلاش کرنے اپنی اپنی چھتوں پر پہنچ گئے' لیکن مشعال بوجھل دل کے ساتھ کام نمٹا کر اپنے کمرے میں آ گئی' جیسے ہی وہ اپنے بیڈ پر لیٹی اسے سائیڈ ٹیبل پر ایک بوکے نظر آیا' وہ حیران ہو کر اٹھی اور اسے اٹھا لیا' ساتھ میں ایک کارڈ اور پنک کلر کی چوڑیاں تھیں' کارڈ کھولا تو اوپر ''پہلی محبت'' جگمگا رہا تھا' ساتھ ہی ایک نظم اس کی محبت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

''خوشحال سے تم بھی لگتے ہو
یوں افسردہ تو ہم بھی نہیں
پر جاننے والے جانتے ہیں
خوش ہم بھی نہیں خوش تم بھی نہیں
چلو توڑو قسم اقرار کریں
ہم دونوں جھک بھی سکتے ہیں''

سنو' بنا کسی شکوے اور گلے کے نہ تو میں کوئی رابطہ رکھ سکا اور نہ ہی تم نے میری پلٹ کر خبر لی' سب باتیں ختم کر کے یہ پنک چوڑیاں پہن کر اوپر آ جاؤ' بڑی مشکل سے ایمن کو زبردستی اس کی دوست کے گھر چھوڑ کر اوپر تمہارا انتظار کر رہا ہوں' میں جب تک عید کا چاند نہیں دیکھوں گا جب تک تم اوپر نہیں آؤ گی...... آریان''۔

مشعال ایسے ہی کانچ کی چوڑیاں ہاتھ میں لیے خوشی سے بھاگتی ہوئی اوپر آ گئی تو سامنے آریان کو مسکراتا ہوا پایا' مشعال کو دیکھ کر وہ ایک ادا سے جھکا اور بولا۔

''یار! مجھے پتہ تھا یہ چوڑیاں مجھے ہی پہنانی پڑیں گی' ورنہ تم ایسے نہیں معاف کرو گی''۔ اور مشعال اپنے ہاتھوں میں چوڑیاں دیکھ کر اپنی بے خودی پر شرما گئی۔

آریان نے اسے چوڑیاں پہنا کر اسے منانے اور تڑپانے پر اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر سوری کہا اور پھر دونوں نے مل کر عید کے چاند کو دیکھ کر دعا مانگی اور تمام عیدیں اسی طرح ساتھ رہنے کا عہد کیا اور آریان نے مشعال کے ہاتھ پر اپنی محبت کی مہر ثبت کی' مشعال کی روح تک اس اظہار پر جھوم اٹھی۔

شازیہ مصطفیٰ عمران

قسط نمبر 14

سلسلے وار ناول

کبھی عشق ہو تو پتہ چلے

حرمانے جھینپ کے سر جھکالیا' وہ آج تک اتنا شوخ تو کبھی نہیں ہوا تھا' نگاہوں میں بھی معنی خیزی تھی' دونوں ساتھ تو تھے مگر ابھی بھی دونوں میں جھجک سی تھی' دونوں فاصلے پر ہوتے تھے' ذیشان نے خود کو سمجھایا ہوا تھا' جب تک



جاب نہیں لگے گی وہ حرما سے کسی بھی حقوق کا مطالبہ نہیں کرے گا۔
"بیٹھو"۔ اس نے بیڈ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
"وہ میں پلاؤ بنا رہی تھی دم پر لگایا ہے، برنر کی آنچ ہلکی کر کے آ جاؤں"۔ اتنی معصومیت سے وہ بولی ذیشان کو ہنسی آ گئی۔
"او کے"۔
جلدی سے روم سے نکلی مگر واپس وہ پندرہ منٹ میں آئی تھی جب تک ذیشان فریش ہو کر واش روم سے نکل چکا تھا۔
"اب تو کوئی کام باقی نہیں ہے نا؟" اس سے پوچھا۔ نفی میں سر ہلاتی ہوئی چیئر پر بیٹھ گئی اور وہ بالوں کو تولیہ سے رگڑ رہا تھا۔
"مجھے جاب مل گئی ہے"۔
"سچ..... "وہ تو خوشی سے بھرپور آواز میں گویا ہوئی۔
"ہوں...... کالج بھی قریب ہے تنخواہ ٹھیک ٹھاک ہے"۔ اس نے بتایا۔
"مبارک ہو"۔ حرما کو ایسا لگا جیسے بہت بڑی مشکل حل ہو گئی ہو۔
"آپ نے امی کو بتایا؟"
"امی کو سب سے پہلے بتایا ہے، مگر تمہیں اب بتایا ہے کیونکہ تم سامنے نہیں آتی ہو بلانا پڑتا ہے"۔ اس نے تولیہ حرما پر ڈالا، دوسری شوخ سی حرکت حرما کو اس کے انداز بدلے بدلے کسی اور ہی بات کا اشارہ کر رہے تھے۔
"میں کچن میں تھی لائٹ نے تنگ کر رکھا ہے، کوئی کام ٹھیک طرح سے ہوتا ہی نہیں ہے"۔ اس نے بات نکالی۔
"فکر نہیں کرو جنریٹر بھی لے لیں گے تاکہ تمام کام ہو جائیں"۔ وہ معنی خیزی سے گویا ہوا اور اس کے قریب آ گیا، حرما کا دل دھڑکنے لگا۔
"آپ کچھ دیر آرام کر لیں جب تک کھانا بھی ریڈی ہو جائے گا، میں آپ کو بلانے آ جاؤں گی"۔ حرما اس کی معنی خیز باتوں سے بچنے کے لئے عذر تراشنے لگی۔
"مجھے ابھی ایسی خاص بھوک نہیں ہے"۔ وہ مسکرایا۔
"باقی لوگوں کو تو ہے، شہران بھی گھر میں ہی ہے، آپ جانتے ہیں اسے بھوک کے معاملے میں وہ کتنا کچا ہے"۔ وہ گڑبڑا گئی۔
"سب کی فکر کرتی ہو میری بھی فکر کر لو گی تو کچھ ہرج تو نہیں ہے"۔ ذیشان نے اس کے ہاتھوں کو بڑے پریم سے اپنے مضبوط ہاتھوں میں جکڑ لیا، وہ تو گھبرا گئی دل کی دھڑکن تیز سے تیز تر ہونے لگی، پلکیں لرزنے لگیں، شرم و حیا کا وہ پیکر تھی، ذیشان سے کب وہ اتنا بے تکلف تھی، شادی کو بھی مہینہ ہی گزرا تھا۔
"جی"۔ حرما نے حیرانگی سے اس کا چہرہ دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔
"میں تو اپنا احساس دلا رہا ہوں، ہم بھی آپ کے بہت کچھ لگتے ہیں، ایک نظر اگر ہم پر بھی ہو جائے تو مضائقہ تو نہیں"۔ ذیشان کے ہاتھوں میں اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ وہ محسوس کر رہا تھا، شرم و حیا سے اس کے رخساروں پر سرخیاں دوڑ گئی تھیں۔

"بھابی، بھابی کھانے میں کتنی دیر ہے"۔ بسمہ کی تیز آواز پر ذیشان نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے وہ بھی بوکھلا گئی۔
"آتی ہوں بسمہ!" وہ مڑی ہی تھی ذیشان نے اس کا آنچل پکڑ لیا وہ جھٹکا کھا کے رہ گئی۔
"ہر دفعہ بچ کے نہیں جا سکتی ہو، میں نے اپنی بات تمہیں سمجھا دی ہے اب عمل کرنے کی باری تمہاری ہے"۔ معنی خیزی سے کہہ کر اس کا آنچل چھوڑ دیا۔ حرما نے چونک کر اس کی بات پر غور کیا، وہ رکی نہیں روم سے نکل گئی مگر دل کی دھڑکنوں میں شور مچ گیا تھا، ذیشان کی نگاہوں کا پیام سمجھ آ گیا تھا۔



وہ زویا کے گھر جانے کے لئے نکل رہی تھی، نیچے پارکنگ میں آئی تو دیکھا گاڑی کا ٹائر پنکچر تھا، وہ پھر واپس آفس میں آئی ڈیڈی آفس میں بزی تھے ان کی گاڑی وہ لے جانا چاہ رہی تھی، ناک کر کے اندر آ گئی، حمدان اور وہ کسی اہم فائل پر ڈسکس کر رہے تھے۔
"ڈیڈی! میری گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا ہے، مجھے زویا سے ملنے جانا ہے"۔ ٹی پنک کلر کے جدید تراش خراش والے لباس میں وہ سنجیدہ سی ان کے سامنے تھی۔
"مے آئی کم ان؟" تیمور کی آواز پر تینوں چونکے۔ جبکہ اریشماء کو سخت کوفت اور ناگواری ہوئی، کافی دن بعد وہ آفس میں نظر آ رہا تھا، جب سے دونوں کا رشتہ ہوا تھا اور منگنی میں بھی ایک دن باقی بچا تھا، اسے تو کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی، ممی اکیلی ہی شاپنگ وغیرہ کر رہی تھیں، اریشماء کے کپڑے وغیرہ سب چاچو اور چاچی کی طرف سے آنے تھے مگر اسے ذرا بھی خوشی نہیں تھی، وہ دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے زویا کے پاس جا رہی تھی، ایک واحد اس کی فرینڈ تھی جو اسے اچھی طرح سمجھتی تھی اور وہ اس کے پاس جا کر ریلیکس بھی محسوس کرتی تھی۔
"ارے تیمور بیٹا! کب آئے سنگاپور سے"۔
"اچھا تو یہ گیا ہوا تھا"۔ اریشماء سوچ کے رہ گئی، اس نے جاننے کی کوشش ہی نہیں کی تھی، تیمور اتنے دن سے نظر کیوں نہیں آ رہا ہے۔
تیمور نے انہیں سلام کیا، حمدان پر اس کی تنقیدی فہمائشی تمسخرانہ نگاہیں تھیں جیسے کہہ رہا ہو دیکھا میری جیت ہو گئی، حمدان نارمل پر اعتماد انداز میں بیٹھا رہا۔
"ڈیڈی! آپ اپنی گاڑی کی چابی دے دیں، پہلے ہی خاصی دیر ہو گئی ہے"۔ اسے تیمور کی موجودگی سے ایکدم دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔
حمدان سے اس کی کیفیت مخفی نہیں تھی، وہ سمجھ بھی رہا تھا تیمور کی وجہ سے رکنے کو تیار نہیں ہے۔
"کیسی ہو اریشماء؟" تیمور نے اسے بھی مخاطب کر ہی لیا۔
"ٹھیک ہوں"۔ ڈیڈی کی وجہ سے زبردستی مارے باندھے خود کو نارمل کر کے جواب دیا مگر وہ اس کی سمت دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔
"بیٹا! مجھے کہیں اور ضروری جانا ہے، آپ ایسا کرو تیمور آپ کو ڈراپ کر دے گا، کیوں تیمور؟" ڈیڈی نے جیسے اس کا مسئلہ حل کیا اور وہ چاہتے بھی تھے دونوں جتنا وقت ایک دوسرے کے ساتھ گزاریں گے ایک دوسرے کو سمجھنے میں آسانی ہو گی۔
"ڈیڈی! مجھے نہیں جانا"۔ وہ پیر پٹختی ہوئی تلملاتے روم سے نکل گئی۔
ڈیڈی کو اریشماء کی حرکت پر شرمندگی ہوئی، تیمور جز بز سا ہو گیا، جبکہ حمدان پہلو بدل کر لب بھینچ کے رہ گیا، تیمور کو

اپنی انسلٹ لگی' وہ بھی حمدان کے سامنے اور اسے حمدان سے سخت نفرت تھی' اریشماء اسے اہمیت جو دیتی تھی اور اس کی کوشش تھی' حمدان کو کسی طرح بھی اریشماء اور روحیل سکندر کی نظروں میں گرا دوں' مگر اسے موقع ہی نہیں ملتا تھا اریشماء حمدان کی ڈھال بن کے جو کھڑی تھی۔

''سوری بیٹا! وہ ایسے ہی غصہ میں آ جاتی ہے جب بھی اس کی گاڑی خراب ہو جاتی ہے''۔ روحیل سکندر نے گویا بات بنائی' وہ تیمور کے دل میں ایسی بات نہیں رہنے دینا چاہتے تھے جو آگے جا کر دونوں کی زندگی میں غلط فہمی بڑھاتی جائے۔

''اسے اپنی فرینڈ کے جانا ہے''۔

''میں دیکھتا ہوں''۔ تیمور تیزی سے نکل گیا۔

حمدان کو پوری امید تھی اریشماء کبھی بھی اس کے ساتھ نہیں جائے گی۔

''آؤ میں ڈراپ کر دوں گا''۔ تیمور کی نگاہوں کے زاویے تک بدل گئے تھے وہ پارکنگ ایریا میں بینچ پر بیٹھی تھی۔

''نو تھینکس''۔ سرد مہری اور روکھے لہجے میں بولی۔

''ابھی اگر حمدان کہتا میں ڈراپ کر دوں تو چلی جاتیں''۔ اسے غصہ آ گیا اریشماء نے دانت پیسے۔

''شٹ اپ''۔

''کیوں یہ سچ نہیں ہے حمدان کے ساتھ بڑی خوش رہتی ہو''۔ وہ اس سے دوبدو ہو گیا۔

''اگر پتہ ہے تو تم کیوں بیچ میں آئے' منع کر دو منگنی سے''۔ تڑخ کے گویا ہوئی۔

''اونہہ...... وہ اچار بنانے والی کا دو کوڑی کا آدمی تمہیں مجھ سے جیت لے' ایسے تو میں کبھی ہونے نہیں دوں گا''۔

''لینف تیمور لینف''۔ اس کے تو دماغ پر جا لگی' حمدان کی ایسی بے عزتی وہ بھی تیمور کے منہ سے وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی' شدت غم سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''کیوں سچ سننے کی ہمت نہیں ہے''۔ وہ استہزائیہ ہنسی لئے ہوئے تھا۔

''جیسے تم ویسے تمہاری گھٹیا سوچ ہے''۔ وہ پھنکاری۔

''وہ گھٹیا انسان اس سے زیادہ کون ہو گا' تمہارے ذریعے تمہاری جائیداد پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور ایسے میں کبھی بھی نہیں ہونے دوں گا''۔

''تیمور! کب سے تم بکواس کیے جا رہے ہو''۔ وہ چیخی تھی۔ ایک دو لوگوں کی آمد و رفت وہاں ہوئی تو وہ چپ ہو گئی۔

''تمہارا کلاس فیلو ہے مگر دیکھو تایا ابو نے اہمیت مجھے ہی دی''۔

''ڈیڈی کو پتہ نہیں ہے تمہاری گھٹیا سوچ کا''۔

''بلکہ انکل کو نہیں پتہ ہے ان کا ایمپلائی ان کی بیٹی کے خواب دیکھ رہا ہے''۔ وہ دانت پیس کر اریشماء کو زچ ہی کر رہا تھا۔

''وہ خواب نہیں دیکھ رہا ہے' میں اس کے خواب دیکھ رہی ہوں' اسے مجھ میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے مگر مجھے حمدان میں انٹرسٹ ہے' حمدان کی جگہ تم نہیں لے سکتے''۔ آج تو اس کے اندر کا سارا غبار نکل آیا' تیمور حیرانگی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''تم مجھ سے شادی تو کر لو گے مگر میرا دل حمدان کے پاس ہے' سنا تم نے''۔ وہ سر پکڑ کے روتی چلی گئی اور وہ

دھواں دھواں چہرے کے ساتھ رہ گیا۔



جلدی جلدی قدم بڑھاتی ہوئی وہ جا رہی تھی' شہران کو جیسے خبر تھی وہ اسی راستے سے ہی جاتی ہے' آج کل لائبہ اس کے ساتھ آتی جاتی ہوئی نظر نہیں آتی تھی' چادر اچھی طرح خود پر لپیٹے وہ تیز تیز چل رہی تھی' شہران نے راؤنڈ اباؤٹ سے اپنی کیب ٹرن کی اور سرعت سے نکل کر اس کا بازو پکڑ لیا' وہ اپنے ایریا میں پہنچ گئی تھی۔ لیل ماہ کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا' دم سادھے وحشت زدہ سی اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

''کیوں مجھ سے بھاگ رہی ہو؟'' بازو جھٹکے سے چھوڑ کے اسے اپنے حصار میں لے کر کھڑا ہو گیا تاکہ وہ بھاگنے کی کوشش نہ کرے' چوڑی سی گلی تھی تین بجے عموماً سناٹا ہی ہوتا تھا' لوگ اپنے اپنے گھروں کے مین گیٹ بند کر کے رہتے تھے' اس نے سراسیمگی سے اطراف میں نگاہ دوڑائی' کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔

''دیکھو میرے راستے سے ہٹ جاؤ' کیوں تم میرا راستہ روکتے ہو مجھے ڈراتے ہو''۔ آواز اور لہجہ کو مضبوط بنا کے مخاطب ہوئی۔

''راستہ روکنے کی وجہ ہے اور ڈرانا میں تمہیں بالکل نہیں چاہتا''۔ شہران کی نگاہیں اس کے خوبصورت سراپا میں الجھ رہی تھیں' نازک سا مکھڑا' آنکھوں میں بلا کی چمک' وہ اکثر ان آنکھوں کی وجہ سے ڈسٹرب ہو جاتا تھا۔

''کیا وجہ ہے؟'' وہ حیرانگی سے پوچھنے لگی۔

''مجھ سے دوستی کر لو''۔

''شٹ اپ' میں تمہارا منہ توڑ دوں گی' تم سے دوستی کر لوں' شکل دیکھی ہے اپنی' لعنتیں پڑتی ہیں پھر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے ہو''۔ وہ چیخنے لگی۔

''منہ سنبھال کے بات کرو ورنہ یہ جو تمہارا گھمنڈ ہے توڑنے میں دیر نہیں لگے گی اور تمہارے والد صاحب شرافت کا مینار بنائے پھرتے ہیں' ان کی عقل بھی ٹھکانے آ جائے گی''۔ شہران کی جنگ تو اسد مرزا سے تھی جن کی فہمائشی نگاہوں میں ہر وقت تضحیک ہی نظر آتی تھی' جب بھی مسجد میں ملتے ایک دو طنز کی باتیں سننے کو ضرور ملتی تھیں۔

''میرے ابو کا نام تمیز سے لیا کرو''۔ لیل ماہ کے تو پتنگے لگ گئے۔

''ہاں ایک تمہارے باپ کو کھلی آزادی ہے وہ جیسا چاہے' جس طرح چاہیں بے عزت کریں اور میں تمیز سے نام لوں' ارے تمہارے باپ کو تو خود تمیز نہیں ہے''۔

''بکواس بند کرو''۔ لیل ماہ کا ہاتھ اٹھنے والا تھا جو اس نے اپنے مضبوط ہاتھ میں جکڑ لیا' وہ تکلیف سے کراہ کے رہ گئی۔

''جیسا باپ ویسی اس کی بیٹی''۔ شہران نے ہاتھ گھسیٹ کے قریب کر لیا' وہ گرتے گرتے بچی' توازن برقرار نہیں رہ سکا تو اسی کا بازو سہارے کے لئے پکڑا۔

''میں تمہاری شکایت ذیشان بھائی سے کروں گی''۔ آخری دھمکی بے زاری سے یہی دی۔

''شوق سے لگانا مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے''۔ اس نے نڈر انداز میں اسے جتایا اور چھوڑ دیا۔

''دوستی کر لو بہتری اسی میں ہے کیونکہ شادی تم سے ہی کروں گا یہ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں''۔

''شکل دیکھی ہے اپنی' تم سے شادی کرنے سے پہلے میں مرجاؤں گی''۔ نخوت' نفرت اس کے لہجے میں

چھلک رہی تھی۔

''تم اپنی شکل دیکھنا جا کر آئینے میں اچھی طرح' اگر یہ کسی دن کملا گئی میری وجہ سے' آئینہ دیکھنے کے قابل بھی نہیں رہو گی''۔

''جسٹ شٹ اپ' کیوں مجھے ڈرا رہے ہو''۔ وہ روہانسی ہو گئی۔

''سوچنے کا ٹائم دے رہا ہوں' تین دن بعد گھر میں گھس کے تمہارے ہاتھ میں منگنی کی انگوٹھی پہنانے آؤں گا''۔

''کک...... کیا......'' وہ تو کرنٹ کھا کے رہ گئی۔

''تم کیوں کر رہے ہو ایسا؟''

''تم سے محبت ہو گئی ہے پیار کرنے لگا ہوں''۔ شہران نے بڑی لگاوٹ اور محبت سے چور نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''کک...... کیا......'' اس پر تو ایسا لگا پہاڑ ہی آن گرا ہو۔

''ہاں تم سے پیار کرنے لگا ہوں''۔ وہ مبہم سا مسکرایا۔

لیل ماہ بے یقینی سے اسے دیکھے گئی' یقین تو وہ اس پر بھی کر ہی نہیں سکتی تھی' جیسا وہ بدتمیز بدمعاش تھا یہ اور پیار۔

''دماغ تو درست ہے''۔

''تمہیں جب سے پیار کرنے لگا ہوں' دماغ ہی تو درست نہیں ہے''۔ شہران خود بھی حیران تھا' کیسے اس نے یہ سب اس سے کہہ دیا' جبکہ وہ تو پیار و محبت کے چکر میں پڑنا ہی نہیں چاہتا تھا مگر اسے اسد مرزا سے ضد ہو گئی تھی' ان کا غرور کسی طرح بھی اسے توڑنا تھا' اس کے لئے اسے چاہے کسی حد تک جانا پڑتا۔

''اونہہ...... پیار تم جیسے شخص پر یہ سب بالکل اچھا نہیں لگ رہا ہے' ہٹو راستے سے''۔ وہ چادر سمیٹ کے آگے بڑھ گئی۔ شہران نے پیچھے سے پھر اس کا بازو پکڑ لیا۔

''یاد رکھنا تین دن دیئے ہیں' اس کے بعد مجھے الزام نہیں دینا''۔ وہ اس کے کان میں سرگوشی کرنے لگا۔

لیل ماہ کو بار بار اس کا بازو پکڑنا' ٹچ کرنا' اس دن اپنے گھر میں بھی اس نے جو حرکت کی تھی' اس دن سے تو وہ شہران سے اور زیادہ نفرت کرنے لگی تھی۔

''تم تمیز سے بات نہیں کر سکتے' کیوں بار بار میرا بازو پکڑتے ہو''۔ وہ تو دانت پیس کے اس کے روبرو آ گئی۔

''جب محبت اور پیار ہو جاتا ہے تو دل کرتا ہے بار بار چھوا جائے''۔ وہ مخمور نگاہوں سے مسکرانے لگا۔

''بدمعاش' آوارہ لوگ تم جیسے ہی ہوتے ہیں''۔ لیل ماہ کے تو خوف کے مارے پسینے چھوٹ گئے' وہ تیزی سے بھاگ لی۔ شہران نے بھی اسے پھر نہیں روکا' دور سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

''لیل ماہ اسد! تمہیں شکار کر کے ہی رہوں گا' مجھے بھی ضد ہے خود سے''۔ وہ خود سے ہمکلام اپنی کیب میں بیٹھ گیا۔ اس کی فطرت میں غصہ بدلہ جانے کیوں آ گیا تھا' ورنہ وہ نارمل زندگی گزار رہا تھا۔

☆

''مجھے کیوں اپنی منگنی پر نہیں بلا رہی ہو''۔ زویا کو تو سن کے ہی غصہ آ گیا۔

اریشماء ڈرائیور کے ساتھ اس کے گھر چلی آئی تھی' گھر میں ہر وقت ممی اور ڈیڈی منگنی کے انتظامات کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ کل ہی تو اس کی منگنی بھی تھی اور وہ اس ماحول سے گھبرا کے زویا کی طرف آ گئی تھی۔

''اگر حمدان سے ہوتی تو ضرور بلاتی' تیمور سے تو میں بھی خوش نہیں ہوں''۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی آ گئی۔

''اریشماء! میں تیری فرینڈ ہوں' میرا ہونا تیرے ساتھ بہت ضروری ہے''۔ زویا نے ننھے افہام کو گود میں اٹھایا۔

''اگر تم پاس ہو گی میں روتی رہوں گی اور یاد ہے میں نے کیا کہا تھا ایسا کچھ کروں گی یہ منگنی ہو ہی نہیں سکے گی''۔

''مطلب......؟'' زویا نے حیرانگی سے پوچھا۔

''میں تیمور کو انگوٹھی پہنانے ہی نہیں دوں گی' میں نے بھی ایک ڈرامہ سوچا ہے''۔ اریشماء نے اپنے ذہن میں پلان ترتیب دے لیا تھا۔

''پاگل ہو گئی ہے اتنی بڑی محفل ہو گی' انکل آنٹی کی ناک کٹوائے گی''۔ اس نے اریشماء کے چپت لگائی۔

''ایسا کچھ نہیں کروں گی' ہاں میں تیمور سے انگوٹھی نہیں پہنوں گی''۔ وہ تیمور کو ایسا کوئی حق دینا نہیں چاہتی تھی' دل و دماغ میں حمدان تھا کیسے تیمور کو اس کی جگہ دے۔

''میرا دل پتہ نہیں حمدان سے ہٹ ہی نہیں رہا ہے''۔

''اریشماء! تو پاگل ہو گئی ہے کیوں اس کے لئے خود کو اتنا گرا رہی ہے''۔ زویا کو اس کی حرکتیں سخت ناگوار گزر رہی تھیں جو خود کو حمدان کے لئے ہلکان کر رہی تھی۔

''حمدان کی خودداری اور ریزرو طبیعت نے مجھے اسیر کر لیا ہے' مجھے ذرا سا بھی ملال نہیں ہے اس کے آگے خود کو گرانا''۔

''محبت میں ٹھیک کہتے ہیں انسان عقل سے پیدل ہو جاتا ہے جیسے تو ہو گئی ہے''۔

''تو میں کیا کروں' نہیں رہ سکتی اس کے بغیر''۔ وہ زویا کی بات پر زچ ہو گئی جو اسے کب سے سخت سست سنا رہی تھی اور وہ جیسے اس پر ذرا اثر ہی نہیں ہو رہا تھا۔

''تو اس کا ایک ہی حل ہے حمدان سے گن پوائنٹ پر شادی کروا لے' کیونکہ ایسے تو وہ کبھی مانے گا نہیں''۔ زویا چڑ گئی۔

''وہ گن پوائنٹ پر بھی کبھی مجھ سے شادی نہیں کرے گا''۔ وہ حمدان کی نیچر کو اچھی طرح جان گئی تھی' وہ کیسا تھا مر تو جائے گا اپنی خودداری کو نہیں چھوڑے گا۔

''نائس بندہ ہے تمہارے ساتھ جوڑی بھی جچتی ہے''۔ زویا نے ستائشی لہجے میں سراہا۔

''زویا! مجھے زندگی میں ہر چیز ملی' میرے ڈیڈی نے میری ہر خواہش پوری کی ہے' جو میں منہ سے نکالتی تھی فوراً پورا کرتے تھے' آفس میں بھی اپنی ضد اور خواہش سے آئی' ڈیڈی نے کبھی منع نہیں کیا مگر جب مجھے لائف پارٹنر کا انتخاب کرنا تھا' ڈیڈی نے یہ اختیار جانے کیوں چھین لیا''۔ ڈیڈی اس کی خوشی کو کیوں نہیں سمجھ رہے تھے۔

''تم ڈیڈی کو حمدان کا نام بتا دیتیں''۔

''جب حمدان نے منع کر دیا تو نام بتا کے کیا ہوتا''۔ وہ لب کچلنے لگی۔

''حمدان آفس چھوڑ دیتا اور میں یہ نہیں چاہتی وہ کہیں اور جائے''۔

''اریشماء! ایسے تو اور تم گھٹ گھٹ کے مر جاؤ گی' حمدان کو کہہ دو وہ چلا جائے ورنہ تمہاری آگے کی زندگی پر بہت اثر پڑے گا''۔ زویا اس کی بہت مخلص دوست تھی وہ بھی اس کے لئے ہر وقت فکر مند رہتی تھی۔

''اس کے جانے سے پتہ ہے کیا ہو گا میں مر جاؤں گی' وہ سامنے رہے گا تو مجھے سکون رہے گا''۔

''یہ تو غلط کر رہی ہے حمدان ساری زندگی تو اکیلا نہیں رہے گا' وہ بھی تو ایک دن شادی کرے گا' جب تو برداشت کر لے گی؟'' اس نے اریشماء کا افسردہ اداس چہرہ فکر مندی سے دیکھا' وہ اتنی مغموم سی لگ رہی تھی' اس کی صحت پر بھی اثر

پڑ رہا تھا۔
''مجھے یہی سوچ کے تو اور گھبراہٹ اور بے چینی ہوتی ہے وہ شادی کرے گا''۔
''تم سے نہ سہی کسی سے بھی کرے گا تو وہ ضرور''۔ اس نے افہام کو سلا کے اس کے بستر پر لٹایا۔
''میں نے ڈیڈی سے کہہ دیا ہے حمدان سے ارینجمنٹ وغیرہ بالکل نہیں کروایئے''۔
''انکل کو شک تو نہیں ہو گیا؟'' زویا نے پھر پوچھا۔
''شاید مجھے لگتا ہے ڈیڈی کو پتہ ہے میں حمدان کو لائک کرتی ہوں''۔ وہ اطمینان سے تھی۔
''اور اچھا ہی ہے ڈیڈی کو اگر پتہ ہے تو مجھے بتانے کی بعد میں ضرورت نہیں رہے گی''۔
''بعد میں مطلب؟'' زویا چونکی۔
''ہو سکتا ہے کبھی حالات ایسے ہو جائیں کہ حمدان سے میری شادی ہو جائے تو''۔ لہجے میں اس کے ابھی بھی مبہم سی امید تھی۔
''کیا پاگل تو نہیں ہو گئی ہے''۔
''پاگل پن کی کیا بات ہے' پتہ نہیں مجھے ایسا بھی لگتا ہے حمدان ایک دن خود میری طرف بڑھے گا''۔
''اریشماء! تو پاگل ہو گئی ہے''۔ زویا کو اس کی باتوں سے ڈر بھی لگنے لگا جو حمدان کے لئے اتنی دیوانی ہو رہی تھی۔
''کیوں تم نہیں چاہتیں میں جسے چاہتی ہوں اس سے شادی کروں''۔ اسے زویا کی یہ بات پسند نہیں آئی۔
''میری تو دعائیں تمہارے ساتھ ہیں اگر حمدان تمہارے نصیب میں ہے تو اسے تمہارا کر دے ورنہ تم حمدان کو بھول جاؤ' کیونکہ میں تمہیں ٹوٹا بکھرتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتی''۔ اس نے اریشماء کو اپنے گلے سے لگا لیا' اس کی یہ معصوم سی دوست جس نے اپنے جذبے تک سنبھال کے رکھے ہوئے تھے اگر وہ کسی کے لئے اتنی دیوانی ہوئی تھی تو وہ بھی ایک خوددار انسان تھا۔



ذیشان نے کالج جوائن کر لیا تھا' صبح آٹھ بجے نکلتا تھا اور تین بجے تک وہ گھر آ جاتا تھا' پھر آ کر وہ تین گھنٹے سو جاتا تھا۔ حرما شام میں اس کے لئے چائے کے ساتھ کچھ نہ کچھ اسنیکس وغیرہ بنا کے لاتی تھی۔
کب سے وہ بے خبر سو رہا تھا' وہ اس کی چوڑی پشت کو دیکھ رہی تھی' صبح کا اٹھا ایسے تھک کے سوتا تھا کروٹ تک نہیں بدلتا تھا' اسی لمحے ذیشان میں حرکت پیدا ہوئی' وہ سیدھا ہوا نگاہ حرما پر پڑی' گلابی کاٹن کے پرنٹڈ کپڑوں میں نکھری نکھری مسکراتی ہوئی نظر آئی' مگر وہ جھینپ کے رخ موڑ گئی۔
''آج آپ کو جلدی فرصت مل گئی''۔ مسکرا کے طنز کیا' حرما نے اسے گھورا جو کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا طنز کرنے کا۔
''اب ایسی بھی بات نہیں ہے' میں کئی چکر لگا چکی ہوں آپ تو ایسے بے خبر ہو کر سوتے ہیں' آس پاس کا خیال تک نہیں رہتا''۔ اس سے بھی خفگی سے شکوہ کیا۔
''اچھا مجھے یقین تو نہیں آ رہا''۔ وہ اٹھ کر بیٹھا' کپڑے بھی اس نے چینج نہیں کیے تھے آتے ہی لیٹ گیا تھا۔
''مجھے آپ کو یقین دلانا بھی نہیں ہے''۔ وہ روم سے جانے لگی۔
''جہاں میری بات شروع ہوتی ہے تمہیں کھانے کی پڑ جاتی ہے' ادھر ٹک کر بیٹھو میرے پاس''۔ تیز لہجے میں رعب سے گویا ہوا' حرما کے قدم رک گئے۔

''ادھر آ جاؤ''۔ اس نے اپنے قریب بیڈ پر جگہ بنائی۔
حرما اس کے انداز پر پزل سی ہو گئی' ذیشان لگتا تھا اجنبیت کی دیوار گرانا چاہتا تھا' یونیورسٹی میں کیسے فاصلے پر رہ کر بات کرتا تھا اور وہ فاصلوں کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ وہ جھجکتی شرماتی ہوئی اس سے قدرے فاصلے پر بیٹھی مگر ذیشان نے ہاتھ پکڑ کے خود سے قریب بٹھا لیا' وہ حواس باختہ سی ہو گئی۔
''پہلے بھی دوریوں پر رہ کر مخاطب ہوتی تھیں اور ابھی بھی اسی طرح کر رہی ہو''۔ اس نے حرما کے نرم و ملائم ہاتھ کی پشت کو سہلایا۔
''یہ دوریاں اسی طرح قائم رہیں تو بہتر ہیں' آپ کو ہی پچھتاوا اور دکھ ہو گا''۔ لہجے میں اس کے افسردگی تھی۔
''مجھے کوئی دکھ پچھتاوا نہیں ہے' ہاں مجھے اس بات کا بہت دکھ ہوتا ہے تمہارے ابو نے صفائی کا ایک موقع تک نہیں دیا' تمہیں اتنی بڑی سزا دے دی''۔ وہ بھی افسردہ ہوا۔
''ساری زندگی میرے دل پر یہی بوجھ رہے گا' میں اپنے ابو کے لئے ایک بری بیٹی ہوں''۔ اس کی آواز بھرا گئی۔
''حرما' حرما کیا ہو گیا ہے ایسی بات تم سوچ بھی کیوں رہی ہو؟'' اس نے حرما کو اپنے شانے سے لگا لیا۔
''میں ایسے آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتی''۔ وہ جھٹ الگ ہو گئی۔
''ایسے ساتھ نہیں رہ سکتی' کیا کہہ رہی ہو؟'' سن کے جھٹکا کھا کے رہ گیا' حرما بیڈ سے اتر گئی تھی' آنسو اس کے رخساروں کو گیلا کر رہے تھے۔
اس کی یہ بات ذیشان کے دل و دماغ کو ہلا کے رکھ گئی تھی اس نے ایسی بات کیوں کی۔
''وہ میرا مطلب ہے میں جب تک......'' آگے بولنے کی اس میں اتنی ہمت نہیں تھی' ذیشان اس کے سامنے آ گیا چہرہ اس کا کچھ برہم ہو رہا تھا۔
''حرما! تمہارا مطلب ہے میں اس قابل نہیں ہوں' میری وجہ سے تمہیں رسوائی ملی''۔
''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے' پلیز آپ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں''۔ وہ روہانسی ہو کر گھبرا گئی' ذیشان مشتعل جو ہونے لگا تھا ورنہ وہ تو اتنا کول مائنڈڈ تھا اس نے ابھی تک بھی اس کی مرضی کے خلاف ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی جو حرما کو بری لگے۔
''اگر تم سمجھ رہی ہو کہ میری وجہ سے......''
''پلیز آپ میری بات کو سمجھئے''۔ اسے کہتے ہوئے بھی حیا آ رہی تھی۔ ہاتھوں کو آپس میں رگڑنے لگی' اتنی بے کل اور بے چین سی لگی ذیشان نے اس کے ہاتھوں کو تھام لیا۔
''آخر بات کیا ہے تم نے ایسا کیوں کہا؟''
''میں یہ چاہتی ہوں جب تک ابو مجھے معاف نہیں کریں گے میں آپ کے قریب نہیں آؤں گی''۔ یہ کہہ کر نگاہ اور سر جھک گیا۔ وہ گنگ سا بے یقینی سے اسے دیکھے گیا' کتنا خوش تھا وہ اپنی زندگی کی ابتدا کرے گا مگر حرما نے یہ کیا کہہ دیا تھا وہ لب بھینچ کے رہ گیا اور پشت پھیر کے کھڑا ہو گیا۔
''آپ ناراض ہو گئے ہیں؟'' وہ فکرمند بھی ہو گئی ذیشان کو وہ ناخوش نہیں کرنا چاہتی تھی' اس کے گھر والوں نے تو اسے سر آنکھوں پر بٹھا کے رکھا تھا اور خود ذیشان اس کی کتنی قدر کرتا تھا۔ محبت اس کے لب و لہجے اور آنکھوں سے عیاں ہوتی رہتی تھی۔
''نہیں ناراض تو نہیں ہوا''۔ آہستگی سے گویا ہوا۔

"میں آپ کے جذبات، محبت سب سمجھتی ہوں اور محسوس کرتی ہوں، آپ میری اتنی بات تو مان سکتے ہیں"۔ لہجے میں التجا اور حسرت تھی۔

"حرما! تم مجھ سے ایسی چیز مانگ رہی ہو جس کا رزلٹ تم بھی جانتی ہو، تمہارے ابو بہت اصول پرست ہیں، مجھے نہیں لگتا وہ ہمیں معاف کریں کیونکہ ہماری پہلے ہی اس محلے میں بہت عزت ہے یہ تم بھی جانتی ہو"۔ ذیشان کا لہجہ طنزیہ اور تلخ ہو گیا۔

حرما جز بز سی ہو گئی، اس کے گھر میں ہی تو ابو ہر وقت محمد احمد کی برائیاں کرتے تھے، ان کے بیٹوں کا سامنا تک کرنا گناہ سمجھتے تھے، مگر قسمت دیکھو انہی کی بیٹی اس گھر میں بہو بن کے آ گئی تھی، یہ تو حرما نے بھی تصور نہیں کیا تھا حالات ایسے ہو جائیں گے۔

"امید اور یقین بھی تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے"۔ وہ گویا ہوئی۔

"ہاں یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو، اللہ تعالیٰ کیا سے کیا کر سکتا ہے، اب دیکھو ہماری شادی بھی اسی نے ممکن بنا دی چاہے کسی طرح بھی ہوئی، ہو تو گئی ورنہ تمہارے ابو میرا رشتہ کبھی بھی قبول نہیں کرتے"۔ ذیشان نے بھی اس کی تائید کی۔

"مجھے یقین ہے ایک دن ابو کو بے گناہی کا یقین آ جائے گا"۔

"انشاء اللہ تعالیٰ"۔ ذیشان نے دل سے کہا۔

وہ بہت ملول سا ہو رہا تھا ایک دم ہی بے زاری سی ہونے لگی، اپنا والٹ اٹھایا، آئینے میں دیکھ کر بالوں میں برش چلایا، حرما حیرانگی سے اس کی حرکات و سکنات دیکھ رہی تھی، جو یکدم چپ سا ہو گیا تھا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"کچھ دیر کے لئے باہر جا رہا ہوں، رات تک آؤں گا"۔ اس کی سمت وہ نگاہ تک نہیں کر رہا تھا۔

حرما سمجھ گئی تھی وہ پریشان سا ہو گیا ہے اور کچھ خفا خفا بھی ہے۔

"آپ ناراض ہو گئے ہیں؟" وہ راہ میں حائل ہو گئی۔

"نہیں تو میں ناراض تو نہیں ہوا بلکہ مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے اس قابل جانا کہ سب کچھ مجھ سے شیئر کیا"۔ وہ اس کا نازک سا مکھڑا مسکرا کے دیکھنے لگا۔

"نہیں آپ ناراض ہیں، ٹھیک ہے آپ کو بھی میں ناراض نہیں کروں گی، میں آپ کی خوشی کے لئے راضی ہوں"۔ اس کے سامنے سر جھکا دیا۔

"بالکل نہیں، اب تو میں نے بھی ٹھان لی ہے تمہاری خوشی پہلے ہے میری تو اس کے بعد آتی ہے، اور اس خوشی میں زیادہ مزا ہے جب دونوں فریق خوش خوش ایک دوسرے کو سمجھیں"۔ اس نے حرما کے شانے پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے۔

"آپ دل سے کہہ رہے ہیں؟" جانے کیوں حرما کو بے چینی ہو گئی تھی، وہ اس کا دل توڑ گئی ہے اور وہ اتنی محبتوں کا شخص یوں خاموش افسردہ سا بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"بالکل دل سے کہہ رہا ہوں"۔ حرما کے رخسار پر لب رکھ دیئے۔

"اتنی تو اجازت ہے ناں؟"

حرما مارے حیاء کے چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رہ گئی، وہ مسکرانے لگا۔

"اس سے آگے یہ بھی کرنے کی اجازت ہے"۔ حرما کو حصار میں لے لیا، وہ بوکھلا گئی۔

"یہ تو بالکل نہیں، اس کے آگے تو آپ خود کی بھی نہیں سنیں گے"۔ حصار توڑ کے دور ہو گئی، ذیشان نے بھرپور قہقہہ لگایا۔

"جناب بڑی چالاک ہیں، آپ تو سب سمجھتی ہیں"۔

"میں آپ کے لئے چائے لے کے آتی ہوں، کوئی ضرورت نہیں ہے جانے کی"۔ وہ حکمیہ لہجے میں کہتی ہوئی ذیشان کو بہت پیاری لگی۔

☆

چچی نے سارا سامان اس کا ایک دن پہلے ہی بھجوا دیا تھا، کامدانی کلیوں کا فراک اور پاجامہ، جیولری سب کچھ تھا، مگر اسے سب دیکھ کر غصہ آ رہا تھا، ایک ایک چیز اٹھا کے پھینک دی تھی ممی تو گھبرا گئی تھیں۔

"اریشماء! میری بچی یہ کیا کر رہی ہو؟" انہوں نے حیرانگی سے اس کی حالت کو دیکھا۔

"ممی! مجھے نہیں پہننا یہ سب لے جائیں"۔ چہرہ تکیہ پر رکھ کر رونے لگی، اپنی بے بسی پر زندگی بھر اسے رونا ہی تھا، احتجاج کا حق تک نہیں تھا، ڈیڈی نے اس کی زبان بند کر دی تھی۔

"جب سب کچھ تم نے طے کر لیا ہے تو پھر ان چیزوں سے انکار تو فضول ہے"۔ ممی نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"مجھ سے نہیں ہو گا یہ سب ممی! مجھے تیمور نہیں پسند، میں حمدان کے بغیر مر جاؤں گی"۔

ممی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، وہ تو ڈر رہی تھیں اگر روحیل سکندر نے سن لیا تو ہنگامہ ہو سکتا ہے، جتنا وہ خوش تھے یہ وہی جانتی تھیں، انہیں سب سے زیادہ یہی خوشی اور بے فکری ہو گئی تھی ان کی بیٹی ان کی آنکھوں کے سامنے رہے گی۔

"اریشماء! بس ایک لفظ نہیں بولنا بیٹا تمہارے ڈیڈی گھر میں ہیں، انہوں نے سن لیا تو اچھا نہیں ہو گا"۔ انہوں نے اس کے آنسو اپنے آنچل سے صاف کیے۔

"ممی! مجھے ڈیڈی سے کچھ بات کرنی ہے"۔ اس نے ایکدم سر اٹھایا، آنسو ہاتھوں کی پشت سے صاف کیے، اس کا حلیہ بھی عجیب ملگجا سا ہو گیا تھا۔

"میری بہادر بیٹی کی آنکھوں میں آنسو مجھے بالکل اچھے نہیں لگ رہے ہیں، میں نے تمہیں اس دن سمجھایا تھا اگر حمدان تمہارا نصیب ہوا تو وہ تمہیں ضرور ملے گا"۔ انہوں نے پھر اسے تسلی دی۔ مگر اریشماء تو بپھری جا رہی تھی اسے ڈیڈی سے بات کرنی تھی، وہ ممی کی بھی بات نہیں سن رہی تھی، تیزی سے وہ روم سے نکلی تھی ممی بھی اس کے پیچھے ہی آئی تھیں۔

دروازے پر ناک کر کے وہ اندر آ گئی تھی، روحیل سکندر ٹی وی پر کوئی ٹاک شو دیکھ رہے تھے، اسے یوں پریشان حال دیکھ کر چونک گئے، ٹی وی کی آواز کم کی وہ ان کے سامنے خاموشی سے کھڑی ہو گئی، ان کی سوالیہ نگاہوں نے اسے جانچ لیا وہ کچھ کہنے ہی آئی ہے۔

(جاری ہے)

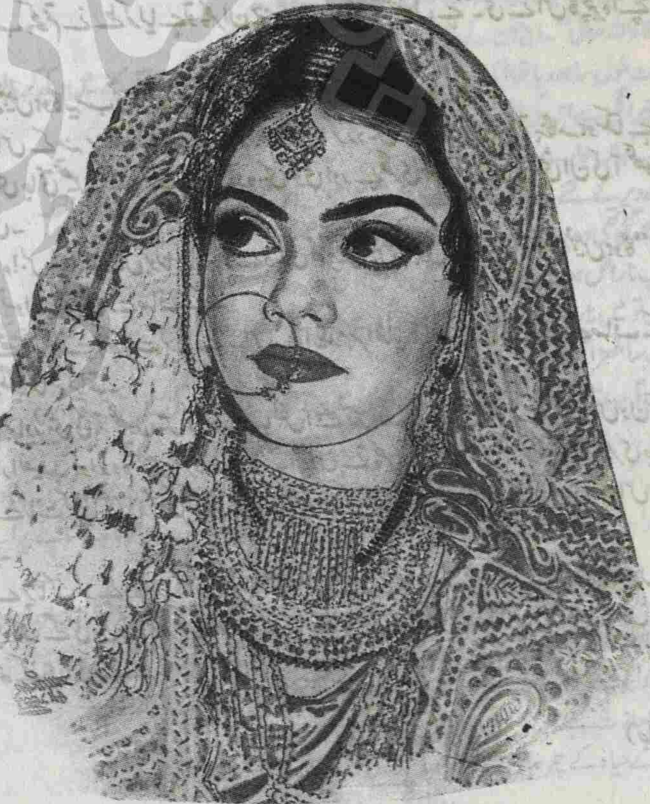
☆

سیدہ فرزانہ حبیب فرزین

افسانہ

چلو زندگی پھر سے مسکرائی

جب اس کا نام پکارا گیا تو پورا ہال تالیوں کی پرزور آواز سے گونج اٹھا' آج ملک کے سب سے مقبول ترین اور منفرد ماہنامہ ''ردا ڈائجسٹ'' کی سالگرہ کی پروقار تقریب تھی جس میں ادارے کی چیف ایڈیٹر صالحہ محمود



صاحبہ نے ملک کے نامور مصنفین کے ساتھ نئے مصنفین کی حوصلہ افزائی کے لئے انہیں بھی مدعو کیا تھا' جس میں آج وہ بھی شریک تھی اور جب اس سال کی بہترین افسانہ نگار کا ایوارڈ دینے کے لئے اس کا نام پکارا گیا تو اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آیا' مگر جب صالحہ محمود صاحبہ نے اپنی دست مبارک سے اسے ایوارڈ اور تعریفی سند پیش کی اور اس کی تحاریر کے لئے تعریفی کلمات کہے تو اسے اپنی خوش نصیبی پر ناز ہوا' یہ اس کے لئے بہت بڑا اعزاز تھا اس کی آنکھوں سے خوشی اور شکرانے کے آنسو جاری تھے' بالآخر آج اس نے اپنی منزل پالی تھی۔

رات جب وہ سونے کے لئے لیٹی تو اسے اپنی تنہائی کا شدت سے احساس ہوا کہ آج اس کی زندگی کا سب سے بڑا کامیابی کا دن تھا' مگر اس خوشی میں شریک ہونے والا کوئی نہیں تھا سوائے آنسوؤں اور تنہائی کے آج اسے اپنا ماضی بہت شدت سے یاد آ رہا تھا' زیادہ کوئی پرانی بات نہیں بس پانچ سال پہلے کی بات تھی جب وہ اس طرح تنہا نہیں تھی۔

☆

وہ تین بہنیں اور ایک بھائی تھے' اس کے والد سید



طارق علی ایک سرکاری ملازم تھے' وہ بہت ہی مذہبی اور نرم مزاج کے تھے' ہمیشہ انہوں نے اپنے بچوں کی ہر جگہ حوصلہ افزائی کی' اس کی والدہ ایک گھریلو خاتون تھیں' اور تھوڑی سخت مزاج اور کم گو تھیں وہ اپنے بچوں سے بھی بہت فاصلے پر تھیں ان کا کہنا تھا بچوں پر کڑی نظر نہ رکھی جائے تو وہ بگڑ جاتے ہیں' لہٰذا بچوں سے وہ اپنی محبت کا اظہار بھی کم کرتی تھیں' ان کا شمار متوسط گھرانوں میں ہوتا تھا' مگر زندگی بہت آسودہ اور پرسکون تھی وہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھی' اس کا نام قندیل اس کے دادا نے رکھا تھا اس سے چھوٹی دو بہنیں عادلہ اور شفق تھیں' دونوں کلاس 8th کی طالبہ تھیں جبکہ سب سے چھوٹا علی بہت ہی ذہین شرارتی مگر اپنی بہنوں سے محبت کرنے والا اور ان کا خیال رکھنے والا تھا' جب سے اس نے ہوش سنبھالا اپنی والدہ کو سنجیدہ اور خاموش ہی دیکھا کیونکہ اس کی بڑی پھپھو اس کی والدہ کو غیر خاندان کی ہونے کی وجہ سے ناپسند کرتی تھیں' جب وہ نویں کلاس کی طالبہ تھی تو اس کی والدہ نے ایک بار اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ اسے ڈاکٹر بننا ہے اس نے یہ طے کرلیا کہ کچھ بھی ہوجائے وہ اپنی والدہ کی اس خواہش کو ضرور پورا کرے گی' تاکہ اس کی والدہ کو ملنے والے دکھوں کا مداوا ہوسکے' مگر دن رات کی انتھک محنت کے باوجود جب اس نے انٹر کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کیا تو ان کے گھر میں ایک ایسا سانحہ پیش آیا کہ اس کے شفیق محبت کرنے والے دادا کی وفات ہوگئی' اس غم میں کافی دنوں تک کسی کو کچھ ہوش نہ رہا اور اس طرح اس کا میڈیکل کالج میں داخلہ نہ ہوسکا یہ وہ کچی عمر کا پہلا خواب تھا جو چکنا چور ہوگیا' اسے زیادہ دکھ اپنی ماں کے خواب کی تعبیر نہ ملنے کا تھا' اس دن اس نے اپنے خدا سے بہت شکوہ کیا سب گھر والوں نے یہاں تک کہ اس کی والدہ نے بھی اس کو سمجھایا مگر اس کا پڑھائی سے دل اچاٹ ہوگیا تھا' دن اسی طرح گزرنے لگے اب وہ بہت سنجیدہ اور کم گو ہوگئی تھی' ہر وقت بس اپنے خدا سے شکوہ کرتی ایک دن وقت گزاری کے لئے ایک میگزین کا مطالعہ کررہی تھی کہ اس کی نظر اس تحریر پر پڑی جس نے اس کے دل کی دنیا کو تہہ و بالا کردیا' خدا فرماتا ہے۔

"تو کرتا وہ ہے جو تو چاہتا ہے
پر ہوتا وہی ہے جو میں چاہتا ہوں
تو وہ کر جو میں چاہتا ہوں
پھر ہوگا وہی جو تو چاہتا ہے"

اس تحریر نے اس کی دنیا بدل کر رکھ دی اور اس کی آنکھوں سے ندامت کے آنسو بہنے لگے تھے اس نے اس پاک ذات سے شکوہ کیا تھا اس پر اس نے اس مالک دوجہاں کے سامنے رو رو کر معافی مانگی وہ تو رحیم و کریم ہے سب کو بخشنے والا ہے اسے یقین تھا کہ خدا نے اس کو بھی معاف کردیا ہوگا اور اسے یہ بات سمجھ آ گئی کہ اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے وہ اپنے بندے کے لئے وہی پسند کرتا ہے جو اس کے حق میں بہتر ہے لہٰذا اس نے اپنے آپ سے عہد کیا کہ اسے ہر حال میں اللہ کی رضا میں خوش رہنا ہے اور اس کا شکر ادا کرتے رہنا ہے اور آگے بڑھنا ہے پھر اس نے بی ایس سی میں داخلہ لیا اس کے والدین اس فیصلے سے بہت خوش تھے' اب وہ صبح کالج آتی اور دو بجے گھر واپس آ کر نماز ادا کرکے کچھ دیر آرام کرتی پھر شام میں گھر والوں کے ساتھ چائے پیتی اور ان کے ساتھ باتوں میں کچھ وقت گزارتی اور پانچ بجے اس کے پاس کچھ بچے ٹیوشن کے لئے آتے اس طرح وہ اپنی پڑھائی کا خرچ خود اٹھا رہی تھی کیونکہ اسے احساس تھا کہ اس کے والد واحد کفیل ہیں اور ان کی تنخواہ میں گھر اور بہن بھائیوں کے تعلیمی اخراجات پورا ہونا مشکل ہیں اس کی بہن شفق جو اب ایف ایس سی کی طالبہ تھی' وہ بھی اس کی بچوں کو ٹیوشن دینے میں مدد کرتی اس طرح زندگی آسودگی کے ساتھ گزر رہی تھی مگر اسے یہ

بات شدت سے محسوس ہوتی تھی کہ اس کی والدہ اس کی شادی کے لئے بہت فکرمند رہتی ہیں کیونکہ اس کی چھوٹی بہن عادلہ جو ابھی ایف ایس سی کی طالبہ تھی' مگر سب سے خوبصورت ہونے کی وجہ سے اس کے رشتے آنا شروع ہوگئے تھے جبکہ وہ خود عام سی صورت کی مالک تھی' اس کا رنگ گندمی کھلتا ہوا' پر نقوش عام سے تھے مگر چہرے میں ایک نرمی اور معصومیت تھی جو آنے والے حسن پرست اور مادیت پرست لوگوں کو نظر نہیں آتی تھی مگر اسے ان باتوں کی پرواہ نہیں تھی کیونکہ اسے ابھی آگے بڑھنا تھا کراچی یونیورسٹی سے ایم ایس سی کرنا اور پھر لیکچرار شپ کرنا اس کا خواب تھا اور اسے یقین تھا اس کا رب اس بار ضرور اس کے خواب کی تعبیر دے گا' کیونکہ اس میں اس کی رضا بھی شامل ہے' لہٰذا اس نے اپنے والد کو اعتماد میں لے کر شادی سے منع کردیا لہٰذا اس کی چھوٹی بہن عادلہ کی شادی ہوگئی وہ اپنے شوہر کے ساتھ بہت خوش تھی اب اس کے دو بچے بھی تھے جن میں اس کی جان تھی اپنے یہ نٹ کھٹ سے دو سال کے اور تین سال کے بھانجا بھانجی بہت پیارے لگتے' بی ایس سی کا امتحان بھی اس نے امتیازی نمبروں سے پاس کیا اور آگے کراچی یونیورسٹی میں ایم ایس سی میں داخلہ لیا وہ دن اس کے لئے بہت خوشی کا دن تھا' اس کے والد اور بہن بھائیوں نے اس کی حوصلہ افزائی کی مگر اسے محسوس ہوا کہ اس کی والدہ اس کے اس فیصلے سے ناخوش ہیں' مگر اس نے اسے اپنا وہم سمجھا اور پڑھائی میں مصروف ہوگئی' دن اسی طرح بہن بھائیوں کی شرارتوں محبتوں میں گزرنے لگے مگر اس نے یہ بات شدت سے محسوس کی کہ اس کی والدہ اس سے بہت کھنچی کھنچی رہتی ہیں بات تو وہ پہلے بھی کم کرتی تھیں مگر اب گھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں اور مسائل بھی اس سے شیئر کرنا چھوڑ دیا تھا انہوں نے' اس نے وجہ جاننے کی کوشش کی مگر بظاہر کوئی ایسی وجہ سمجھ نہیں آرہی تھی' جو ان کی بے اعتنائی کا سبب بنتی' باقی بہن بھائیوں کے ساتھ تو ان کا رویہ پھر بھی نارمل ہوتا مگر اس کے ساتھ...... اس کا سب سے ملنا جلنا بھی وہ پسند نہیں کرتی تھیں اس نے دنیا میں سب سے زیادہ اگر کسی کو چاہا تھا تو وہ اس کی والدہ تھیں اس کی والدہ کو اس کا کسی سے دوستی کرنا پسند نہیں تھا' لہٰذا آج تک اس نے کسی کو دوست نہیں بنایا صرف اس کی دوستی اپنے پڑوسی کاشان سے تھی جو اس کا کلاس فیلو بھی تھا' اس کے ساتھ دوستی میں بھی زیادہ اسی کا ہاتھ تھا ورنہ وہ تو بہت ریزرو اور محتاط رہنے والی لڑکی تھی جس کے آگے صرف اپنے والدین کے لئے کچھ کرکے دکھانے کا جذبہ تھا' کاشان بہت ہی حساس' محنتی اور باکردار لڑکا تھا جب وہ میٹرک میں تھا تو اس کے والد کا انتقال ہوگیا تھا' اس کے بعد اس نے دن رات محنت کرکے جس طرح اپنے گھر کی ذمے داریاں سنبھالیں اور اپنا تعلیمی سفر بھی جاری رکھا اس کے اس حوصلے اور ہمت نے اسے بہت متاثر کیا اور نامحسوس طریقے سے نہ جانے کب ان میں دوستی کا پاکیزہ رشتہ قائم ہوگیا' وہ دونوں اپنے گھریلو مسائل' دکھ سکھ' خوشی' غم ایک دوسرے سے شیئر کرتے ایک دوسرے کی ہمت بندھاتے اب وہ ایم ایس سی امتیازی نمبروں سے پاس کرکے ایک پرائیویٹ کالج میں پڑھا رہی تھی اسے احساس تھا کہ اس کا بھائی ابھی بہت چھوٹا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے والد کا سہارا بننا چاہتی تھی' ساتھ ہی اس نے بی ایڈ کرنے کا فیصلہ کیا اس کے دوست کاشان نے اس موقع پر اس کی بہت ہمت بندھائی اور اس کی اسٹڈی میں اس کے ساتھ بہت تعاون کیا' جبکہ وہ خود صبح ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اکاؤنٹنٹ کے طور پر جاب کررہا تھا اور ایوننگ کلاسز سے ایم بی اے کررہا تھا مگر جب بھی اسے کسی مدد کی ضرورت ہوتی وہ خوشی خوشی اس کے کام آتا' اسے پریزنٹیشن بنا کردینا' لائبریری سے ریفرنس بک' نوٹس غرض ہر چیز میں وہ اس کا معاون تھا' وہ اس کی دوستی پر بہت فخر محسوس

کرتی‘ چونکہ دونوں کے عزائم اور ارادے ایک جیسے تھے‘ اس لئے دن بدن دوستی کا رشتہ بڑھتا چلا گیا‘ مگر بے تکلفی کے باوجود انہوں نے کبھی اپنے خاندانی وقار اور رواج کے خلاف کوئی کام نہیں کیا تھا‘ کاشان کی والدہ کو اپنے اکلوتے بیٹے اور قندیل پر پورا اعتماد تھا‘ انہیں یہ نازک‘ اپنے گھر والوں کے لئے حساس لڑکی جو صرف محبت دینا جانتی تھی بہت پسند تھی‘ اکثر وہ شام میں ان کے گھر چلی جاتی تو وہ اس سے باتیں کرکے بہت خوش ہوتیں اور دونوں کی کامیابیوں کے لئے دعا گو رہتیں مگر شاید اس کی والدہ کو ان کی دوستی زیادہ پسند نہ تھی‘ جس کا اس کو اندازہ نہیں تھا ورنہ وہ اپنی ماں کے لئے مخلص دوست کو بھی چھوڑ دیتی‘ کاشان اس کی ہر سالگرہ کو یاد رکھتا تھا اور اسے وش ضرور کرتا اس بار بھی اس کی سالگرہ پر اس نے وشنگ ایس ایم ایس کئے اور شام میں اپنے آفس سے اس کے گھر آیا‘ اس نے قندیل کو پھولوں کا خوبصورت بکے اور پرفیوم سیٹ گفٹ کیا تھا پھر اس نے اپنے دوست کی فرمائش پر اس کا پسندیدہ کھانا اچار گوشت‘ ٹرائفل اور سلاد بنایا‘ اس کے والد اور بہن بھائیوں نے بھی اسے خوبصورت گفٹ دیئے اس کا بھائی علی کیک لے کر آیا تھا‘ جو خوشگوار ماحول میں کاٹا گیا سب بہت خوش تھے مگر اس نے نوٹ کیا کہ اس کی والدہ خوش نہیں ہیں‘ اس کے جانے کے بعد آخر کار انہوں نے آج اپنے دل کی بات کہہ دی کاش ان کی یہ باتیں سننے سے پہلے زمین پھٹتی اور اس میں وہ سما جاتی‘ وہ کمرے میں آ کر سب کے دیئے ہوئے گفٹ دیکھ رہی تھی کہ اچانک اس کی والدہ کمرے میں آئیں اور انہوں نے کہا۔

’’مجھے تمہارا کاشان سے بے تکلف ہونا بالکل پسند نہیں کیا لالچ ہے‘ جو وہ تمہارا اتنا خیال رکھتا ہے‘ تمہیں پتہ ہے ناں تمہاری پھپھو مجھے کتنا ناپسند کرتی ہیں‘ ساری زندگی انہوں نے بے قصور مجھے تکلیفیں اور اذیتیں دیں‘ اب تم کیا چاہتی ہو کہ انہیں باتیں بنانے کا موقع مل جائے اس کو منع کردو کہ آئندہ نہ آئے‘‘۔

وہ تو بے یقینی سے اپنی والدہ کے اس روپ کو دیکھ رہی تھی‘ جہاں ممتا کا لمس ہی نہیں تھا‘ وہ تو بالکل اجنبی لگ رہی تھیں‘ وہ ماں جس کو اس نے زندگی میں سب سے زیادہ چاہا‘ وہ ماں جو اس پر بہت زیادہ اعتبار کرتی تھی اور جسے اس پر بہت فخر تھا وہ ماں آج اس کی پاکیزہ دوستی پر الزام لگا رہی تھی اگرچہ اس کا کاشان سے روزانہ ملنا بھی نہیں ہوتا تھا پڑوس میں رہنے کے باوجود انہیں غم دوراں سے اتنی فرصت ہی نہیں تھی روز ملاقات کرسکیں بس چھٹی والے دن یا کبھی کبھار ضرورت کے تحت فون پر بات ہو جاتی تھی‘ مگر اس کی ماں نے اسے آج یہ کیا کہہ دیا اس کے وجود اس کے مان اس کے اعتبار کو کرچی کرچی کردیا تھا کاش وہ اپنے ہاتھوں سے گلا دبا دیتیں مگر اتنے سنگدل الفاظ نہ کہتیں‘ اس دن وہ حساس قندیل اندر سے مر گئی‘ اس کا دل بالکل تاریک ہو گیا‘ اس نے اپنی ماں کے سامنے کوئی صفائی پیش نہیں کی‘ بس ڈبڈباتی آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہی مگر اس کی ماں کمرے سے جا چکی تھی‘ اس دن خاموشی سے اس نے اپنے واحد دوست ہمراز‘ غم گسار‘ اور ہمدرد ساتھی کو بھی کھو دیا اس نے اس سے ہر رابطہ ہر تعلق ختم کردیا‘ کاشان اسے فون کرکر کے تھک گیا تھا‘ اپنا قصور پوچھتا رہ گیا مگر اس کی چپ نہیں ٹوٹی‘ آج بھی اسے اس کا وہ آخری ایس ایم ایس یاد تھا۔

’’ڈیئر قندیل! مجھے نہیں پتہ مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی‘ آپ جانتی ہیں ناں کہ میں آپ سے کتنا متاثر تھا آپ کی ہر بات ہر رائے میرے لئے ایمان کا درجہ رکھتی تھی‘ میرے دل میں آپ کی بہت عزت اور بہت احترام ہے‘ مگر مجھے علی سے پتہ چلا کہ آنٹی کو میری اور آپ کی دوستی پسند نہیں اور میں نہیں چاہتا کہ آپ کو میری وجہ سے کسی دکھ یا تکلیف سے گزرنا پڑے‘ لہٰذا صرف اور صرف آپ کی دائمی خوشیوں کے لئے میں یہ

ملک چھوڑ کر جا رہا ہوں تاکہ آئندہ کبھی آپ کا مجھ سے سامنا نہ ہو اور آنٹی آپ کو میری ذات کے حوالے سے کوئی طعنہ نہ دیں‘ خدا گواہ ہے ہماری دوستی شبنم کے قطروں کی طرح پاکیزہ ہے مگر شاید میرے نصیب میں آپ جیسی مخلص اور باکردار دوست کا ساتھ نہیں‘ ہمیشہ خوش رہیں مگر یاد رکھئے گا کہ میں آپ سے دور صحیح مگر میری دعاؤں میں آپ ہر لمحہ شامل رہیں گی اور جب آپ کو کوئی کامیابی ملے تو جان لیجئے گا کہ اس میں آپ کے اس مخلص دوست کا بھی حصہ ہے۔ آپ کا بدنصیب دوست کاشان‘‘۔ وہ یہ ایس ایم ایس پڑھ کر شدت سے رودی‘ یعنی آج اس نے اپنے اس مخلص دوست کو ہمیشہ کے لئے کھو دیا تھا۔



پھر اس کی زندگی اپنے لئے نہیں رہی اس نے اپنے لئے سوچنا چھوڑ دیا‘ اسی دوران اس نے پبلک سروس کمیشن کا امتحان دیا‘ جہاں اس کے والد اور چھوٹی بہن شفق نے بہت تعاون کیا آخر کار وہ کمیشن کا امتحان پاس کرکے لیکچرار کے طور پر سلیکٹ ہو گئی‘ اس دن اسے اپنا دوست شدت سے یاد آیا‘ کیونکہ اس کی دعائیں بھی اس کی کامیابی میں شامل تھیں‘ دن اسی طرح گزرنے لگے اب صبح وہ کالج جاتی جہاں وہ اپنی سنجیدہ طبیعت‘ نرم گفتاری کی وجہ سے تمام اسٹاف اور اپنی طالبات کی ہردلعزیز ٹیچر بن گئی‘ شام میں اس نے ایک کوچنگ سینٹر جوائن کرلیا جہاں وہ ضرورت مند طالب علموں کی ان کی اسٹڈی میں ہیلپ کرتی‘ جس سے اسے دلی سکون ملتا‘ اس کی ماں بظاہر تو کچھ نہیں کہتی تھیں مگر اس کی شادی کے لئے دن رات فکر مند تھیں‘ لیکن اس کے معیار کا کوئی رشتہ نہیں ملتا تھا کسی کو اس کی عام سی صورت پر اعتراض ہوتا تو کسی کو اس کی جاب پر اور کوئی اتنا کم تعلیم یافتہ ہوتا کہ اس کے والد خود انکار کردیتے‘ جس کی وجہ سے اس کی والدہ بہت خفا رہتیں مگر اس کے والد ہمیشہ اس کی ماں کو سمجھاتے۔

’’پریشان ہونے کی ضرورت نہیں‘ ہماری بیٹی تعلیم یافتہ معصوم اور خوش اخلاق ہے‘ انشاء اللہ اسے بہت چاہنے اور قدر کرنے والے لوگ ملیں گے‘ بس تم دعا کرو اس کے اچھے نصیب کی‘‘۔ تو اس کی والدہ بس خاموش ہو جاتیں‘ مگر وہ اسے طعنے ضرور دیتیں وہ خاموشی سے ان کی باتیں برداشت کرتی رہتی لیکن روز روز کے طعنوں نے اسے اپنی ماں سے بدظن کردیا تھا کبھی کبھی وہ بہت خودسری اور بدتمیزی کا مظاہرہ کرتی‘ مگر بعد میں گھنٹوں خدا کے سامنے سجدے میں رو رو کر اپنی بدتمیزی کی معافی مانگتی‘ اسے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز اپنی ماں تھی۔ مگر پتہ نہیں کیوں وہ اس سے اتنی نفرت کرتی تھیں حالانکہ اس نے ہمیشہ وہی کیا جو وہ چاہتی تھیں‘ لیکن جتنا وہ ان کے قریب ہوتی وہ ان سے فاصلوں پر نظر آتیں‘ بالآخر اس نے ذہنی دباؤ اور سوچ سے فرار کی خاطر ایم ایڈ کرنے کا فیصلہ کیا‘ اس دوران اس کی چھوٹی بہن شفق کی بھی ایک اچھے گھرانے میں شادی ہو گئی اور بھائی نے بی ایس سی میں داخلہ لے لیا‘ جس کی وجہ سے وہ جو کبھی کبھار اپنے بہن بھائیوں سے باتیں کرلیتی تھی وہ بھی ختم ہو گیا اس کے والد ریٹائرمنٹ کے بعد اپنا زیادہ وقت عبادت اور مطالعے میں گزارتے‘ اب وہ اور بھی تنہا ہو گئی‘ اکثر وہ نماز میں اپنے رب سے گڑگڑا کر دعا مانگتی۔

’’اے اللہ میرے سے کوئی خطا ہو گئی تو مجھے معاف کردے اور میری ماں کے دل میں میری محبت پیدا کردے‘‘۔ پھر اس نے اپنی تنہائی کے خوف سے ڈائری لکھنا شروع کردی اب وہی اس کی بہترین ہم راز تھی اور وقت گزاری کے لئے کتابوں کا مطالعہ کرنا اس کا شوق بن گیا‘ ایک دن وہ اسی طرح ’’ردا‘‘ پڑھ رہی تھی جس میں گوشہ آگہی میں صالحہ محمود کے ان الفاظ نے اس کے دل کو جکڑ لیا انہوں نے لکھا تھا‘

’’نئے لکھنے والوں کے لئے ردا کی گائیڈ لائن موجود ہے ہم آپ کی تحریروں کی خامیوں کو گائیڈ لائن مہیا

کرتے ہیں تو اٹھایئے قلم اور لکھ ڈالئے جو آپ کے ذہن میں ہے آپ کی صالحہ آپی آپ کی منتظر ہے''۔

قندیل کو صالحہ آپی کے اپنائیت بھرے الفاظ اتنے پسند آئے کہ اس نے بھی ہمت کر کے ایک تحریر بھیجی' جس کو بہت پذیرائی ملی اور اس طرح یہ سلسلہ چل نکلا اب اسے اپنی ماں کی باتیں اتنی تکلیف دہ محسوس نہیں ہوتی تھیں اب وہ اپنی تحاریر کے ذریعے اپنے دل کی ہر بات دوسروں تک پہنچاتی' اس کی بہت سے قارئین تعریف کرتے تھے۔ اس کی تحاریر کو منفرد اور سبق آموز قرار دیتے تھے' مگر ان سب کے باوجود اس کے دل کا ایک کونہ اس دوست کی یاد سے آباد تھا جو رات کی تاریکی اور تنہائی میں اسے شدتوں سے یاد آتا اور آج اسے بہترین افسانہ نگار کا ایوارڈ ملا تھا بظاہر اس کی والدہ نے بھی مبارکباد دی تھی' لیکن اسے معلوم تھا کہ وہ اس سے خوش نہیں پتہ نہیں کب تک وہ اپنی والدہ کی طرف سے ملنے والی نارسائی کا دکھ سہتی' لیکن اسے اپنے رب پر بھروسہ تھا کہ اس نے اس کے حصے کی خوشیاں بھی رکھی ہوں گی اور اسے ضرور وہ عطا کرے گا' کیونکہ وہ پاک ذات اپنے بندوں کو ان کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں دیتا اور انہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑتا یہی سب سوچتے سوچتے صبح کی سفیدی نمودار ہوگئی کہیں دور سے فجر کی اذان کی پرنور اور مقدس آواز آرہی تھی' اس نے اپنے آنسو صاف کئے اور وضو کر کے نماز ادا کی پھر اپنے رب کے سامنے سجدے میں گر کر اپنے والدین کی صحت اور اپنے بہن بھائیوں کی خوشیوں کے لئے دعا مانگی' آخر میں اس کے لب پر بس اپنے اس دوست کے لئے دعا تھی۔

''اے میرے رب تو غفور ہے تو ہماری شہ رگ سے بھی قریب ہے تو جانتا ہے میرے دل میں اپنے اس دوست کے لئے صرف اور صرف بے غرض اور بے لوث دعائیں ہیں اے اللہ وہ جہاں بھی ہے اسے اپنی امان میں رکھنا اور اس کو ہر کامیابی اور خوشی عطا کرنا اور میری والدہ کے دل کو میری محبت سے بھر دے اور میرا وہ بچھڑا ہوا دوست مجھے ملا دے' میں بہت تھک گئی ہوں میرے مالک' بس مجھے اور کچھ نہیں چاہئے' بس ان دو ہستیوں کو میرے قریب کردے''۔ نہ جانے کب وہ دعا کرتے کرتے سوگئی' اس کی والدہ جب اسے اٹھانے کے لئے آئیں تو وہ بے سدھ پڑی تھی سامنے اس کی ڈائری کھلی تھی' اس کی والدہ اس کی یہ حالت دیکھ کر گھبرا گئیں اور جیسے ہی ان کی نظر ڈائری پر پڑی اور اسے پڑھنا شروع کیا تو انہیں یہ ادراک ہوا کہ انہوں نے انجانے میں اپنی اس بیٹی کو جو بہت معصوم' باحیا اور باکردار تھی خود اپنی نام نہاد انا اور ماضی کی محرومیوں کی وجہ سے اپنے آپ سے دور کردیا' جس نے بیٹا بن کر دکھایا اپنے والد کا سہارا بنی اپنے بہن بھائیوں کی بہتر تربیت کی' جو اتنی صابر تھی کہ چپ چاپ ان کے ہر ظلم کو سہتی رہی' صرف اپنی نند کی باتوں میں آکر اپنی پاکیزہ بیٹی اور بیٹے جیسے کاشان کی دوستی کو شک کی نظر سے دیکھا حالانکہ وہ جانتی تھیں کہ ان کے درمیان سوائے بے غرض دوستی کے کچھ بھی نہیں' مگر وہ ایک ماں تھیں ناں ڈر گئیں کہ کبھی کہیں ان کی نند ان کی بیٹی کی پاکیزہ دوستی کو کوئی غلط رنگ نہ دے ڈالیں' وہ تو ان کی اتنی سمجھدار بیٹی تھی کہ ہمیشہ اس نے محتاط زندگی گزاری پھر کوئی غلط قدم کیسے اٹھا سکتی تھی' مگر ان کا رویہ غلط تھا کاش وہ اپنی بیٹی کے دل میں جھانک سکتیں' اس کے نازک دل نے صرف ان کی غفلت کی وجہ سے کتنے کرب اور دکھ جھیلے' ان کی آنکھوں سے ندامت کے آنسو جاری تھے۔

''یا اللہ! مجھے معاف کردینا بیٹا' آنکھیں کھولو میری بچی آج تیرا یہ حال صرف میری وجہ سے ہوا ہے''۔ اس نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں تو اپنے اوپر اپنی ماں کو جھکے ہوا دیکھا پہلے اسے لگا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے مگر یہ حقیقت تھی اسے یقین نہیں آیا کہ آج اس کی ماں کا پرشفیق لمس دوبارہ مل گیا ہے وہ اپنی ماں سے لپٹ گئی۔

''بیٹا! مجھے معاف کردینا' میں نے انجانے میں تمہیں بہت دکھ دیئے اور زمانے کے خوف سے اپنی اتنی معصوم اور سادہ بیٹی سے دور ہوگئی''۔ اس کی ماں نے ندامت سے چور لہجے میں کہا تو وہ تڑپ اٹھی۔

''نہیں امی! آپ کیسی باتیں کررہی ہیں آپ کی محبت آپ کی ممتا مجھے دوبارہ مل گئی' بس یہی کافی ہے اور مائیں اپنی اولاد کی بہتری کے لئے سوچتی ہیں' مگر امی مجھے آپ سے اتنا کہنا ہے کہ مائیں تو بیٹیوں کے بہت قریب ہوتی ہیں' ہمیشہ دوست سمجھ کر زمانے کی اونچ نیچ سمجھائیں یقین کریں ہم لڑکیاں کانچ کی چوڑیوں کی طرح نازک ہوتی ہیں' ہمیں اپنی اور ماں باپ کی عزت کا خیال رہتا ہے' ہم پر اعتماد کرنا سیکھیں''۔ اس نے اپنی ماں کے گلے لگتے ہوئے کہا۔

''ہاں بیٹا! تم ٹھیک کہہ رہی ہو''۔ اس کی ماں نے روتے ہوئے کہا۔

''تم کہانی لکھتی ہو ناں اس میں کوئی ایسی کہانی بھی لکھنا جس سے مجھ جیسی ناسمجھ ماؤں کو سبق ملے تاکہ آئندہ کوئی قندیل بجھ نہ سکتے''۔ اتنے میں اس کے بھائی اور والد بھی کمرے میں آگئے' آج وہ دونوں بھی بہت خوش تھے کہ اس کی ماں کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا۔

''چلیں! بھئی رونے دھونے کا سین ختم' آج زبردست سا ناشتہ مابدولت کی طرف سے' ابھی میں عادلہ اور شفق آپی کو بھی فون کرتا ہوں آج آپ کو ایوارڈ ملا ہے اسے بھی تو سیلی بریٹ کرنا ہے''۔ اس کے بھائی نے لاڈ سے گلے میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا تو سب ہنس دیئے' وہ بہت خوش تھی آج اس کے صبر کا پھل اسے مل گیا تھا' خدا نے اس کی ماں اسے لوٹا دی تھی مگر پھر بھی کہیں کوئی کمی محسوس ہو رہی تھی' جسے اس نے جان بوجھ کر نظر انداز کردیا' ناشتے کے بعد سب نے اسے زبردستی یہ کہہ کر سلا دیا کہ اس کی طبیعت صحیح نہیں ہے وہ آرام کرے' شام میں اس کے اعزاز میں ایک چھوٹی سی تقریب رکھی گئی تھی لہٰذا اس کا شام تک فریش ہونا ضروری تھا۔

☆

واقعی شام میں جب وہ سو کر اٹھی تو اپنے آپ کو بہت فریش اور ہلکا پھلکا محسوس کررہی تھی اس کا چہرہ اندرونی خوشی سے دمک رہا تھا ابھی وہ باہر جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اس کی دونوں چھوٹی بہنیں اور نٹ کھٹ شرارتی سے بھانجی' بھانجا اندر آدھمکے' اور اس کے ہاتھ میں ایک بہت ہی خوبصورت پنک کلر کا زبردست سا سلور نگوں اور ستاروں سے مزین لانگ شرٹ اور ٹراؤزر پکڑا دیا۔

''یہ لیں آپی! یہ پہن کر جلدی سے تیار ہوجائیں''۔ پنک کلر دیکھ کر اسے کچھ یاد آیا۔

''آپ کو معلوم ہے قندیل پنک میرا فیوریٹ کلر ہے اور میری خواہش ہے کہ میں آپ کو اس دفعہ آپ کی برتھ ڈے پر پنک ڈریس دوں''۔

''ارے آپی! کہاں کھوگئیں' بس جلدی سے باہر آنے کی کریں سب باہر آپ کا شدت سے انتظار کررہے ہیں''۔

''اور کیا آنی! ماما کہہ رہی ہیں آپ آج کی تقریب کی شہزادی ہیں' پر آنی شہزادہ کون ہوگا......؟''

اس کے نٹ کھٹ سے بھانجے تیمور نے کہا تو سب اس کی بات پر ہنس دیئے' وہ بھی حال میں ماضی کی یاد کو جھٹک کر واپس آئی اور اس کے گال پر پیار کیا' جب وہ تیار ہو کر باہر آئی تو واقعی باہر لان میں بہت رونق تھی' اس کی خالہ' ماموں کی فیملی اور کاشان کی والدہ بھی موجود تھیں' سب نے اسے مبارکباد دی تھی اور گلے لگا کر دعائیں دیں اس کی ماں نے اپنے ہاتھوں سے اس کی پسندیدہ ڈش بنائی تھی' آج وہ سب کی محبتوں کے درمیان ایک شہزادی کی طرح ہی لگ رہی تھی جس

کے سر پر اس کے ماں اور باپ کی شفقت اور بہنوں اور بھائی کی محبتوں کا تاج تھا' آج وہ بہت خوش تھی وہ اب تنہا نہیں رہی تھی۔

''آپی! آج اس تقریب میں آپ کے لئے ایک سرپرائز بھی ہے''۔ اس کے شرارتی نٹ کھٹ بھائی علی نے کہا۔ جو سب کی تصویریں لے رہا تھا۔

''کیا سرپرائز ہے......؟'' اس نے چونک کر پوچھا۔

''وہ سرپرائز آپ کے کمرے میں ہے جا کر دیکھ لیں''۔

''مگر......''

''ارے اگر مگر کچھ نہیں جائیں' تو آپ کو سرپرائز پسند آئے گا''۔ اس کے بھائی نے اسے کمرے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

''اوکے بابا...... جاتی ہوں' دیکھتی ہوں کیا سرپرائز ہے' مگر اگر تم نے کوئی شرارت کی ہوگی نا تو یاد رکھنا بہت ماروں گی''۔ یہ کہہ کر وہ کمرے میں آ گئی' کمرے میں بالکل اندھیرا تھا' اس نے لائٹ جلائی تو اسے اپنی رائٹنگ ٹیبل پر مختلف پانچ خوبصورت وشنگ کارڈ نظر آئے جو اس کی سالگرہ پر دیئے گئے تھے' ساتھ ہی پنک روز سے پورا کمرہ مہک رہا تھا' وہ حیران ہوئی اور چونک کر آگے بڑھی ایک کارڈ اٹھا کر اس میں لکھی نظم پڑھنے لگی تو تحریر کچھ مانوس سی لگی اس کے دل کی دھڑکن میں ایک شور سا ہوا۔

سنو
آئندہ برسوں میں
ہر اک موسم' ہر اک دھنک کرنوں کو
ہم ایک ساتھ برتیں گے
چلو زندگی! پھر سے مسکرائیں گے
سنو! یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں
صرف آپ کا کاشان

''کاشان......؟'' اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔

''مگر یہ سب یہاں کس طرح...... کیا وہ...... یہاں موجود ہے' مگر ایسا کیسے ہوسکتا ہے وہ تو پتہ نہیں کس دیس جا کر بس گیا' پتہ نہیں اسے میں یاد بھی ہوں یا نہیں مگر یہ سب......؟'' ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ ایکدم کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اس نے چونک کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسے خواب کا گماں ہوا' وہ اس کے سامنے مجسم حقیقت بنا کھڑا تھا' اس کی آنکھیں ایکدم ساکت ہوگئیں۔

''کیا واقعی اس کا دوست اس کا ہمدم اس کے سامنے تھا......؟''

''یقین کرلیں یہ میں ہی ہوں''۔ کاشان نے مسکراتے ہوئے کہا' وہ اس کی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔

''مگر تم......؟ یہاں کیسے......؟'' اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

''دیکھ لیں آپ نے ہمیں پکارا ہم حاضر''۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے......؟ تم تو یہ ملک چھوڑ کر چلے گئے تھے ناں پھر اب یہاں......؟'' اس نے حیرانگی سے پوچھا۔

''ارے' ارے بیٹھئے تو میں سب بتاتا ہوں' جسٹ ریلیکس''۔ کاشان نے اسے چیئر پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

''میں یہ ملک چھوڑ کر چلا گیا تھا مگر پل پل آپ کی خبر رکھتا تھا علی میرا اہم راز تھا' وہ مجھ سے رابطے میں تھا اور آپ کی ہر پل کی خبر دیتا تھا' مجھ سے پوچھیں آپ کی تکلیف اور کرب کا سن کر کتنا اداس ہوجاتا تھا' مگر اتنا بے بس تھا کہ صرف دعاؤں کے آپ کے لئے کچھ نہیں کرسکتا تھا' پھر کل علی نے مجھے آپ کی اتنی بڑی کامیابی کی خبر سنائی تو مجھ سے رہا نہ گیا' میں کل رات کی فلائٹ سے ہی واپس آیا ہوں آپ کو پتہ ہے علی آپ کی ہر تحریر مجھے بھجواتا تھا' جو میرے لئے کسی متاع حیات سے کم نہیں' آپ کو یاد ہے اکثر آپ کی کہانیوں کا موضوع علی بتاتا تھا تو آپ حیران ہوجاتی تھیں کہ

اتنا لاابالی اور شرارتی اتنے حساس موضوعات اس کے ذہن میں کیسے آتے ہیں' تو جناب وہ سارے میرے خیالات تھے جو علی آپ تک پہنچاتا تھا' اس طرح میں نہ ہوتے ہوئے بھی ہر قدم پر آپ کے ساتھ تھا''۔ اس نے بتایا تو وہ حیران رہ گئی۔

''اس لئے تم مجھے ہر کہانی لکھتے وقت شدت سے یاد آتے تھے' تمہاری خوشبو' تمہاری یادیں' ہمیشہ میرے لئے زادِ راہ بنی رہیں' مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے شاید ہی کسی کا اتنا بے لوث دوست ہوگا' مگر تم یہاں......؟ اگر امی کو پتہ چل گیا تو کہیں وہ مجھ سے دوبارہ ناراض نہ ہوجائیں پلیز میں اپنی والدہ کو دوبارہ کھونا نہیں چاہتی اور شاید میں تمہاری دوستی کے قابل نہیں''۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگی۔

''بے فکر رہیں انہوں نے ہی مجھے یہاں بلایا ہے' انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے اور وہ میری بڑی' میری ماں کی طرح ہیں' میں کیسے ان کے بلانے پر نہ آتا''۔ مگر اس کے آنسو بہہ رہے تھے۔

''پلیز قندیل اس طرح مت روئیے آپ نہیں جانتیں آپ کے یہ آنسو میرے دل پر گر رہے ہیں اچھا اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں یہاں سے چلا جاؤں تو میں چلا جاتا ہوں' مجھے آپ کی خوشی عزیز ہے' مگر پلیز رونا بند کریں''۔ یہ کہہ کر وہ جانے کے لئے مڑا۔

''نہیں کاشان! پلیز رک جاؤ مجھے اس طرح دوبارہ اپنے دوست سے جدا مت کرو''۔ وہ روتے ہوئے جلدی سے آگے بڑھی۔

''تو میں کون سا آپ کو کھونے کا حوصلہ رکھتا ہوں' آپ یقین کریں آپ کو دوبارہ خود سے دور کرنے کا حوصلہ نہیں مجھ میں' وعدہ کریں اب آپ کبھی نہیں روئیں گی اور کیا زندگی کے سفر میں میری ہمسفر بنیں گی......؟'' اس نے ایکدم آگے بڑھ کر اس کے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا۔

''مگر......'' وہ تو اس کی بات سن کر حیران رہ گئی۔

''بس قندیل! کچھ مت کہیں مجھے خود نہیں معلوم کہ آپ کی دوستی و جدائی کے بعد کب محبت جیسے پاکیزہ جذبے میں بدلی میں آپ کے بغیر بالکل ادھورا ہوں' آپ کو شاید میری ضرورت نہ ہو مگر مجھے آپ کی ضرورت ہر پل ہر لمحہ ہے' پلیز میرا ہاتھ تھام لیں''۔

''مگر امی......'' اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا جواب دے ایک طرف دوست کے دوبارہ بچھڑنے کا ڈر' دوسری طرف ماں کی محبت وہ ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔

''بیٹا کاشان صحیح کہہ رہا ہے''۔ امی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا' ان کے ساتھ کاشان کی والدہ' ابو اور علی بھی تھے۔

''تم دونوں ایک دوسرے کے لئے بنے ہو' مجھے معاف کردینا بیٹا! لیکن یقین کرو مجھے تم دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے' اللہ تم دونوں کو ہمیشہ شاد و آباد رکھے اور ایسا دوست سب کو دے''۔ امی نے آبدیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

''آمین''۔ کاشان نے خوشی سے چیختے ہوئے کہا۔

''آنٹی! یو آر گریٹ' اب تو کہیں اپنی بیٹی کو پلیز مان جائے''۔ وہ ہنسنے لگی۔

''اوکے! مجھے پتہ ہے میری بیٹی بہت محبت کرنے والی' حساس اور فرمانبردار ہے اور آج بھی یہ ہمارا مان رکھے گی ہے ناں میری جان میرے اس پیارے سے بیٹے کو ہمسفر بناؤ گی......؟'' کاشان کی امی نے بھی کہا۔

''ہاں قندیل تم اور کاشان ایک دوسرے کے ساتھ خوش رہ سکتے ہو تم دونوں میں ذہنی ہم آہنگی ہے' پلیز میرے بیٹے کی زندگی میں شامل ہو کر ہمارے گھر کو اپنے وجود سے روشن کردو''۔ اتنی ساری محبتیں پا کر وہ بھلا کیسے اللہ کی ناشکری کرسکتی تھی' اس نے جلدی سے کہا۔

''ارے نہیں آنٹی...... آپ مجھے شرمندہ نہ کریں

جیسے آپ سب کی خوشی' ویسے آپ کا بیٹا اتنا برا بھی نہیں اس کے ساتھ خوشگوار زندگی گزاری جاسکتی ہے"۔ یہ کہہ کر وہ رکی نہیں جلدی سے کمرے سے نکل گئی' سب کا زوردار قہقہہ اسے سنائی دیا جس میں کاشان کا زندگی سے بھرپور قہقہہ سب سے بلند تھا' وہ ٹیرس پر آکر پورے چاند کو دیکھنے لگی' آج اسے زندگی بہت خوبصورت لگ رہی تھی' ایکدم اس نے اپنے رب کے سامنے شکر کے لئے ہاتھ اٹھادیئے۔

"اے اللہ! تو واقعی عظیم ہے' آج تو نے مجھے میرے دکھوں سے بڑھ کر خوشیاں عطا کی ہیں' واقعی جو تیری رضا تیری چاہت میں راضی رہتا ہے تو اسے اس کی آرزوؤں سے بڑھ کر نوازتا ہے' بس میرے مالک میرے گھر کی ان خوشیوں کو اسی طرح قائم رکھنا اور یہ گلشن ایسے ہی محبتوں سے مہکتا رہے"۔

"آمین"۔ پیچھے سے کاشان کی آواز آئی اس نے چونک کر دیکھا وہ اپنی آنکھوں میں الوہی چمک لئے اسے ہی دیکھ رہا تھا' اس نے ایکدم نظریں چرالیں۔ کاشان ہنس دیا۔

"ارے جناب! نظریں کیوں ہٹالیں ویسے آپ کے ہجر میں کچھ زیادہ ہی ڈیشنگ اور چارمنگ ہوگیا ہوں ناں"۔

"بڑی خوش فہمی ہے"۔

"جی نہیں جناب! یہ خوش فہمی نہیں یقین ہے جو آپ کی آنکھوں میں نظر آرہا ہے"۔ اس نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا' پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

"قندیل! مجھ سے وعدہ کریں کہ ہمارے درمیان جو اتنا خوبصورت اور اعتبار کا رشتہ قائم ہونے جارہا ہے' وہ ہماری دوستی کو اور بھی مضبوط کرے گا' اور آپ مجھ سے اپنا ہر دکھ ہر تکلیف' ہر خوشی شیئر کریں گی' جیسے پہلے کرتی تھیں"۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا' تو پہلے تو وہ تھوڑا جھجکی پھر اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"اور ہاں شکریہ یہ میرا یہ تحفہ یہ سوٹ زیب تن کرنے کا یقین کریں کہ یہ میرا پسندیدہ کلر ہے' مگر آپ پر تو اتنا خوبصورت لگ رہا ہے کہ مجھے پسندیدہ ترین ہوگیا ہے"۔ تو وہ چونکی۔

"اچھا تو یہ آپ کی پسند تھا......؟"

"جی مادام! میری دوست کی اتنی بڑی کامیابی کا دن اور میں کوئی تحفہ نہ دیتا"۔ اس نے سینے پر ادا سے ہاتھ رکھتے ہوئے جھکتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دی' خوشی سے بھرپور ہنسی' پھر اچانک یاد آنے پر اس نے پوچھا۔

"اور ہاں کاشان! وہ پانچ برتھ ڈے کارڈ کا کیا چکر ہے' آج تو میری برتھ ڈے بھی نہیں......؟" اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا تو کاشان نے جواب دیا۔

"تمہیں معلوم ہے ناں! سوری آپ کو تمہیں کہا مگر یار اب ہمارے درمیان جو رشتہ قائم ہونے جارہا ہے اس میں آپ کہنا کچھ عجیب سا لگے گا' لہٰذا بس اب ہم صرف ایک دوسرے کو تم کہیں گے"۔ اس نے اس کے گھورنے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ تمہیں معلوم ہے میں تمہاری ہر برتھ ڈے پروش کرتا تھا تو ان پانچ سالوں میں بھی ہر سال تمہاری برتھ ڈے کا کارڈ لیتا' مگر پوسٹ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی کہ کہیں انجانے میں تمہیں میری ذات سے کوئی تکلیف نہ پہنچے"۔

"کاشان! تم اتنی محبت اتنی عقیدت رکھتے ہو مجھ سے' واقعی میں بہت خوش نصیب ہوں"۔

"اور میں آپ سے زیادہ جسے اتنی حساس اور باکردار دوست اور ہمسفر ملی' تھینک یو اللہ جی"۔ کاشان نے ایکدم کہا تو وہ ہنس دی' جس میں کاشان کی زندگی سے بھرپور ہنسی بھی شامل تھی' کہیں دور آسمان پر چاند بھی اس معصوم اور سادہ لڑکی کی دائمی خوشیوں کے لئے دعا گو تھا۔



ریما نور رضوان

افسانہ

محبت کا یقین

انشراح اپنی ڈائری میں لکھی نظم کی ہر سطر کو بغور پڑھ رہی تھی اور اپنی زندگی کا احتساب کر رہی تھی۔

کیا میری زندگی وہ تھی' جب میں اٹھارہ سال کی تھی اور عاشر مجھے اسکول سے پک اور ڈراپ کرتا



تھا، میرا منگیتر میرا ہونے والا شوہر میری زندگی میری کائنات جو صبح و شام میرے کانوں میں مدھ بھری سرگوشیاں کرتا تھا اور میری حیات مہک اٹھتی تھی۔ میں اس لمس سے کھلکھلا اٹھتی اور روح قربت کی شدت محسوس کر کے جھنجھنا اٹھتی۔ ان پیار و محبت بھری نظروں کی تکرار سے میں گلنار ہو جاتی تھی۔ زندگی کتنی پرسکون اور پرمحبت سے گزر رہی تھی کہ میری ہنستی بستی زندگی میں میری اپنی ہی دوست اپنی خالہ زاد لائبہ آ گئی۔ لائبہ نے ہمارے گھر میں ہی ڈیرہ ڈال لیا تھا۔ میں جھلی، پگلی، باؤلی اس کو اپنے دل کی باتیں بتاتی رہی، وہ لڑکی جسے اس کا منگیتر ذرا برابر اہمیت نہیں دیتا تھا اور اس نے میری زندگی کو اپنی زندگی سے کمپیئر کرنا شروع کر دیا اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ کب اس نے عاشر سے اپنے تعلقات بڑھا لیے۔ عاشر نے مجھے اگنور کرنا شروع کر دیا۔ لائبہ جون، جولائی کی چھٹیاں گزارنے آئی تھی مگر اس کا قیام طویل ہوتا چلا گیا۔ پہلے کبھی تو مجھے لائبہ کا عاشر کے ساتھ بیٹھنا، اٹھنا، ہنسی مذاق کرنا برا نہیں لگتا تھا لیکن اب، اب میرے دل میں شک کی فصل اُگ گئی تھی، تو مجھے اب عاشر سے نفرت محسوس ہونے لگی تھی کہ عاشر اپنے وعدوں کا کتنا کچا نکلا، اس لڑکی کے زندگی میں آ جانے سے اپنی منگیتر، اپنی ہونے والی بیوی، اپنی انشراح کو فراموش کر گیا۔ عید بھی آئی تو سوگواری سے گزر گئی اور عاشر مجھ سے ہنستا بولتا تو میرا دل کہتا کہ کتنا دوغلا ہے یہ اور میں ان دونوں کی زندگی سے نکلتی چلی گئی۔ عاشر مجھے بلاتا بھی تو میں بہانے بنا بنا کر ٹال جاتی اور لائبہ ہر وقت عاشر کے ساتھ اس کے سائے کی طرح چپکی رہتی اور میں اندر ہی اندر کڑھتی رہتی۔

جلتے جلتے میں خود باآواز بلند برسات فلم کا گانا گنگنانے لگی۔

''ساجن ساجن ساجن''

اور ایک دن میں اپنے کمرے میں لیٹی فل والیوم میں گانا سن رہی تھی، میری آنکھوں سے اشک رواں تھے عاشر کی تصویر ہاتھوں میں تھامی ہوئی تھی اور عاشر بہت غصے میں میرے کمرے میں داخل ہوا اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکے سے مجھے اپنے برابر کھڑا کر دیا۔ میں ناسمجھی کی کیفیت میں تھی۔

''انشو! کیا ہے یہ سب؟'' عاشر بہت زور سے چلایا تھا، میں رو دی تو عاشر نے اپنی قسم دی۔

''وجہ بتاؤ کیوں یہ منحوس گانا گاتی ہو کیا تمہارا ساجن تم سے وفادار نہیں؟'' اور میرے دل میں جتنی باتیں تھیں میں نے ساری کہہ ڈالیں۔

''تم لائبہ میں انوالو ہو گئے ہو، تم نے مجھے اگنور کرنا شروع کر دیا''۔ تو عاشر نے اپنی محبت کا یقین دلایا کہ وہ ذرا برابر نہ بدلا تھا نہ بدلا ہے نہ بدل سکتا ہے۔ عاشر نے مجھے گلے لگایا اور مجھے شک کی اتھاہ گہرائیوں سے باہر لے آیا۔

سچ میں ہی غلط تھی، میں نے ہی اپنی محبت پر شک کیا اور کنارہ کشی اختیار کی۔ پگلی تھی، اگر انسان از خود اپنی جگہ چھوڑ دے تو دوسرے تو اس پر قبضہ کر ہی لیتے ہیں۔ انسان کو کہیں بھی کسی بھی رشتے میں کسی بھی جگہ اپنی جگہ اپنا مقام نہیں چھوڑنا چاہیے وگرنہ انسان خود جلتا کڑھتا رہتا ہے۔

عاشر سے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد میں یہی سوچ رہی تھی اور اس بار میری عید عاشر کی سنگت میں حسین تر ہو گئی تھی۔

☆

ردا کی ڈائری

روشنی فاطمہ کی ڈائری سے

گلزار کی نظم

''عادت''

سانس لینا بھی کیسی عادت ہے
جیے جانا بھی کیا روایت ہے
کوئی آہٹ نہیں بدن میں کہیں
کوئی سایہ نہیں ہے آنکھوں میں
پاؤں بے حس ہیں چلتے جاتے ہیں
اک سفر ہے جو بہتا رہتا ہے
کتنے برسوں سے، کتنی صدیوں سے
سانس لیتے ہیں، جیتے رہتے ہیں
عادتیں بھی عجیب ہوتی ہیں

صبا سحر کی ڈائری سے

وصی شاہ کی نظم

''پاگل لڑکی''

پہلے میرے خط کے اُس نے
اِک انجانے خوف سے ڈر کر
ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے
اب
ایک حسین احساس کے تابع
جس کا کوئی نام نہیں ہے
پچھلے کتنے ہی گھنٹوں سے
دروازے کی اوٹ میں چھپ کر
ٹکڑے جوڑ رہی ہے...... پاگل

عانیہ نیازی کی ڈائری سے

نظم

عید اب کے برس نہیں آئی

ہے وہی آسماں، زمین وہی
ماہ و انجم اسی طرح روشن
کہکشاں اب بھی مسکراتی ہے
پھول کلیاں مہک رہی ہیں یونہی
بعد مدت کے سارے پردیسی
اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آئے
ہر طرف رنگ و بو کا میلہ ہے
اور تنہا میں اپنے کمرے میں
کب سے بیٹھی ہوں اور سوچتی ہوں
جانے کیا بات ہے کہ گھر میں میرے
جو گزشتہ برس تھی رونق اب
وہ کہیں بھی نظر نہیں آتی

ہے فضا میں عجیب سناٹا
ہاں فقط ایک تیرے جانے سے
ایسا محسوس ہو رہا ہے مجھے
رُت خوشی کی ہے ہر طرف آئی
صرف چھوٹے سے میرے آنگن میں
عید اب کے برس نہیں آئی
عید اب کے برس نہیں آئی

تعظم ملک کی ڈائری سے

ام رومان کی نظم

جو تم ملو تو عید ہو

یہ چاندنی کھلی ہوئی
ہزاروں سال سے یونہی
کہیں ہنسی کہیں خوشی
ہزاروں رنگ میں ملی
مگر نظر کی تنگی
کسی طرح نہ مٹ سکی
ہمارے واسطے بھی تو
یہ عید خوش نصیب ہو
جو تم ملو تو عید ہو
جو تم ملو تو عید ہو

سحر انجم کی ڈائری سے

اصغر عباس کی نظم

فریب

مجھے خبر تھی
کہ بادِ صبا کے جھونکے کو
میں اپنی سانسوں میں کچھ دیر روک سکتا ہوں
گلوں کی خوشبو بھی کچھ پل ہی ساتھ دے گی میرا
وہ نغمہ جو کہ سماعت میں رس بکھیرتا ہے
رہے گا اس کا بھی امنگ
بس گھڑی کے گھڑی
راہِ حیات میں اس روشنی کا رنگین خمار
بس اگلے موڑ پہ مجھ سے بچھڑنے والا ہے
میری تمام مسافت رہے گی لاحاصل
میں جانتا تھا
میں جانتا تھا مگر کیا کسی کو بتلاتا
اس عارضی تعلق میں کتنا جیون تھا
اس فریب میں کتنا سکون پنہاں تھا

حمیرا علی کی ڈائری سے

محسن نقوی کی نظم

وہم

وہ نہیں ہے
تو اس کی چاہت میں
کس لیے
رات دن سنورتے ہو
خود سے بے ربط باتیں کرتے ہو
اپنا ہی عکس نوچنے کے لیے
خود..... الجھتے ہو، خود سے لڑتے ہو
ہم نہ کہتے تھے
ہجر والوں سے
آئینہ گفتگو نہیں کرتا

اشعار

بشریٰ طارق .... ٹوبہ ٹیک سنگھ
عید کے چاند کی مانند ہوا ہے اب تو
ہائے وہ شخص جو ہر روز ملا کرتا تھا

حنا نسیم .... کراچی
کسی اور کو آنے نہ دوں، تم کو کہیں جانے نہ دوں
کاش مل جائے تیرے دل کی حکمرانی مجھے

نور بانو .... کوئٹہ
خوشیوں سے ہمکنار رہیں آپ تا حیات
ہر روز، روزِ عید ہو، ہر شب، شبِ برات

دھنک ناز .... کراچی
کتنی عیدیں گزر گئیں تم بن
اب خدا کے لئے نہ تڑپانا
دیکھو پھر عید آنے والی ہے
عید کے ساتھ تم بھی آ جانا

شمع پروین .... فیصل آباد
دیکھا ہلالِ عید تو یہ یاد آ گیا
لو ایک اور سال جدائی میں کٹ گیا

صبا سحر .... ہارون آباد
ہنسی خوشی ترے جیون کا ہر سفر گزرے
میری دعا ہے تیری عید خوب تر گزرے

صنوبر خرم .... کمالیہ
عید کے چاند سب سے چھپ کر تو
مجھ کو اس چاند کا پتہ دینا
میری آنکھوں سے دیکھ کر اس کو
حال میرا اسے بتا دینا

بسمہ علی .... سکھر
عید کا چاند فلک پر نظر آیا جس دم
میری پلکوں پہ ستارے تھے تری یادوں کے

رضوانہ اکبر .... کہروڑ پکا
نظر سے قتل کر ڈالو نہ تکلیف دونوں کو
تجھے خنجر اٹھانے کی مجھے گردن جھکانے کی

اقراء چنہ .... کراچی
اے شمع تجھ پہ رات یہ بھاری ہے جس طرح
ہم نے تمام عمر گزاری ہے اس طرح

سائرہ حسن .... حیدر آباد
لبوں پہ رنگِ تبسم نہ دل میں موج سرور
مرے وطن کے غریبوں کی عید کیا ہو گی

زویا خان .... اشرف نگر
لوگ کہتے ہیں کہ لوٹ آتے ہیں جانے والے
تو نے تو جا کے جدائی میری قسمت کر دی

فرزانہ شوکت .... کراچی
میں اپنی دوستی کو شہر میں رسوا نہیں کرتا
محبت میں بھی کرتا ہوں مگر چرچا نہیں کرتا
جو مجھ سے ملنے آ جائے اس کا دل سے خادم ہوں
جو اٹھ کر جانا چاہے ان کو روکا نہیں کرتا

سیدہ امبر ہاشمی .... کراچی

جہاں پھولوں کو کھلنا تھا وہیں کھلتے تو اچھا تھا
تم ہی کو ہم نے چاہا تھا تم ہی ملتے تو اچھا تھا
نور بانو .... کوئٹہ

میرے خلوص کا جب کوئی ذکر کرتا ہے
میرے حریف بہت شرمسار ہوتے تھے
سباس گل .... رحیم یار خان

زخم تازہ اور لو دینے لگے
ہیں کہاں پہلے سی خوشیاں عید کی
آ رہے ہیں یاد سب بچھڑے ہوئے
کیا منائے کوئی خوشیاں عید کی
ثناء خان صنعا .... ملتان

کسی دن سوچ لو پچھتاؤ گے
تمہیں چسکا بہت ہے بے رخی کا
رابعہ تبسم .... میانوالی

عید کا چاند نظر آئے گا جس دم مجھ کو
میں تیرے وصل کی اے دوست دعا مانگوں گا
میں جو برسوں سے ہوں تنہائی کے صحرا میں مقیم
اب تیرے عہدِ رفاقت کی دعا مانگوں گا
ثمن اکرم .... پتوکی

اس کو میری نہ مجھے اس کی خبر جائے گی
عید اب کے بھی دبے پاؤں گزر جائے گی
ایمن بٹ .... لاہور

وسوسے پیار کے مٹے آخر
بے کلی اپنی رنگ لائی
آپ میں ہم میں رنج ہی کب تھا
آپ آئے ہیں عید آئی ہے
عائشہ خان .... کراچی

دل کسی ماہی بے تاب کی صورت اے دوست
تیری فرقت میں تڑپتا ہی رہا عید کے دن
تیری قربت کا زمانہ، تیری فرقت کا ملال
کسی صورت بھی بھلایا نہ گیا عید کے دن
ثمرین اسلام الدین .... کراچی

مت ہوا تنا مخلص کسی کے لئے اس دنیا میں ساحل
کسی کے لئے جان بھی گنوا دو تو کہتے ہیں زندگی اتنی تھی
ثنا قیوم .... بہاولپور

جس دل میں غم نہیں ہوتا
روز اس کی عید ہوتی ہے
سحر انجم .... کراچی

ذہن الجھا ہوا ہو اگر اپنی پریشانی میں
دل کو احساس محبت بھی گراں ہوتا ہے
لوگ اس دنیا کی دوزخ سے ڈراتے ہیں مجھے
مجھ کو اس دنیا پہ دوزخ کا گماں ہوتا ہے
وریشہ خان .... حیدر آباد

ترستے تھے جو ملنے کو ہم سے کبھی
آج وہ کیوں میرے سائے سے کتراتے ہیں
ہم بھی وہی ہیں دل بھی وہی ہے
نہ جانے کیوں لوگ بدل جاتے ہیں
یاسمین کنول .... گجرات

مل ہی جائے گا کبھی دل کو یقین رہتا ہے
وہ اسی شہر کی گلیوں میں کہیں رہتا ہے
روز ملنے پہ بھی لگتا تھا کہ جگ بیت گئے
عشق میں وقت کا احساس نہیں رہتا ہے
تحریم رانا .... فیصل آباد

وہ جذبوں کی تجارت تھی دل کچھ اور سمجھا تھا
اسے ہنسنے کی عادت تھی دل کچھ اور سمجھا تھا
مجھے اس نے کہا آؤ نئی دنیا بساتے ہیں
اسے سوجھی شرارت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا

☆☆☆☆☆

نورین ملک

اس ماہ میں

اس ماہ کا اقتباس

اللہ ارحم الراحمین ہیں:

رسول پاک ؐ کی ایک حدیث ہے کہ حشر میں ایک ایسا آدمی اللہ کی عدالت میں آئے گا کہ جس کے اعمال میں صرف ایک عمل کی کمی ہوگی تو حق تعالیٰ فرمائیں گے جاؤ اپنے عزیز رشتے داروں، بھائی باپ سے ایک نیکی مانگ لاؤ۔ اگر ایک نیکی مل جائے تو تم جنت میں جا سکتے ہو۔ وہ برادری کے پاس جائے گا، دوستوں کے پاس جائے گا، والدین کے پاس جائے گا لیکن وہاں تو نفسا نفسی کی پکار ہوگی کوئی اس کی نہیں سنے گا، نیکی نہیں ملے گی، وہ بے چارہ مایوس ہو کر جب واپس لوٹے گا تو ایک آدمی بیٹھا ہوگا، وہ اسے دیکھے گا کہ وہ بڑا پریشان، بڑا مضطرب آ رہا ہے تو وہ پوچھے گا کیا ہوا میاں۔ یہ کہے گا کہ ایک نیکی کم تھی اگر وہ مل جاتی تو جنت میں چلا جاتا لیکن کسی نے بھی نہیں دی، نہ بھائیوں نے نہ دوستوں نے یہاں تک کہ ماں باپ نے بھی آج نہیں پوچھا۔ تو وہ آدمی کہے گا کہ میرے پاس ایک ہی نیکی ہے اسے تو لے جا، ایک اکلوتی نیکی سے میرا کیا بنے گا؟ وہ بڑا خوش ہوگا اس سے ایک نیکی لے کر۔ رب کے پاس حاضر ہو کر کہے گا مجھے نیکی مل گئی، مجھے جنت عطا کیجیے۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے یہ نیکی تجھے کس نے دی؟ اس آدمی کو بلایا جائے گا جس نے نیکی دی تو رب العالمین فرمائیں گے آج تو ماں بیٹوں کو نہیں پوچھتی، باپ اولاد کو نہیں پوچھتا، بھائی بھائیوں کو بھول چکے ہیں یہ نیکی تو نے کیسے دے دی؟ تو وہ کہے گا اے رب العالمین! میرے پاس تو تھی ہی ایک نیکی، میں نے سوچا کہ میرا تو کچھ بنے گا نہیں، یہ تیرا بندہ کیوں نہ جنت میں چلا جائے۔ حدیث میں ہے کہ تب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو نے دوسرے کا خیال کیا، جاؤ تم دونوں کو جنت بھیجتا ہوں۔

سید عبدالمجید ندیم شاہ کی تصنیف
''جواہرات ندیم'' سے اقتباس
عانیہ نیازی...... ربوہ

اس ماہ کا افسانچہ

آج میں کتنے فخر سے تمہارے ساتھ پارٹی میں آیا تھا مگر تم نے جو میری بے عزتی کروائی ہے اسے شاید میں کبھی نہ بھلا پاؤں۔ تمہاری خوبصورتی دیکھ کر میں اتنا دیوانہ ہو چکا تھا کہ میں نے کسی کی بات نہیں مانی حالانکہ گھر والوں نے مجھے سمجھایا بھی تھا کہ میں تمہارا ساتھ چھوڑ دوں کیونکہ اب تم میرے ساتھ چلنے کے قابل نہیں ہو مگر میں نے کسی کی پرواہ نہ کی اور تمہارے ساتھ پارٹی میں آ گیا مگر اے میری منحوس

جوتی بھری محفل میں تمہارے ٹوٹ جانے سے مجھے جو شرمندگی اٹھانا پڑی اس کا اندازہ تو بس مجھے ہے۔

ثناء ملک...... کراچی

اس ماہ کی خوش کلامی

گوشت مرغی کا جو اک شاپ سے لے کر نکلا
پڑ گئے پیچھے میرے شہر کے سارے کوے
اور بولے تجھے گھر تک نہیں جانے دیں گے
آ رہی ہے ہمیں اس گوشت کے ہر ریشے سے
اپنے کھوئے ہوئے بھائی کی خوشبو اب تک

دھنک ناز...... کراچی

اس ماہ کے اقوال

☆ اپنا اندازِ گفتگو نرم رکھو کیونکہ لہجے کا اثر الفاظ سے زیادہ اثر رکھتا ہے۔

☆ خاموشی ایک بند دروازہ ہے جس کے پیچھے حماقت بھی ہو سکتی ہے اور لیاقت بھی۔

☆ کسی عالم دین سے ایک گھنٹے کی گفتگو دس برس کے مطالعہ سے افضل ہے۔

☆ جن لوگوں کے ساتھ اچھے خیالات اور اچھی کتابیں ہوتی ہیں وہ کبھی تنہا نہیں ہوتے۔

☆ سادگی کو انتہا تک لے جانے سے ہی خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔

☆ خوش کلامی ایک ایسا پھول ہے جو کبھی بھی نہیں مرجھاتا۔

☆ جو شخص اپنا راز پوشیدہ رکھتا ہے وہ اپنی صلاحیتوں کو اپنے قبضے میں رکھتا ہے۔

☆ مرد کی عقل کی دلیل اس کا قول ہے۔

☆ انسان اگر حوصلہ مند ہو تو اس کے ہاتھ میں مٹی بھی سونا بن جاتی ہے۔

☆ اپنے آپ کو کبھی کسی کی نظروں میں نہ گرنے دو کیونکہ لوگ تو گرے ہوئے مکان کی اینٹیں بھی اٹھا کر لے جاتے ہیں۔

☆ دل اداس ہو تو گونجتی شہنائیاں بھی انسان کو متوجہ نہیں کر سکتیں۔

زینب نور...... ملتان

اس ماہ کی غزل

جو بھی مشکل کام تھا کرنا اچھا لگا
اس ندی کے پار اترنا اچھا لگا
لفظوں میں تصویر بنا کر چاہت کی
اس میں رنگِ معانی بھرنا اچھا لگا
ہم نے دیکھا اس کو ایک بلندی پر
اور وہاں پر اس کا ڈرنا اچھا لگا
وہ خوشبو کی صورت آ کر پھیلا تو
ہمیں بھی اپنا اور بکھرنا اچھا لگا
جس رستے سے سارے لوگ پلٹ آئے
اس رستے سے مجھ کو گزرنا اچھا لگا
سعد نگار کی صورت اس نے پیدا کیا
جس کو بننا اور سنورنا اچھا لگا

شاعر: سعد اللہ شاہ

انتخاب: جلیشاہ...... حیدر آباد

اس ماہ کی خود فراموشی

تا حد نگاہ نیلا سمندر
ابھرتی تصویر تیری
اوجھل ہوتی ذات میری

سعدیہ عابد...... کراچی

اس ماہ کا مزاحیہ قطعہ

اب کے پھر عید کارڈ میں اس نے
لفظ اک بے دھیان لکھا ہے
پھر مری عید کرکری کر دی
پھر مجھے بھائی جان لکھا ہے

نادیہ مرتضیٰ...... اسلام آباد

اس ماہ کی ہری مرچیں

☆ چپل ٹوٹ جاتی ہے تو موچی کے پاس جاتے ہیں، دل ٹوٹ جائے تو سپر مارکیٹ سے جاپانی اسٹیل کا دل لے لیں۔ اس دل کی یہ گارنٹی ہے کہ کوئی آپ کے ساتھ کتنی بھی بے وفائی کرے آپ ٹوٹ جائیں گے مگر دل نہیں ٹوٹے گا۔

☆ شادی کی ایک رسم میں دولہا کی سالیاں اس کے جوتے چھپاتی ہیں اور دولہا سالیوں کو نقد رقم دے کر جوتے حاصل کرتا ہے۔ بعد میں ساری زندگی دولہا کو یہی جوتے کھانے پڑتے ہیں، تب وہ سوچتا ہے کہ کاش شادی کے موقع پر جب جوتے چھپائے گئے تھے تو وہ انہیں چھپا ہی رہنے دیتا۔

☆ دولہے اور چولہے میں یہ فرق ہے کہ چولہا ماچس کی تیلی دکھانے پر بھڑک کر جلتا ہے جبکہ دولہا ساری عمر سلگتا رہتا ہے۔

☆ شادی کے موقع پر دولہا کے دوست رشتے دار ناچتے ہیں اور دولہا ان کو دیکھتا ہے۔ شادی کے بعد ساری زندگی دولہا ناچتا ہے بیوی کے اشاروں پر، سب دیکھتے ہیں مگر عبرت پھر بھی کوئی حاصل نہیں کرتا۔

☆ بجلی اور دل، ان دونوں کو جب جلایا جائے تب جلتے ہیں۔ بجلی جلنے سے روشنی ہوتی ہے جبکہ دل جلنے سے روشنی میں بھی اندھیرا ہو جاتا ہے۔ بجلی جلتی ہے تو بل آتا ہے، دل جلتا ہے تو بل تو نہیں آتا، البتہ زیادہ جلنے سے فیوز اڑ جاتا ہے اور لوگ آتے ہیں...... تعزیت کے لئے۔

☆ چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ چھری پر، نقصان چھری کا ہی ہوتا ہے، اس لئے کہ چھری کو دھونا پڑتا ہے۔ اسی طرح شادی کے بعد دولہا ماں کی خدمت کرے یا بیوی کی؟ نقصان دولہا کا ہی ہوتا ہے اس لئے کہ ماں یا بیوی، دونوں میں سے جس ایک کو حاصل کرو دوسری ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔

☆ بیوی اور ٹی وی میں یہ فرق ہے کہ ٹی وی کو جب چاہیں بند کر سکتے ہیں۔

ایس امتیاز احمد...... کراچی

اس ماہ کی نظم

تتلیوں نے ہولے رکھا قدم
رنگ آ کر کے فضاؤں میں
چار سو
جھلملاتے رنگوں میں
خوشبوئیں ہیں عجب دیوانی سی
ہر طرف سرمئی اجالا ہے
نرم، گداز مومی پریوں کے
رنگ بکھرے ہوئے ہیں دھرتی تک
رنگ لیکن اتر نہ جائیں کہیں
شام تو دور ہے مگر جاناں!
دھوپ نے "پر" کتر لیے اپنے

حمیرا علی...... کراچی

☆☆☆☆☆☆

اس ماہ کی کرنیں

☆ سورج کی طرح شخصیت بناؤ جو ہمیشہ کرنیں بکھیرتا ہے۔

☆ کسی بھی کام کو شروع کرنے سے پہلے دوسروں سے مشورہ لے لینا چاہیے۔ اس طرح ہم بہت سے نقصان سے بچ سکتے ہیں۔

☆ تھوڑی سی محنت، تھوڑی سی مستقل مزاجی اور چند دوستوں کی مدد سے آپ بڑے سے بڑا کام کر سکتے ہیں۔

☆ جب دعا سے بات نہ بنے تو فیصلہ اللہ پر چھوڑ دو' اللہ تعالیٰ بندوں کے بارے میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

☆ غلطی کرنا انسانی صفت ہے اور اپنی غلطی تسلیم کرلینا ایک عظیم صفت ہے۔

☆ آپ اخلاق کا شہر بن جائیں' پھر دیکھیں کہ لوگ مکھیوں کی طرح آپ کے پاس اڑتے ہوئے آئیں گے۔

☆ جب آدمی کو آخرت کی فکر لگ جائے تو اس کیلئے ہر چیز عبرت ہے۔

☆ جو شخص ارادے کا پکا ہو وہ دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔

☆ ہر حال میں صبر کا مظاہرہ کرنے والا ہمیشہ کامیاب رہتا ہے۔

☆ ترقی اس وقت شروع ہوتی ہے جب یہ یقین کرلیا جائے کہ جو بات ضروری ہے وہ ممکن ہے۔

☆ ہمیشہ نتائج حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ یہ نہ سوچو کہ دوسرے تمہاری کتنی تعریفیں کریں گے۔

☆ مایوس لوگ ہر اچھے موقع میں کوئی نہ کوئی مشکل تلاش کر لیتے ہیں اور پرامید لوگ ہر مشکل میں کوئی نہ کوئی اچھا موقع ڈھونڈ نکالتے ہیں۔

☆ کبھی کبھار جلدی میں فیصلہ کرنا بھی نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔

☆ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ چیز جو آسانی سے دستیاب ہو اس کی اہمیت نہیں ہوتی اور وہ چیز جو مشکل سے ملے اس کی شدت سے خواہش کی جاتی ہے۔

☆ دوسروں کے درد کو کم کرنے کا مطلب ہے کہ آپ اپنے درد کو بھول جاتے ہیں۔

☆ ہر مصیبت کے دوسرے سرے پر کوئی نہ کوئی اچھائی ضرور ہوتی ہے۔

نور بانو...... کوئٹہ

اس ماہ کی بات

انسان مایوس اور پریشان اس لیے ہوتا ہے ''کیونکہ انسان اپنے رب کو راضی کرنے کے بجائے لوگوں کو راضی کرنے میں لگ جاتا ہے''۔

حنا علی...... سیالکوٹ

اس ماہ کا قطعہ

یہ سر اٹھا کر کبھی نہ چلتے
وہ چال میں بانکپن نہ ہوتا
نجانے کس کے غلام ہوتے
اگر یہ اپنا وطن نہ ہوتا

سباس گل...... رحیم یار خان

☆☆☆☆☆☆......

نورین ملک



حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

حضرت ابو العباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول آپ میری ایسے عمل کی طرف رہنمائی کریں جسے میں کروں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کریں اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں''۔

آپؐ نے فرمایا: ''دنیا سے بے رغبت ہو جا۔ اللہ تجھ سے محبت کرے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے رغبت ہو جا' لوگ تجھ سے محبت کریں گے''۔ (بخاری مسلم)

غوثیہ محسن...... لاہور

سنہری باتیں

☆ کبھی کسی کو اپنی صفائی مت دو کیونکہ جو آپ سے پیار کرتا ہے اس کو ضرورت نہیں اور جو نفرت کرتا ہے وہ کبھی یقین نہیں کرے گا۔ (حضرت علیؓ)

☆ ہر شخص کو اتنی اہمیت دو جتنی وہ تم کو دیتا ہے اگر ضرورت سے کم اہمیت دو گے تو مغرور کہلاؤ گے ضرورت سے زیادہ دو گے تو اپنی نظروں سے گر جاؤ گے۔ (حضرت علیؓ)

سیدہ امبر ہاشمی...... کراچی

سنہری کرنیں

☆ ستائش انسانی شخصیت کے خدوخال تراشتی ہے۔

☆ ہر حماقت کے بعد انسان یہ سمجھتا ہے کہ اب وہ بڑا ہو گیا ہے اب وہ سمجھدار ہو گیا ہے لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے اس کا ثبوت اگلی حماقت ہوتا ہے۔

☆ حد سے زیادہ محتاط رویہ بھی نقصان کا باعث بنتا ہے۔

☆ اعتبار کی مالا کبھی ٹوٹنے نہ دو کہ انمول مالا کے موتی بکھر جائیں تو تلاش کے باوجود اس مالا کے چند موتی آپ کو کبھی نہیں ملیں گے۔

☆ جو غم گزر چکا ہے اس پر رنجیدہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ہم ایک نئے غم کو دعوت دے رہے ہیں۔

☆ ماں محبت کا ایسا مہکتا پھول ہے جو کبھی نہیں مرجھاتا اور اس کی خوشبو ہمارے وجود کا حصہ بن جاتی ہے۔

☆ کسی سے اس طرح جھگڑا مت کرو کہ مصالحت کی گنجائش نہ رہے۔

☆ زیادہ قسمیں کھانے والا زیادہ جھوٹ بولتا ہے۔

☆ ہار جانا اذیت ناک سہی مگر اس سے زیادہ اذیت ناک خود کو ہر وقت ہار کی یاد دلاتے رہنا ہے۔

☆ اپنے آپ سے مت لڑیئے ہار جائیں گے۔

طوبیٰ رضا...... بہاولپور

لاجواب

ایک تقریب میں مدعو خواتین فیشن پر باتیں کر رہی تھیں زیورات سے لدی پھندی ایک عورت سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی اس کے پاس بیٹھی عورت نے اسے مخاطب کر کے کہا۔ ''تمہیں ایسی محفل میں زیورات پہن کر نہیں آنا چاہیے تھا''۔

''میں بھی جانتی ہوں''۔ امیر عورت نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ ''جب میرے پاس زیور نہ تھے تو میں بھی آپ ہی کی طرح سجی تھی''۔

افشین مرتضیٰ...... سیالکوٹ

ریفری

آج اس کا فیکٹری میں پہلا دن تھا کہ ایک فورمین اس کے پاس آیا اور پوچھنے لگا۔

''تم ہماری فٹ بال ٹیم میں شامل ہونا پسند کرو گے؟''

''یقیناً پسند کرتا''۔ نوجوان نے مسکرا کر جواب دیا۔

''مگر مجبوری یہ ہے کہ آج تک میں نے فٹ بال نہیں کھیلی''۔

''کوئی حرج نہیں''۔ فورمین نے کہا۔

''ہمیں کھلاڑی کی نہیں بلکہ ریفری کی ضرورت ہے''۔

راحیلہ سمیع...... اسلام آباد

طبی مہارت

لڑکی کے باپ نے نوجوان کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''نکل جاؤ یہاں سے مجھے تو آج معلوم ہوا ہے کہ تم گورکن ہو حالانکہ تم کہتے تھے کہ میں ڈاکٹر ہوں''۔

''جناب! میں نے آج تک خود کو ڈاکٹر نہیں کہا بلکہ ہمیشہ یہی کہتا رہا ہوں کہ میری روزی کا دارومدار صرف طبی پیشے کی مہارت پر ہے''۔

عانیہ نیازی...... ربوہ

ضرورت رشتہ

جرمنی کے ایک قصبے میں پولیس نے ایک آدمی کو بارش میں ایک اونچے درخت پر بیٹھے اس وقت گرفتار کیا جب وہ سامنے کے ایک مکان میں کام کاج میں مصروف لڑکی کو مسلسل گھورنے میں محو تھا' اس سے جب اس حرکت کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے بتایا: ''میں اس لڑکی کو پرپوز کرنا چاہ رہا ہوں مگر پہلے میں ذرا جائزہ لے رہا تھا کہ واقعی وہ گھر کی ذمے داریاں اٹھانے کی صلاحیت رکھتی ہے یا نہیں''۔

شازیہ عمر...... کراچی

ہدایت

ایک صاحب جیسے ہی میوزیم میں داخل ہوئے محافظ نے انہیں روک دیا اور کہا۔

''ماچس یا لائٹر وغیرہ گارڈ روم میں چھوڑ جایئے''۔

''لیکن میرے پاس ماچس یا لائٹر نہیں ہے' میں سگریٹ نہیں پیتا''۔ ان صاحب نے جواب دیا۔

''تب پھر آپ اندر نہیں جا سکتے''۔ محافظ بولا۔

''ہمیں سختی سے ہدایت کی گئی ہے کہ سگریٹ یا لائٹر گارڈ روم میں چھوڑے بغیر کوئی شخص اندر داخل نہیں ہو سکتا''۔

تعظیم ملک...... کراچی

سوا سیر

شوٹنگ سے واپسی پر ایک اداکارہ نے دوسری سے کہا۔

''تمہیں معلوم ہے میں نور صاحب کی فلم میں بغیر میک اپ کے کام کر رہی ہوں''۔ دوسری اداکارہ نے کہا۔

''اور یہ فلم ڈراؤنی ہے ناں؟'' پہلی اداکارہ نے حیرت سے کہا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا؟''

''مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ تم اس فلم میں چڑیل کا کردار ادا کر رہی ہو''۔ دوسری اداکارہ نے بے نیازی سے جواب دیا۔

صبا سحر...... ہارون آباد

زندگی کا سفر

زندگی اپنے اندر بہت سے دکھ سمیٹے ہوئے چند الفاظ ان دکھوں کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ دکھوں میں سب سے بڑا دکھ شاید ''غربت'' ہے۔ جس کے ہاتھوں مجبور لوگ اتنے بے بس ہو جاتے ہیں کہ زندگی تک کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ غربت کی چکی میں پسے ہوئے لوگ بہت سی خواہشوں' آرزوؤں کو دل کے قبرستان میں دفن کر دیتے ہیں البتہ ان کی آنکھوں سے چند آنسو ضرور بہہ جاتے ہیں کیونکہ بہرحال انسان بے حد کمزور واقع ہوا ہے۔

اس معاشرے میں دوسروں کا دکھ درد محسوس کرنے والے چند لوگ ہی ہیں جو ان مجبور انسانوں کے آنسو پونچھ ڈالنا چاہتے ہیں۔ اپنے محدود وسائل کے باوجود وہ دوسرے انسان کا دکھ سمیٹ لینا چاہتے ہیں اور شاید دنیا ان ہی لوگوں کے وجود سے قائم ہے۔ ایسے دردمند لوگ جانتے ہیں کہ دنیا فانی ہے اور عاقبت سنوارنے کے لئے لوگوں کی دعاؤں سے زیادہ کوئی اور تحفہ نہیں ہو سکتا۔

ایس امتیاز احمد...... کراچی

محبت

محبت کے بغیر روح کا چشمہ خشک اور جسم راکھ کی مانند ہے۔ یہ ایسا طلسمی چراغ ہے جو اندھیرے سے روشنی اور روشنی سے اندھیرے میں لاتا اور لے جاتا ہے۔ محبت خاموش اور اس کا دکھ بڑا غمگین اور زیادہ گنگ ہے تاہم یہ قدرت کا سب سے بڑا انعام ہے اور دنیا کی حسرتوں میں سب سے بڑی حسرت ہے۔ چاند کا وجود چاندنی سے اور پھولوں کا وجود خوشبو سے ہوتا ہے لیکن محبت اپنا وجود خود ہے اسے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

فرزانہ شوکت...... کراچی

قطعہ

کیے جا رہے ہیں یہ بجلی کی باتیں
انہیں اور کچھ بات آتی نہیں ہے
بڑے فخر سے اہل زر کہہ رہا تھا
کبھی اپنی بجلی تو جاتی نہیں ہے

کلام وانتخاب:
راؤ تہذیب حسین تہذیب...... رحیم یار خان

☆☆☆☆☆

دریچہ ہمسایہ

غزل

دیکھتی ہیں میری آنکھیں نظارے کیسے کیسے
آشیاں سے اٹھتے ہیں شرارے کیسے کیسے
جان بوجھ کے بھی نہیں ملتا وہ مجھے
زمانے میں مہرباں ہیں ہمارے کیسے کیسے
نہیں گلہ تجھ سے بے وفائی کا ہم نشیں
تقدیر میں اپنے ہیں انگارے کیسے کیسے
نظروں سے دور جا کے بھی تو خوش رہے
چمکتے ہیں آسماں پر ستارے کیسے کیسے
بد نصیبی ہے میری تیرے ستم سہتا ہوں
تیری مسکراہٹ کے ہیں نظارے کیسے کیسے
زندگی بھی ہم نے داؤ پر لگا دی ہے جاوید
چمن میں پھول مہکتے ہیں پیارے کیسے کیسے

محمد اسلم جاوید

غزل

کروں تو کس لیے آخر ملال اس کا
اسے نہیں تو مجھے بھی نہیں خیال اس کا
میری وفا نے بنایا ہے بے وفا اس کو
کسی ادا پر نہیں ہے کمال اس کا
میرے نصیب کی یہ بھی تو خوش نصیبی ہے
کہ مجھ کو دیکھ کے سب پوچھتے ہیں حال اس کا
یہی دعا میں کروں ہر برس کے پہلے دن
میرے بغیر نہ گزرے کوئی بھی سال اس کا
میرے عروج کو اس کے نصیب میں لکھ دے
خدائے پاک مجھے سونپ دے زوال اس کا

ناصر عباس

بس تیرے نام

میں تمہیں اتنا پیار دوں گی تیرے دل میں خود کو اتار لوں گی
چن کر الجھنیں ساری، تیری زندگی سنوار دوں گی
اپنی آنکھوں کے سبھی خواب تیری پلکوں پر بن کر
زخموں میں اتر کر، سب درد نکال دوں گی
شام میں تھک کر لوٹو گے گھر جب تم
اپنی کومل بانہوں میں لے کر، ساری تھکن اتار دوں گی
ناشتہ بناتے ہوئے تیرے بہانوں کو سوچوں گی جب
بہکے گا دل تو میرا بھی، ہنس کر تھوڑا اسے ڈانٹ دوں گی
ٹھہرنے کو کچھ دیر اور پاس میرے تم ناشتہ کرنے میں دیر کرو گے
میں خفا سی ہو جاؤں گی، پر دل میں، میں مسکراؤں گی
تیری ہر صبح ہر شام یونہی نکھار دوں گی
میں اپنے جیون کی ساری چاہت تمہیں سنبھال دوں گی

صائمہ ناز

عید

اُس نے پوچھا!
عید تمہاری کیسے ہوگی؟
میں نے کہا
جب دور اُفق پر، چندا مسکائے گا
اور
پیام تمہارا لائے گا
کہ تم مجھ سے ملنے آئے ہو
اور تحفے بھی سنگ لائے ہو
تو
عید میری ایسے ہوگی
نہ تم آئے تو
عید میری کیسے ہوگی؟

سباس گل

نظم

وہ اک لمحے کا منظر تھا
وہ دن خوشیوں کا سمندر تھا
میں جاتے جاتے رک سا گیا
ان گوری گلابی کلائیوں میں
اک لمحے کو الجھ سا گیا
نہ تھی امید کہ تو میرا
ایک سستا سا اک عام سا
لیکن!
چاہت سے بھرپور تحفہ
اپنے ہاتھوں میں سجائے گی
وہ نیلی پیلی ہری سی
تیرے ہاتھ کی کھنکتی چوڑیوں نے
دوبالا کر دیا خوشیوں کو
مہکا دیا میرے سپنوں کو
اور تیرے اس انداز نے مجھے چپکے سے
اقرار کا پیغام دے دیا
عید کا سلام بھی دے دیا
اور تیرا یہ انوکھا انداز
میرے عید کے سارے تحفوں میں
سب سے حسین اور قیمتی ہے

تبسم فیاض

نظم

تمہارے نام کی ہتھیلی پر
دعا کے حروف
کچھ یوں لکھتے ہیں کہ
تیری عمر کے دیئے کو تند ہوا
کی نظر نہ لگے
تیری آنکھوں میں قوس وقزح ہو
جگنو ہوں اور
تارے ہوں
اور تمہیں
عید مبارک ہو (آمین)

سحر انجم

غزل

دل کے دروازے پر کوئی دستک دیتا ہے
خیال کی کھڑکی کے باہر یادوں کا دریا بہتا ہے
اور نیند کے زینے سے کوئی چپکے چپکے
دل میں اترتا جاتا ہے
اپنے دل کا حال سنائیں کس کو
جو ہے اپنی ذات میں گم وہ رہتا ہے
پرانے محلے میں کوئی اب آشنا نہیں باقی
لیکن ہاں ایک بوڑھا برگد رہتا ہے
گلی کے موڑ کا جو قبرستان ہے
آون' جاون موت اپنی یاد دلاتا رہتا ہے

عامر عزیز

قرب

قرارِ دل کی کہاں فکر ہے
عجب تشنہ سی یہ سحر ہے
میری آنکھوں میں......
اس کے لمس کی خوشبو رچی بسی ہے
خمارِ شب عروج پر ہے
لب و لہجے سے جھلکتی شوخی......
وصل میں ڈوبی ہوئی خوشی......
کہ......
وجود اس میں سما چکا ہے
اس قدر......
کہ احساس قرب......
سے تشنگی بڑھتی جاتی ہے......
شہر دل میں چودھویں کا سماں ہے......
کہ اظہار آنکھوں سے بیاں ہے......
میری ذات کی تکمیل کا وہ لمحہ......
رگ و جان میں یوں بس چکا ہے
کہ تا عمر......
اس کی مہک سے روح معطر رہے گی......!

سمیرا غزل

نظم

زندگی کیا ہے
کوئی نہیں جانتا
پل کی مسکراہٹ
یادو پل کا رونا
پل کی خوشی
یادو پل کا غم
پل کا سکھ
یادو پل کا دکھ
سکھ کا ساگر
یاد کھ کا دریا
اک پہیلی ہے
آپ جواب جانتے ہو

حمیرا اسلمان سومرو

نظم

ہم نے اپنے ہاتھ اٹھا کر تمہیں مانگا
بڑی چاہت ہے کہ ہاتھ تھامیں تمہارا
دل کے بھی دروازے تمہاری ہی طرف کھلتے ہیں
پلکوں پر تمہاری ذات کا ارمان لئے پھرتے ہیں
دیکھ کے مسکرائے تم اور چلے گئے......
وہ پل تو گزر گئے مگر تمہاری یادیں چھوڑ گئے
ہم تمہیں یاد کرتے ہیں جن پلوں میں
وہ پل یونہی گزر جاتے ہیں
حال ہمارا سن کے تم بھی
اپنا حال سنا دو ہم کو
ہماری طرف چلے آؤ
یا اپنے پاس بلا لو ہم کو
جس لمحے تم آ جاؤ گے
جس دن ہمارے ہو جاؤ گے
وہ لمحے بیت نہ جائیں کہیں
وہ دن گزر نہ جائیں کہیں

نین شاہ

غزل

محبت کی یہ کن راہوں پہ ہے تو چل پڑا کامی
یہاں ہو گا نہ کچھ حاصل چلو آؤ واپس چلیں کامی
فقط مطلب کے ہیں یہ لوگ دلوں سے کھیلتے ہیں بس
تو کر لے جتنی بھی چاہت صلہ دھوکا ہی ہے کامی
پڑے گا وقت تو آئیں گے سنیں گے سنائیں گے
وگرنہ سن کے بھی یہ اَن سنا کر جائیں گے کامی
بہت شاطر ہے یہ دنیا سیاست ہی سیاست ہے
تو اک سادہ سا مجنوں ہے تیرے بس میں نہیں کامی

ایم کامران کامی

غزل

بچھڑ کے تم سے کیوں
نہ روؤں میں زار و قطار
نہ رہا دعاؤں میں میری اثر
ہو گیا ہے ہر سجدہ بے کار
اپنی منزل سے بھٹکا میں
راستوں میں ہوا ہوں خوار
ہیں چہروں پہ یہاں چہرے کئی
کوئی چہرہ نہ اپنا کوئی مددگار

ثمر احمد

غزل

میں کہتی ہوں مجھے تم سے پیار ہے
وہ کہتا ہے یہ باتیں سب بیکار ہے
میں کہتی ہوں تیرا عکس میری آنکھوں میں جھلملاتا ہے
وہ کہتا ہے ہمیں رہنا خوابوں کے سنگ بھاتا ہے
میں کہتی ہوں تیرے ہجر کا زہر پینا دشوار ہے
وہ کہتا ہے یہ فقط تمہارا خیال ہے
میں کہتی ہوں بن تیرے میں جی نہ پاؤں گی
وہ کہتا ہے اک دن تم مجھے بھول جاؤ گی
میں کہتی ہوں میرے دل کو تیری صرف تیری آرزو ہے
وہ کہتا ہے کیسی فضول تمہاری خواہش ہے
میں کہتی ہوں میری مانگ میں اپنے نام کی افشاں سجاؤ

وہ کہتا ہے میرا ضبط نہ تم اس طرح سے آزماؤ
میں کہتی ہوں تیرے بناء میری ذات کو زوال ہے
وہ کہتا ہے کہ مجھے اس بات سے انکار ہے

رابعہ خان

نظم

تمہیں معلوم ہے ہمدم......
میرا دل بنجر رہتا ہے......
کہ کوئی خوشنما لمحہ......
یہاں اک پل نہیں رکتا......
میں دل کو لاکھ سمجھاؤں......
ہزاروں منتیں کرلوں......
مگر یہ مجھ سے روٹھا ہے......
کہ میں نے دل کی بستی میں......
تمہیں کیوں راجدھانی دی......
مگر دل یہ نہ جانے کہ......
یہاں ہم اپنی مرضی سے......
کسی کو لا نہیں سکتے......
میرے ہمدم میری اک التجا سن لو......
خدارا اب کسی کے من جا کے......
راجدھانی کو سدا آباد رکھنا تم......
کہ دل بنجر نہیں کرنا......
ہاں دل آباد رکھنا تم......
محبت شاد رکھنا تم......

ثنا خان صنعاء

نظم

سب میرے اپنے
تمہارے ساتھ
بیتے ہوئے دن
بیتی ہوئی شامیں
تمہاری باتیں
تمہارے سپنے
سب
میرے اپنے ہیں

نگہت اکرم

غزل

کیا تمہیں یاد ہے اب وہ زمانہ
بھلا سا سہانہ دلفریب زمانہ
چھوٹی چھوٹی باتوں پہ دیر تلک
روٹھنے منانے، ماننے والا زمانہ
دنیا کے جھمیلوں میں گزرتا ہمارا
بے فکری کے عالم میں ہنستا بستا زمانہ
ذہن کے گوشے میں پڑا مسکراتا ہے
شرارتوں نادانیوں سے بھرا پیارا زمانہ
یاد کر کے دل صدا دے رہا ہے
کاش کہ پلٹ آئے میرے بچپن کا زمانہ

ایمان علی

غزل

اتنا آسان نہیں تیرا یوں مجھ کو بھلا دینا
میں اتنا یاد آؤں گی تو جتنا بھی بھلائے گا
کبھی میں پیار تھی تیرا، تم مجھ کو ساتھ رکھتے تھے
اور اب دور ہو کتنا؟ مگر تمہیں پیار میرا ستائے گا
کیوں اتنے خفا ہو کہ مجھ کو تنہا چھوڑ گئے ہو
تیری یاد عمر بھر اداس رکھے گی بتا کب منائے گا؟
میرے دل کی سرزمین ہے تیرے بنا اداس
بتا کب تو آئے گا، کب پاس بلائے گا؟
تو چھوڑ کر تو جا رہا ہے مگر سن لے......
تو جب بھی لوٹ کر آئے گا مجھے منتظر پائے گا

فرح طاہر قریشی

چاند کی چاندنی

نجانے کیوں؟
چاند کو تکنا اچھا لگتا ہے
اس کی یادوں میں کھونا
اور کھو کر خود کو فراموش کر دینا
پھر دور سیاہ چادر تلے
اک حسین چاند کو
دیر تلک تکتے رہنا
اچھا لگتا ہے
اپنے اندر کے موسم کو بدل کر بھی
ہنستے ہنستے اداس ہو جانا
کبھی روتے روتے مسکرا دینا
اچھا لگتا ہے
چاند کی چاندنی میں کھونا
اور تاروں سے باتیں کرنا
اچھا لگتا ہے
رات سیاہ بادلوں میں
جب چاند کبھی چھپ جاتا ہے
اچانک دل اداس ہو جاتا ہے
آنکھوں کی چمک ماند پڑ جاتی ہے
اے کاش! آج چاند نظر آ جائے
دل کی اداسی دور ہو جائے
آنکھوں کی چمک بڑھ جائے
اور
دل کی خواہش پوری ہو جائے
اے کاش! آج چاند نظر آ جائے......
اے کاش! آج چاند نظر آ جائے......

مدیحہ اعجاز حسین

کیوں؟

ہوتا ہے دل خوش ذرا لیکن اداس پھر کیوں ہو جاتا ہے؟
ہنستے بستے گھر لمحوں میں اجڑ کیوں جاتے ہیں؟
اب دنیا کے اس دستور میں جیا جائے کیسے؟
نفرت کے مکروہ لبادے کو ہٹایا جائے کیسے کہ
محبت کی حسیں پوشاک سے خود کو چھپایا کیوں جاتا ہے؟
متاع دل کی بستی بنائے کس کس کے دل میں
وہ الفت بھرا دل ہی بک گیا حسد کے بازار میں
وہ یار معتبر تھے جو جہاں سے گزر گئے
سازشوں کے جال اب دنیا میں بکھر گئے
بتا دو کوئی تو ذرا کہ
اس دنیا کے دستور میں جئیں تو کیسے؟

زبیر اسلام

............☆☆☆............

سباس گل .... رحیم یار خان

پرخلوص اور شفیق صالحہ آپی السلام وعلیکم! دعا ہے کہ آپ اور ردا کی تمام ٹیم خیریت سے ہو آمین۔ بہت عرصے بعد آپ سے مخاطب ہوں۔ شادی کے بعد مصروفیت ہی اتنی بڑھ گئی ہے کہ کچھ لکھ نہیں پا رہی' بہت سی کہانیوں کے پلاٹ لکھے ہیں مگر وہی فرصت نہیں ملتی' ساس بھی بیمار' کبھی کوئی بیمار اور آنے جانے والے روز کے کیونکہ سب پاس پاس رہتے ہیں۔ تین دن کے لئے امی کے ہاں آئی تو ردا دیکھا۔ "اعتبارِ عشق" کی عمدہ اشاعت پر آپ کی بے حد ممنون ہوں' ہماری طرف سے ان تمام قارئین کا شکریہ ضرور ادا کیجیے گا جو ہمارے ناول پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ آپ سب کو صحت مند سلامت رکھے آمین۔ آپی! ہمیں دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا' جزاک اللہ۔

ثناء خان صنعا .... ملتان

ہم نہ بدلیں گے کبھی وقت کی رفتار کے ساتھ آپی جی
ملیں گے جب بھی تو انداز پرانا ہو گا

خلوص کے اس بہتے دریا میں ثناء خان صنعا اپنی آمد بہار کے ساتھ بمعہ ایک سندر سی چٹھی کے جو کہ مہکتا گلاب ہے اس دریا میں ڈال کے اک شریر سا ارتعاش پیدا کرنا چاہتی ہے تو جی باتوں کی پٹاری کھولنے سے پہلے.......

میری سوکیوٹ سی آپی جان لولی سی نورین جی اور سوئٹ سی تمام قارئین کو میرا خوشبوؤں سے لپٹا ہنستا مسکراتا دعاؤں کے بے شمار پھول نچھاور کرتا نٹ کھٹ سا سلام پرخلوص۔

خدا کی پاک ذات سے امید ہے کہ آپ سب بخیر ہوں گے اور خوشیوں کے ہنڈولوں میں جھولتے سرمستی میں زندگی کی دوڑ میں رواں دواں ہوں گے' بہت عرصے بعد اس دھنک رنگ بزم کا حصہ بنی ہوں بے حد خوشی ہو رہی ہے آپی جی تمام رائٹرز شازیہ جی' نائلہ جی' سباس جی' انعم جی بہت سپر لکھ رہی ہیں مگر آپ کی بات ہی اور ہے کتنا پرسکون اور دل پر چھا جانے والا اندازِ تحریر ہے آپ کا واہ...... باقی تمام رائٹرز بھی بہت اچھا لکھتی ہیں۔ باقی کچن کارنر سے سگھڑ بی بی تو سنگھار لیڈی ڈیانا بننے کی جستجو میں لگے رہتے ہیں اتنا مکمل ہو گیا ہے ردا کہ اب کسی اور ڈائجسٹ کو پڑھنے کو دل ہی نہیں کرتا کیونکہ ردا اپنا ہے اور اس کے تھرو اپنے چاہنے والوں کو "سب کہہ دو" اسی لئے میں بھی کہتی ردا سب سے بیسٹ "تم ہی تو ہو"۔

او کے آپی جی لکھنے کو ابھی بھی بہت کچھ ہے مگر پھر کبھی سہی' خدا آپ کو آپ کی ٹیم کو بہت ترقی دے'

آمین۔ فی امان اللہ۔

سمیرا غزل .... کراچی

ڈیئر آپی السلام وعلیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی' تمام اسٹاف کو سلام۔ سب سے پہلے تو بہت بہت شکریہ مئی کے شمارے میں "وفا اور عورت" شائع کرنے کا' بہت اچھا لگا اس کے بعد معذرت کے کچھ مصروفیات کی بناء پر رابطہ نہیں ہو پایا' خیر امید ہے آپ کو برا نہیں لگا ہوگا۔

جون کا شمارہ اور جولائی کا شمارہ دونوں بہت اچھے لگے نائلہ طارق بہت زبردست جا رہی ہیں۔ آخر میں بہت سی دعائیں ردا کے لئے کہ یونہی یہ ترقی کی منازل طے کرتا رہے' آمین۔ کچھ نظمیں ارسال کر رہی ہوں امید ہے پسند آئیں گی۔

رابعہ بصری ملک .... واہ کینٹ

صالحہ اپیا! امید واثق ہے اس پاک رب کی پاک ذات سے کہ آپ اور آپ کی پوری ٹیم بالکل خیر و عافیت سے ہو گی۔ میں آپ کی محفل میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں ایک عدد تحریر کے ساتھ۔ مجھے "رابعہ بصری ملک" کہتے ہیں۔ میں پاکستان کے ایک بہت ہی خوبصورت شہر واہ کینٹ کی رہائشی ہوں۔ ردا ڈائجسٹ بلاشبہ ایک اچھا اضافہ ہے ادب کی دنیا میں۔ میری دعا ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ اسے مزید ترقی دے' آمین۔ تحریر کے بارے میں اپنی قیمتی رائے سے ضرور نوازیئے گا' انشاء اللہ پھر ملاقات ہوگی۔

ایمان علی .... کراچی

ڈیئر اینڈ سو سوئٹ صالحہ آپی! چاہتوں اور خلوص' پیار اور عقیدت کی چاشنی میں لبالب بھرا سلام قبول ہو۔ امید برحق ہے کہ صالحہ آپی آپ اور ردا کا تمام اسٹاف بخیر و عافیت ہوں گے۔ کافی عرصے بعد شمولیت اختیار کی' آپ ناراض تو نہیں ہیں ناں آپی؟ جولائی کا ردا اس وقت ہاتھ میں ہے ٹائٹل ہمیشہ کی طرح سو پر ہے۔ ردائے جنت تو واقعی جنت کی مانند رہا۔ اعتبارِ عشق' رگ جاں سے جو قریب تھے' کبھی عشق ہو تو پتہ چلے' سانس سڑک اور سکوت' چاروں ہی سلسلے وار ناول! ایک دم ٹاپ ٹاپ جا رہے ہیں۔ باقی افسانے بھی کافی بہتر تھے۔ جیا قریشی کا تعارف آئے ہائے اس تپتی اور جلتی ہوئی گرمیوں میں بھی ردا کے شمارے میں ٹھنڈی میٹھی چھاؤں کا سا سکون دیا۔

آخر میں سب کو میری طرف سے رمضان الکریم کی ڈھیروں ڈھیر مبارکباد' خدا ہم سب کو اس بابرکت مہینے کے طفیل سے عزت' شہرت و کامیابی عطا کر' آمین۔ دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔ دعا ہے کہ ردا یوں ہی ہم سب پر ٹھنڈی میٹھی چھاؤں کا سایہ فراہم کرے۔

حنا علی .... سیالکوٹ

السلام وعلیکم! صالحہ آپی اینڈ قارئین۔ امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔ سب سے پہلے تو صالحہ آپی آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میرا خط ردا میں شائع کیا۔ اپنا نام ردا میں دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ اب آتی ہوں ردا کی طرف تو جی سرورق اچھا لگا۔ گوشہ آگہی میں آپ کی باتیں ہمیشہ دل کو بھاتی ہیں۔ ردائے جنت پڑھ کر تو ظاہری آنکھوں کے ساتھ باطنی آنکھیں بھی کھل جاتی ہیں۔ سلسلے وار ناولز میں مجھے آپ کا ناول "رگ جاں سے

"جو قریب تھے" پسند ہے اور اس کے کرداروں میں مجھے رومی، ماہم اور اشمل اچھے لگتے ہیں۔ نائلہ جی! آپ کے ناول کے ہیرو شیث کے تو جی کیا کہنے۔ سباس جی اور شازیہ جی کے ناولز بھی اچھے چل رہے ہیں۔ "میرے ہم نفس" ناولٹ بھی پرفیکٹ رہا۔ افسانے سبھی اچھے لگے۔ مستقل سلسلے بھی سارے کے سارے دل کو بھاتے ہیں خاص طور پر گوشہ آگہی، ردائے جنت، خوشبو اشعار۔ صالحہ آپی میں خط کے ساتھ ایک غزل جو میں نے خود لکھی ہے اور ایک پیغام بھی بھیج رہی ہوں اسے پلیز پلیز شائع کیجیے گا۔ ردا میں میرا خط شامل کرنے کا ایک بار پھر شکریہ۔ اب اجازت چاہتی ہوں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ردا کو اور ترقی دے، آمین۔

صائمہ علی .... کراچی

السلام وعلیکم صالحہ جی! ردا میں پہلی مرتبہ خط لکھ رہی ہوں پتہ نہیں شائع ہوگا یا نہیں، پر امید پر دنیا قائم ہے یہی سوچ کر قلم اٹھایا اور لکھنا شروع کیا۔ ردا سے رشتہ تو پہلے بھی تھا پر مضبوطی تب آئی زیادہ اس رشتہ میں جب آپ کی تحریر "تم میرے ہوکے رہو" شائع ہوئی، آپ کی یہ تحریر ایک بہت ہی خوبصورت تحریر ہے، آپ نے اس ناول کے کرداروں کو لکھا ہے اور خاص کر فہد مصطفیٰ کا کردار میں تو پڑھنے کے بعد آپ کی فین ہوگئی تھی۔ "تم میرے ہوکے رہو" ایسی تحریر جو میں کبھی فراموش نہیں کرسکتی اور اب آپ کی دوسری تحریر "رگ جاں سے جو قریب تھے" بہت زبردست چل رہی ہے، شروع میں مجھے لگا وہی ٹپیکل اسٹوری ہوگی مگر جیسے جیسے کہانی آگے بڑھ رہی ہے انٹرسٹ بڑھتا جارہا ہے۔ "اشمل" ابھی لاابالی اور کم فہم ہے اس کو اپنی فیلنگز ایکسپریس کرنے میں اور اپنے اور رومی کے درمیان رشتے کی اہمیت کو سمجھنے میں کچھ وقت درکار ہے پر کبھی کبھی لگتا ہے بہت زیادہ وقت ہی نہ لگ جائے کہیں اور رومی بہت سمجھدار ہے بہت مضبوط کردار لکھا ہے آپ نے رومی کا' زبردست۔ اچھا اب ذرا ردا کی اور رائٹرز کی بھی بات ہوجائے۔ صالحہ جی کی تحریر "تم میرے ہو کے رہو" کے ختم ہونے کے بعد میں تو اداس ہوگئی تھی پر نائلہ طارق جی آپ نے "سانس، سڑک اور سکوت" جیسی تحریر لکھ کر میری اداسی کو ختم کردیا' کیا کہوں سمجھ نہیں آرہا' زبردست نائلہ جی ویلڈن' آپ نے معاشرے کے جس نازک مسئلے کی طرف نظر ثانی کروائی اور جس خوبصورتی سے آپ نے شیث کو پھر سے زندگی کی طرف موڑا ہے قابل تعریف ہے۔ شازیہ مصطفیٰ جی آپ بھی خوب لکھتی ہیں زبردست لیکن تمام سلسلہ وار کہانیوں کی رائٹرز سے ریکوئسٹ ہے کہ کہانی کچھ زیادہ بھیجا کریں تاکہ پڑھنے میں اور زیادہ مزہ آئے' اتنے طویل انتظار کے بعد چند صفحات پر مبنی کہانی دیکھ کر دل مایوس ہو جاتا ہے' پلیز ریکوئسٹ پر غور کیجیے گا اور باقی رائٹرز بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ باقی رائٹرز میں انعم خان' ثناء خان صنعا' انفیکٹ تمام رائٹرز ہی زبردست ہیں ایک سے بڑھ کر ایک۔ اوور آل تمام ردا ہی زبردست ہے اور قابل تعریف۔ آخر میں یہی امید کرتی ہوں میرا خط شامل اشاعت ہوگا اور اللہ حافظ اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو امن و امان کا گہوارہ بنادے' آمین۔

☆☆☆........

گوشہ چشم

مائی ڈیئر اینڈ لولی رائٹرز اور قارئین کو رحمتوں اور برکتوں بھرے مہینے کی بہت بہت مبارکباد۔ اللہ سے دعا ہے کہ اس ماہ صیام کی تمام تر برکتیں آپ کو نصیب ہوں اور آنے والی عید آپ سب کے لئے ڈھیروں خوشیاں لے کر آئے، چلیں اب آتے ہیں آپ کے سندیسوں کے جوابات کی جانب۔

سباس گل .... رحیم یار خان

سوئٹ اینڈ لولی سباس گل! ہم جانتے ہیں شادی کے بعد ہر لڑکی گھریلو ذمے داریوں میں مصروف ہو جاتی ہے سو آپ کی مجبوری ہم سمجھتے ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ آپ کی ساس صاحبہ کو صحت کاملہ عطا کرے، آمین۔

ثناء خان صنعا .... ملتان

سو سوئٹ اینڈ لولی ثناء خان! خوبصورت ہینڈ رائٹنگ سے سجا آپ کا سندیسہ موصول ہوا مگر کچھ تاخیر سے، کوشش کیا کریں کہ ردا ملتے ہی سندیسہ لکھ لیں باقی آپ کی تحاریر موصول ہوگئی ہیں اور جلد ہی وہ ردا میں شامل ہوں گی۔ آپ کی عید کے حوالے سے تحریر اس ماہ شامل اشاعت ہے۔ امید ہے آپ اسی طرح ردا کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھیں گی۔

فرزانہ عمر دراز .... کراچی

سوئٹ فرزانہ آپ کا دعاؤں بھرا سندیسہ ہمیں موصول ہوا' آپ کے اتنے پیار کا بے حد شکریہ اور ملکی حالات پر تو ہر ذی شعور شخص پریشان ہے۔ ہم سب کی دعا ہے کہ اللہ ہمارے ملک کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

رابعہ بصری ملک .... واہ کینٹ

سوئٹ رابعہ! آپ کی تحریر ہمیں موصول ہوگئی ہے جلد ہی شائع کردی جائے گی' آپ کے لئے بہت سی دعائیں۔ ردا میں شمولیت کے لئے شکریہ۔ ردا گائیڈ کارنر آپ ہی کے لئے ہے' آپ اپنا خیال رکھئے اور ردا کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھئے۔

سعدیہ عابد .... کراچی

سوئٹ اینڈ لولی سعدیہ! آپ کی تحریر موصول ہو گئی ہے اور جلد ہی ردا میں شامل ہوگی۔ رہی آپ کے سلسلے وار ناول کی بات تو ذرا سا اور انتظار کرلیں انشاء اللہ جلد ہی آپ کو سلسلے وار ناول میں موقع مل جائے گا۔ امید ہے آپ یونہی ردا کا حصہ بنی رہیں اپنا بہت سا خیال رکھئے گا۔

رابعہ خان .... کراچی

سوئٹ رابعہ! آپ کا ناول ہمیں مل گیا ہے آپ کے پیار اور دعاؤں کا بے حد شکریہ۔ ردا میں شمولیت کا شکر

ام کلثوم حسین .... کراچی

سوئٹ کلثوم! آپ کی تحریر ہمیں موصول ہوگئی ہے جلد ہی ردا میں شامل ہوگی' امید ہے آپ اپنا سفر ردا کے ساتھ جاری رکھیں گی۔

فرزانہ حبیب فرزین .... کراچی

فرزانہ آپ کی پہلی تحریر ہمیں مل گئی ہے حوصلہ افزائی کے لئے ہم اسے ضرور ردا میں شامل کریں گے مگر اس یقین کے ساتھ کہ آپ اس سے بہت اچھا لکھنے کی کوشش جاری رکھیں گی' اپنا بہت خیال رکھئے گا۔

فرح طاہر قریشی .... ملتان

آپ کی دونوں تحاریر موصول ہوگئی ہیں آپ کی ایک تحریر جلد ہی ردا میں شامل ہو جائے گی۔ آپ سینئر رائٹرز کے ناولز کو بغور پڑھا کریں اس سے مزید آپ کے قلم میں پختگی اور نکھار آئے گا۔

لبنٰی عبید .... کراچی

سوئٹ لبنٰی عبید! آپ کا ناول مل گیا ہے۔ کچھ انتظار کیجیے' جلد ہی شامل اشاعت ہوگا۔

افشاں علی .... کراچی

سوئٹ افشاں علی! آپ بہت عرصے بعد سندیسے اور ناول کی صورت حاضر ہوئیں' کہاں رہیں اتنے عرصے۔ امید ہے کہ اب ردا سے رابطے کا سلسلہ سدا برقرار رہے گا اور ردا کے سنگ آپ کا سفر جاری رہے گا۔

حنا علی .... ملتان

لولی حنا! آپ کی محبت اور پیار کا بے حد شکریہ اور سالگرہ کے یاد رکھنے اور وِش کرنے کا بے حد شکریہ۔ آپ نے اس دن کو یاد رکھا' بہت سی دعائیں اور پیار آپ کے لئے۔

نور بانو .... کوئٹہ

نور! ہمیشہ شاد و آباد رہو' ردا آپ کا اپنا رسالہ ہے اب آ گئی ہیں تو راستہ بھولئے گا نہیں۔ ردا کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ ردا کے کسی بھی کالم میں آپ شامل ہو سکتی ہیں' اپنا خیال رکھئے گا۔

بسمہ علی .... سکھر

پیاری! خوش رہو۔ آپ سب ہماری اپنی ہیں اور ہمیں دل سے عزیز ہیں۔ ردا آپ کا اپنا ردا ہے۔ اس کے کسی سلسلے میں شامل ہونے کے لئے آپ کو اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ کوشش کیا کریں کہ اپنی تمام نگارشات 5 تاریخ تک بھیج دیا کریں تا کہ آپ کی نگارشات شامل ہو جائیں۔

صائمہ علی .... کراچی

پیاری صائمہ! جیتی رہو' پہلی بار آمد پر آپ کا خط آپ کی خوشی کے لئے شامل اشاعت ہے' خوش آمدید۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ ردا کی فین ہیں' آپ کا تفصیلی سندیسہ پڑھ کر بے حد اچھا لگا۔ امید ہے آپ آئندہ بھی ردا میں شامل ہوتی رہیں گی۔

ثناء حیات .... کراچی

ڈیئر! خوش رہئے' آپ کی رمضان کی مبارک' عید کی اور سالگرہ کی مبارکباد کا بے حد شکریہ اور ردا کی پسندیدگی کے لئے بھی ہم ممنون ہیں۔ یہ آپ سب قارئین اور رائٹرز کی مرہون منت ہے جو ردا میں چار چاند لگاتے ہیں ہر ماہ۔ اپنا بہت خیال رکھیں۔

............☆☆☆............

دوستوں کے نام پیغام

پیاری صالحہ آپی اور سوئٹ قارئین! سوئٹ نورین جی اور وہ تمام قارئین بہنیں جنہوں نے ہمارے ناول پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ہے اور ہمیں شادی کی مبارکباد اور دعاؤں سے نوازا آپ سب کا بہت بہت شکریہ' جزاک اللہ۔

سوئٹ سسٹرز نادیہ اظہر' کنول خان' شبانہ شفیق سحر' انعم خان' عانیہ نیازی' بشرٰی طارق' راحیلہ سمیع' دھنک ناز' ثمرین اسلام الدین' سنجیدہ خان' نجمہ زیدی' سحر انجم' ارم ناز' گل ثمرین' شاہدہ وقار' افشاں علی' نوشی' عبیرہ عزیز' جیا قریشی اور وہ تمام بہنیں جن کے نام لکھنے سے رہ گئے ہیں ہم آپ کی محبتوں' دعاؤں اور نیک تمناؤں کے لئے تہہ دل سے آپ سب کے ممنون ہیں' اسی طرح ہمیں اپنی دعاؤں اور محبتوں سے نوازتی رہئے گا۔ اللہ تعالٰی آپ سب کو صحت مند' باعزت اور خوشیوں بھری زندگی عطا فرمائے آمین۔

سباس گل ...... رحیم یار خان

............☆☆☆............

السلام وعلیکم آپی! کیا حال ہے آپ کا اور تمام اسٹاف کا؟ آپی ردا بہت زبردست جا رہا ہے آپ کی اس کاوش سے کافی رائٹر ابھر کر منظر عام پر آ چکی ہیں' سب بہت اچھا لکھ رہی ہیں اور سب کو میری طرف سے اتنا اچھا لکھنے پر مبارکباد اور میری طرف سے سب کو عید مبارک۔ اللہ تعالٰی ہم سب کی عیدیں خوشیوں سے مالا مال کر دے آمین۔ اور شائستہ زاہد کو میری طرف سے شادی کی بہت بہت مبارک ہو' اللہ انہیں اس سفر میں اپنے ہمسفر کے ساتھ ہمیشہ ثابت قدم رکھے اور انہیں سسرال کے ہر رشتے کا پیار نصیب ہو آمین۔

تبسم فیاض ...... کراچی

............☆☆☆............

میری بے حد عزیز پیاری اور محترم بہنیں' دوستیں اور بیٹیاں السلام وعلیکم! ردا سے تو رابطہ بہت پرانا ہے دیگر رسائل میں لکھنے اور چھپنے کے باوجود میں نے سب سے زیادہ ردا ڈائجسٹ میں لکھا' صالحہ محمود سے دوستی بھی تو ہے۔ آج میں نے بہنوں اور دوستوں کو ایک ضرورت کے تحت یاد کیا ہے۔ نومبر 2009ء میں میرا ایک افسانہ "بھرم" کے نام سے یعنی عنوان سے چھپا تھا ردا ڈائجسٹ میں۔ "بھرم" مجھے اپنے بے شمار افسانوں میں سے بذات خود بے حد پسند ہے اور یہ رسالہ کچھ مہربانوں' دوستوں اور کرم فرماؤں کی وجہ سے غائب ہو گیا جبکہ میرے پاس یہ ایک نہیں دو رسالے تھے۔ اب میری بہنوں سے درخواست ہے کہ اگر کسی کے پاس "ردا ڈائجسٹ" نومبر 2009ء کی کاپی ہو تو ردا ڈائجسٹ بھیج دیں یا پھر اس افسانے کی فوٹو اسٹیٹ' میں بے حد ممنون ہوں گی۔ امید ہے بہنیں مجھے مایوس نہیں کریں گی۔

سلمٰی غزل ...... کراچی

............☆☆☆............

شائستہ زاہد کے نام:

ڈیئر شائستہ زاہد سلام! کیسی ہیں آپ؟ آپ کو شادی کی بہت بہت مبارکباد۔ میری ہمیشہ دعا رہے

گی کہ آپ اپنے ساجن سنگ زندگی کی بے شمار خوبصورت بہاریں دیکھیں۔ آپ زندگی کو نہیں زندگی آپ کے سنگ جینے کی خواہش کرے' آمین۔

انعم خان...... ہری پور ہزارہ

☆☆☆

السلام وعلیکم! آپی یہ خاص کر ہم نے اپنی طرف سے آپ کے لئے لکھا ہے' ہوسکتا ہے اس کے ذریعے آپ کو ہماری دوستی کا یقین آجائے کہ آپ کے دور ہونے سے ہمیں کتنی تکلیف ہوتی ہے اس کے باوجود ہمارے دل سے بس یہ دعا نکلتی ہے۔

''دعا''

تیری راہیں پھولوں سے مہکیں
تیرے ہر قدم پر بہار ہو
تیری زندگی میں پیار کی برسات ہو
تجھے چھو نہ سکے کوئی بھی غم
تیرے ہر دکھ پر میرا نام ہو
میری ہر خوشی تیرے نام ہو
میری دوست میری زندگی

رضوانہ عمر دراز...... کراچی

☆☆☆

انعم خان کے نام:

سلام الفت' پیاری انعم کیسی ہو؟ پیپرز کی تیاری کیسی جا رہی ہے؟ تمہاری خواہش تھی میں ردا میں لکھوں تو دیکھو میں حاضر ہوں۔ تم بے فکر ہو کر تیاری کرو جیسے تم نے میرے پیپرز میں میرے لئے دعا کی ایسے ہی میں تمہارے لئے دعا گو ہوں انشاء اللہ کامیابی ملے گی اور آج کل کیا ہو رہا ہے...... تمہارا ناول بہت بیسٹ جا رہا ہے۔ تم سے بات کر کے بہت اچھا لگتا ہے۔ اب اجازت چاہوں گی اپنا بہت سا خیال رکھنا' خدا حافظ۔

فرح طاہر قریشی...... ملتان

☆☆☆

میری پیاری بھانجی مریم کے نام!

کیوٹ مریم عرف فیری کو اپنی پہلی سالگرہ مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ فیری کو سدا خوش و خرم رکھے اور اس کی زندگی میں ہزاروں ایسے دن آئیں' آمین۔

تمہاری سالگرہ کے لئے دعا ہے ہماری
جتنے ہیں چاند تارے اتنی ہو عمر تمہاری

بسمہ شانزے پارس نواب...... کراچی

☆☆☆

میڈم کے نام:

السلام وعلیکم ڈیئر آپی صالحہ محمود! کیسی ہیں۔ امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔ آپ کو ہماری طرف سے 14 اگست جشن آزادی اور 14 اگست آپ کی سالگرہ مبارک ہو۔ دعا کرتی ہوں آپ کو غم نہ ہوں' خوشیاں آپ کی ختم نہ ہوں' آنکھیں آپ کی نم نہ ہوں' ردا آپ کا ہمارا ساتھ کم نہ ہو۔

سائرہ سمون...... سندھ

☆☆☆

دوست کے نام پیغام:

صالحہ جی اینڈ سوئٹ سے قارئین اینڈ مائی فیملی آپ سب کو میری طرف سے رمضان المبارک کی بہت بہت مبارکباد۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان میں خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور رمضان المبارک کی برکتیں سمیٹنے' کثرت سے استغفار کرنے کی توفیق عطا فرمائے' آمین۔ اور میری طرف سے تمام قارئین اور میری فیملی کو تمام دوستوں کو پیشگی عید کی بہت بہت مبارکباد۔

صائمہ علی...... کراچی

باتیں صحت کی

علاج بذریعہ ہینگ

گھر کا دواخانہ:

جو اشیا ہمارے گھروں میں دستیاب ہوتی ہیں ان اشیاء سے موٹی موٹی بیماریوں کا علاج بھی کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شے میں بہت سے خواص رکھے ہیں صرف ان کو طریقے سے استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔

علاج بذریعہ ہینگ:

ہینگ ایک نہایت کارآمد اور مفید شے ہے۔ مزاج کے لحاظ سے یہ گرم ہوتی ہے یہ مخرج' بلغم' درد حیض' کاسر ریاح اور دافع تشنج ہے۔ جگر' طحال اور معدہ کی بیماریوں کے لیے نہایت مفید ہے۔ ہاضم طعام ہے بھوک خوب لگتی ہے۔ دماغی اور اعصابی امراض مرگی' فالج' لقوہ' رعشہ اور خدر وغیرہ کے لیے خصوصاً اختناق الرحم (ہسٹریا) کے لیے کثرت سے استعمال ہوتی ہے اور دام اور ریاح کو تحلیل کرتی ہے اور مقوی باہ بھی ہے اس کے چند ایک نسخے حسب ذیل ہیں۔

(1) ہسٹریا:

ہینگ آٹھ ماشہ' پیپرمنٹ تین ماشہ باریک پیس کر ڈیڑھ پاؤ پانی میں ملا کر رکھ لیں' ایک ایک تولہ یہ پانی ہر دو گھنٹہ بعد استعمال کرائیں باؤ گولہ اور ہسٹریا میں از حد مفید ہے۔

(2) ہیضہ:

اگر ہیضہ کی صورت میں دست اور قے کا زور ہو اور باوجود اس کے' اس کے موذی مادہ کا اخراج نہ ہوتا ہو اور دستوں کو روکنے کی ضرورت پڑ جائے تو ہینگ ڈیڑھ ماشہ' کالی مرچ نصف ماشہ' افیون نصف ماشہ سب کو ملا کر آٹھ گولیاں بنائیں' ایک ایک گولی ایک ایک گھنٹہ بعد دیں' ایام ہیضہ میں یہ گولیاں مفت تقسیم کرنے کے قابل ہیں۔

(3) دمہ اور کھانسی:

ہیرا ہینگ اصلی 4 ماشہ کافور 4 ماشہ باریک پیس کر جب نخود کی بنائیں دورہ کے وقت ایک ایک گولی دیں' چھاتی پر تارپین یا اسی کا تیل مالش کریں۔

(4) رورینہ و پسلی:

یہ رورینہ جسم کے اس مقام پر ہوتا ہے جہاں دونوں پسلیاں ایک دوسرے سے ملتی ہیں اس کو کوڈی کا درد بھی کہتے ہیں۔ یہ درد بہت خطرناک قسم کا ہوتا ہے کیونکہ اس مقام سے دل بہت قریب ہوتا ہے اس مرض میں ہینگ کو اس طرح استعمال کریں حلق سے نیچے اترتے ہی اپنا اثر دکھاتی ہے۔ دو رتی ہینگ ایک منقہ کے اندر لپیٹ کر کھلا دیں۔ اگر کچھ تکلیف باقی رہے تو نصف گھنٹہ بعد ایک ایسی ہی خوراک اور کھلا

دیں اور پھر قدرت کا کرشمہ دیکھیں۔

درد پسلی کے لیے عمدہ ہینگ ایک ماشہ لے کر اور مرغی کے انڈے کی زردی میں ملا کر پسلی پر لیپ کریں۔ مریض کی ساری تکلیف جاتی رہے گی۔

(5) پیٹ کا درد:

پیٹ میں ہوا یعنی ریاح کے جانے سے درد پیدا ہو جائے تو دو ماشہ ہینگ لے کر 8 چھٹانک پانی میں اتنا پکائیں کہ پانی صرف ایک چھٹانک رہ جائے۔ اب اس پانی کو نیم گرم حالت میں مریض کو پلائیں۔ انشاءاللہ حلق سے اترتے ہی اپنا کام دکھائے گی۔

(6) امراض شکم پر 90 فیصد کامیاب نسخہ:

ہیرا ہینگ چھ ماشہ، نوشادر ایک تولہ، نمک ایک تولہ۔ تینوں اشیاء کو خوب باریک کر کے پانی میں کھرل کر کے حل کر لیں۔ پھر اس سیال کو صاف کپڑے میں چھان کر بوتل میں بھر لیں۔ دودھ کی مانند سفید عرق تیار ہو گا۔ اس کو آپ 24 خوراک سمجھیں۔ یہ ایک بے حد مفید اور موثر نسخہ ہے اور نوے فیصد تسلی بخش نتائج کا حامل ہے۔ درد پیٹ، قے، درد جگر، باؤ گولہ، بدہضمی، درد گردہ، کمی اشتہا کے لیے بہت مفید ہے۔ چار گھنٹہ کے بعد ایک خوراک دیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازیاں دیکھیں۔

(7) نزلہ:

نزلہ کا گندہ مواد حلق میں گرنے سے یا پانی بدل ہونے سے آواز بند ہو جاتی ہے جو کہ ایک نہایت تکلیف دہ شے ہے۔ مریض سے بولا نہیں جاتا۔ ذیل کا نسخہ اس کے لیے مفید ہے۔ ہینگ بقدر 4 رتی لے کر نیم گرم پانی میں حل کر کے اچھی طرح غرغرے کروائیں۔ ایک دو بار یہ عمل کرنے سے آواز درست ہو جائے گی۔

(8) منجن برائے درد و کرم دندان:

ہینگ ایک تولہ، عقرقرحا ایک تولہ، خلفل سیاہ ایک تولہ، کافور ایک تولہ، بابڑنگ ایک تولہ، نیم کے خشک پتے ایک تولہ، نمک لاہوری ایک تولہ، سب ادویات کو پیس کر بطور منجن استعمال کریں، دانتوں کے کیڑے مر جاتے ہیں نیز درد بھی دور ہو جاتا ہے۔

(9) پیٹ کے کیڑے مارنے اور نکالنے کی دوا:

ہیرا ہینگ گھی میں بھنی ہوئی تین ماشہ، اجموذ، بابڑنگ، پسندھا نمک، جوا کھاڈ، بڑی ہرڑ، سونٹھ، پیلی سب اڑھائی ماشہ، سب کو باریک پیس کر تین ماشہ سے پانچ ماشہ تک سفوف لینے سے کھانا ہضم ہوتا ہے اور پیٹ کے کیڑے مر کر نکل جاتے ہیں۔

(10) درد:

ہینگ کو سرکہ میں پیس کر لیپ کرنا درد کے لیے بہترین دوا ہے۔

(11) امراض کان:

ہینگ کو روغن زیتون میں پکا کر شیشی میں بند کر لیں۔ چند قطرے کان میں ڈالنے سے کان کا درد، گھنگھناہٹ اور بہرہ پن دور ہو جاتا ہے۔

(12) درد معدہ:

ہیرا ہینگ سردتی منقیٰ میں رکھ کر گولی سی بنا کر مریض کو کھلائیں۔ بہت جلد درد معدہ دور ہو جائے گا خواہ درد کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو۔

..........☆☆☆☆☆..........

کچن

اسپیشل عید سویاں

اجزاء:

چینی: 2 کلو یا حسب ضرورت
دودھ: 1/2 1 کلو
سویاں: 1/2 کلو
کھویا: 3 پاؤ
دیسی گھی: 1/2 کلو
زرد رنگ: 1 چٹکی
پستہ، بادام، کشمش: 1 چائے کا چمچ
چاندی کے ورق: 4-3 عدد
چھوٹی الائچی کے دانے: 2 کھانے کے چمچ
لونگ: 5 عدد
کیوڑہ: 1 چھوٹی شیشی

ترکیب: پہلے ڈیڑھ کلو دودھ کو اتنا پکائیں کہ تین پاؤ ہو جائے پھر دودھ میں چینی ڈال کر قوام تیار کر لیں۔ اب دیگچی نیچے اتار لیں (نوٹ: قوام پتلا نہ ہو ورنہ سویاں ٹوٹ جائیں گی)

ایک کھلے منہ کی دیگچی میں ڈھائی کلو پانی ابالیں، جب پانی ابلنے لگے تو اس میں زرد رنگ ڈال دیں۔

اب سویوں کو ململ کے کپڑے میں باندھ کر پوٹلی بنالیں اور زرد رنگ والے پانی میں پوٹلی ڈال کر سویاں ابالیں جب سویاں گل جائیں تو پوٹلی تقریباً نچوڑ کر سویاں قوام میں ملا دیں۔

اب کھویا گھی میں بھون لیں۔ جب کھوئے کا رنگ گلابی ہو جائے تو اسے سویوں میں ملا دیں۔

الگ سے گھی لے کر اس میں لونگ، چھوٹی الائچی کڑکڑا کر سویوں میں ڈال کر ان کا بگھار لگالیں۔

بگھارنے کے بعد سویاں چولہے پر رکھ کر ہلکی آنچ پر پکائیں اور برابر کفگیر چلاتی رہیں تاکہ سویاں دیگچی میں لگنے نہ پائیں۔ جب سویوں کا پانی بالکل خشک ہو جائے اور وہ گھی چھوڑ دیں پھر ان پر کیوڑہ چھڑک کر انہیں نیچے اتار لیں اور چھوٹے پیالوں میں جما دیں۔ ان پر بادام، پستہ، کشمش چھڑک دیں اور اگر چاندی کے ورق لگانا چاہیں تو لگالیں۔ قوامی سویاں بے حد لذیذ ہوتی ہیں۔

شاہی ٹکڑے

اجزاء:

ڈبل روٹی: 8 سلائس (کنارے کاٹ لیں)
چینی: حسب ضرورت
دودھ: 1 کلو
بادام: 1 پاؤ
کیوڑہ: 1 چائے کا چمچ
زردے کا رنگ: 1 چٹکی
کھویا: 1 پاؤ
چھوٹی الائچی: 4 عدد
گھی: تلنے کے لیے حسب ضرورت

ترکیب: دودھ کو ابال لیں۔ اس میں الائچی پیس کر ڈال دیں، اب اسے اتنا پکائیں کہ آدھا رہ جائے پھر اس دودھ میں چینی، کیوڑہ اور زردے کا رنگ ملا لیں۔ کھوئے کو بھی تھوڑے سے ٹھنڈے دودھ میں گھول کر اس میں ڈال دیں اور پکا کر گاڑھا کر لیں۔

ڈبل روٹی کے سلائس کو فرائی پین میں گھی ڈال کر تل لیں۔ اب ایک گہری ٹرے میں یہ سلائس رکھ کر اوپر سے دودھ والا آمیزہ ڈالیں اور بادام کاٹ یا پیس کر چھڑک دیں۔ مزید خوبصورتی کیلئے چاندی کے ورق بھی لگا دیں۔ شاہی ٹکڑے تیار ہیں۔

رس گلے

اجزاء:

چاول کا آٹا: 100 گرام
دودھ: 1 لیٹر
ٹاٹری: چوتھائی چائے کا چمچ
چینی: 1 سے 1/2 کلو
پستہ: 4 عدد

ترکیب: ایک برتن میں دودھ ڈال کر چولہے پر رکھیں۔ جب دودھ ابلنے لگ جائے تو اس میں ٹاٹری ڈال دیں۔

جب دودھ پھٹ جائے تو چولہے پر سے اتار لیں اور کسی باریک کپڑے میں ڈال کر پوٹلی باندھ کر نچوڑیں۔

دودھ سے تمام پانی نچڑ جائے تو بچی ہوئی پنیر کو پلیٹ میں ڈال کر اس میں باریک پسا ہوا چاول کا آٹا ملا کر مکس کر لیں۔

تقریباً آدھے گھنٹے تک دونوں اجزاء کو آپس میں مکس کرتی رہیں اور پھر اس آمیزے کی چھوٹی چھوٹی بالز بنالیں۔

اب پستے کو باریک کاٹ کر رکھ لیں۔ پھر ایک برتن میں چینی اور تین کپ پانی ڈال کر چولہے پر رکھیں جب ایک تار کی چاشنی بن جائے تو اس میں رس گلے ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔

رس گلے پک کر پھول جائیں تو انہیں برتن سے نکال لیں۔ اس کے بعد چینی کا قوام تیار کریں جو کہ زیادہ گاڑھا نہ ہو۔

تیار شدہ چینی کے قوام میں پستے کے ٹکڑے اور رس گلے ڈال دیں اور کسی پیالے یا ڈش مین نکال کر فریج میں رکھ دیں۔ ٹھنڈا ہونے پر نوش فرمائیں۔

اسٹرابیری ٹرائفل

اجزاء:

جام رول: 1 عدد (قتلے شدہ)
اسٹرابیری جیلی: 1 پیکٹ
تازہ یا فریز شدہ اسٹرابیری: 250 گرام

چینی: 4 چائے کے چمچ

کریم: 1 کپ

پھلوں کا رس: 6 کھانے کا چمچ

گرم پانی: 1 کپ

ونیلا کسٹرڈ پاؤڈر: 2 کھانے کا چمچ

دودھ: 2 کپ

ترکیب: جام رول (بیکری پر عام مل جاتا ہے اور خود گھر پر بھی تیار کیا جاسکتا ہے) کے قتلے ایک شیشے کے پیالے میں پھیلا کر ان پر چھ کھانے کے چمچ پھلوں کا جوس پھیلا دیں۔

جیلی کرسٹل کو ایک کپ گرم پانی سے تیار کر کے اس میں اسٹرابیری کے چار ٹکڑے کر کے ملا دیں پھر قدرے سیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔ جیلی کو شیشے کے پیالے میں ڈال دیں۔ کسٹرڈ تیار کرنے کے لیے چینی دودھ اور کسٹرڈ پاؤڈر ملا کر پکائیں اور پھر گاڑھا ہونے پر ڈھانپ کر رکھ دیں' جب ٹھنڈا ہو جائے تو جیلی پر ڈال دیں اور فریج میں رکھ دیں۔

تازہ کریم پھینٹ کر کسٹرڈ پر ڈالیں اور ایک اسٹرابیری کو چار حصوں میں کاٹ کر پھول بنا کر درمیان میں سجا کر ساتھ پودینے کے دو پتے سجا دیں۔

اسٹرابیری چاکلیٹ ماربل

اجزاء برائے کرسٹ:

میدہ: 1/2 کپ

نمک: 1/4 چائے کا چمچ

کیسٹر شوگر: 1/4 کپ

مکھن: 3/4 کپ

ونیلا ایسنس: 1 چائے کا چمچ

انڈے کی زردی: 1 عدد

فریش کریم: 2 کھانے کا چمچ

فلنگ:

فریش کریم: 1 کپ (پھینٹ لیں)

ڈارک چاکلیٹ: 1 کپ

وائٹ چاکلیٹ: 1/2 کپ

اسٹرابری: 1 کپ

کرسٹ بنانے کی ترکیب: سب سے پہلے میدہ' مکھن' کیسٹر شوگر اور نمک ملا کر اتنا مکس کریں کہ بریڈ کرمبز کی طرح کا آمیزہ بن جائے۔ پھر انڈے کی زردی اور ونیلا ایسنس شامل کر کے دوبارہ اچھی طرح مکس کر لیں۔ پھر اس کو پلاسٹک بیگ میں ڈال کر 2 گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ اب اس آٹے کی بڑی سی روٹی بیل کر ایک گریس کی ہوئی بیکنگ ڈش میں رکھیں کانٹے کی مدد سے سوراخ کریں اور 180 سینٹی گریڈ پر 25 منٹ کے لیے رکھ دیں' بیک ہونے کے بعد ٹھنڈا کریں۔

ٹاپنگ: دونوں قسم کی چاکلیٹ کو ڈبل بوائلر میں علیحدہ علیحدہ پگھلا لیں۔ اب کریم میں ڈارک چاکلیٹ مکس کر کے تیار کردہ کرسٹ پر پھیلا دیں۔ پھر وائٹ چاکلیٹ پھیلا دیں اور اسٹرابیری سے سجا کر پیش کریں۔

☆☆☆

شہلا مشائق

سنگھار

چہرے کی خوبصورتی اور تازگی کو تادیر برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا بھرپور خیال رکھا جائے' وقتاً فوقتاً چہرے کی کلینزنگ کرتے رہنا چاہیے' آج ہم آپ کو چند آزمودہ گھریلو ماسک بنانا بتا رہے ہیں جن کے استعمال سے آپ کی جلد فریش اور تازگی سے بھرپور ہو جائے گی' ماسک کے ہفتہ پندرہ دن کے استعمال سے چہرے پر ملائمت اور چمک پیدا ہوتی ہے۔

چہرے کو شگفتہ کرنے کا ماسک' مڈ ماسک' کھیرے کا ماسک' اسٹرابیری کا ماسک' انناس کا ماسک' انڈے کی سفیدی کا ماسک' دہی اور بیسن کا ماسک۔

مختلف اقسام کے ماسک:

چہرے کو شگفتہ کرنے کا ماسک

چہرہ اچھی طرح دھو کر بھاپ دیں پھر نرم تولئے سے پونچھ کر سکھائیے پھر اس پر تھوڑا سا چقندر کا رس ملیئے اور دس منٹ تک کے لئے سوکھنے دیجیے بعد ازاں اس پر لیموں کا رس روئی سے لگائیے اور اسے بھی دس منٹ سوکھنے دیں۔ پھر چہرے پر تازہ بالائی کا مساج کریں اس سے بھی اپنا چہرہ صاف کریں اور خوب میل کی بتیاں مل مل کر اتاریئے۔ اس کے بعد ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھو ڈالئے اس سے آپ کی جلد حد درجہ صاف اور چکنی چمکدار ہو جائے گی۔ بس اب اس پر ہلکا سا میک اپ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح آپ خزاں میں بہار پت جھڑ میں گلاب نظر آئیں گی۔

مڈ ماسک

اس میں چکنائی' مٹی اور مصفاء اجزا شامل ہوتے ہیں یہ جلد کو خشک کرتی ہے۔ چکنی جلد کے لئے مفید ہے۔ سیاہ دانے بھی صاف کرتی ہے۔ مڈ ماسک کے استعمال کے بعد جلد صاف ستھری اور کندن کی طرح نکھری نکھری نظر آتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شروع میں مڈ ماسک کے استعمال کے بعد آپ کی جلد پر کچھ دھبے نظر آئیں' پریشان نہ ہوں' اس کا مطلب یہ ہے کہ مڈ نے جلد کی گہرائی میں موجود کثافت کو باہر نکال لیا ہے۔ اس لئے اس کا باقاعدہ استعمال اہم ہے اس سے جلد کے عضلات مستحکم ہوتے ہیں۔ یہ ادھیڑ عمر جلد کے لئے زیادہ موثر اور مفید ہے کیونکہ عمر بڑھنے کے ساتھ جلد کی رونق ختم ہونے لگتی ہے وہ اس مڈ ماسک سے بحال ہو جاتی ہے۔

کھیرے کا ماسک

کھیرا چہرے کے لئے بہترین ہے کھیرے کا

ماسک لگانے کے لئے کھیرے کے پتلے پتلے گول کتلے کاٹ کر پورے چہرے پر لگالیں' چہرے پر کھیرا لگانے سے قبل ان پر تھوڑا سا بے بی آئل لگالیں۔

اسٹرابیری کا ماسک

اسٹرابیری اگرچہ ہمارے ملک میں بہت کم ملتی ہے لیکن جہاں ملتی ہے وہاں کی خواتین کے لئے یہ خوشخبری ہے کہ اسٹرابیری کا ماسک کھیرے اور ہر قسم کے کاسمیٹکس ماسک سے زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اسٹرابیری کا ماسک لگانے کے لئے اس کا گودا پورے چہرے پر لگایا جاتا ہے۔

اناناس کا ماسک

اناناس کھانے ہی میں خوش ذائقہ نہیں ہوتا' اس کے اور بھی بے شمار فوائد ہیں۔ ان میں سے ایک اہم فائدہ جس کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اس کا رس تھکی ہوئی پژمردہ جلد کو شاداب و تازگی بخشنے میں جادوئی اثر رکھتا ہے اناناس کا رس ماسک کے طور پر چہرے پر لگائیں اور پھر کمال دیکھیں۔

انڈے کی سفیدی کا ماسک

گھر میں انڈے ہر وقت موجود رہتے ہیں ناشتے کے لئے آملیٹ بناتے ہوئے تھوڑی سی سفیدی انڈوں میں سے الگ نکال کر رکھ دیجیے اور فرصت ملتے ہی اس سفیدی کو پھینٹ کر چہرے پر لگائیں اور دس منٹ بعد ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھولیں۔ آپ خود دیکھیں گی کہ آپ کا چہرہ نکھر گیا ہے۔

دہی اور بیسن کا ماسک

دہی اور بیسن ہر گھر کے باورچی خانے میں ہر وقت موجود ہوتا ہے تھوڑا سا دہی لے کر اس میں ایک کھانے کا چمچہ بیسن ملالیں۔ اس میں چاہیں تو لیموں کا رس بھی شامل کر سکتی ہیں اب اس آمیزے کو دس منٹ تک منہ پر لگائیں اور پھر چہرہ ٹھنڈے پانی سے دھولیں اگر جلد بدرنگ ہو جائے تو لیموں اور زیتون کا تیل ملا کر صبح و شام اس سے چہرے کا مساج کریں یہ عمل بھی جلد کے لئے بہتر ہے۔

ٹماٹر کا ماسک

ٹماٹر کے گودے کو لیموں کے رس میں شامل کر کے چہرے پر لگانے سے چہرے کی رنگت نکھر جاتی ہے۔

میدہ اور دودھ کا ماسک

میدہ اور دودھ کا ماسک روزانہ چہرے پر لگانے سے چہرے کی میل اور کثافت دور ہو جاتی ہے اور رنگت صاف اور خوبصورت ہو جاتی ہے۔

کیلے کا ماسک

کیلے کے گودے کو اچھی طرح مسل کر اس میں تھوڑا سا دودھ یا بالائی ملا کر چہرے پر لگانے سے سنولائی رنگت صاف اور نکھر جاتی ہے۔

☆☆☆